

المكتبة الرحمانية

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

www.KitaboSunnat.com

مغربی ایشیا کے چھ مسلم اور عرب ممالک۔ افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور شرق اردن۔ کے ایک مخلوقاتی و دعوتی دورہ کی مفصل روداد و ڈائری جس میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی اور اقتصادی صورت حال کی کچھ تصویر اور وہاں کی دینی و اصلاحی تحریکات، متضاد عوامل و اثرات اور ذہنی و روحانی کشمکش کا دیانت دارانہ جائزہ آگیا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(محفوظ)

المكتبة الرحمانية

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

نمبر ۰۱۸۰۲۷۔۔۔۔۔

بار سوم

220.91

اب و - ۵۱۳۹۸-۶۱۹۷۸

کتابت ظہیر احمد کاکوروی
طباعت .. . لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (آفسٹ)
صفحات .. . ۳۰۴
قیمت .. . پچودہ روپے

باہتمام

۱۰۵۵

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

دریائے کابل

سے

دریائے یرموک

تک

www.KitaboSunnat.com

ترکی

لکھنؤ

پہلا ایڈیشن ۱۹۷۴ء

دوسرا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء

عربی

اردو

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۴	علمائے کابل سے گفتگو	۹	حرف آغاز
۳۸	وزراء اور دوسرے ذمہ داروں کے ملاقاتیں	۱۳ تا ۴۵	مجاہدین اور فاتحین کی سرزمین افغانستان میں
۴۰	اس کے نتائج	۱۵	ہندستان اور اسلام کی تاریخ میں افغانستان کا کردار
۴۲	کابل میں مجددی خاندان	۱۸	افغانستان ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں
۴۴	چند علمی و دینی شخصیتیں	۲۲	سفر افغانستان میں تاخیر
۴۴	کابل کی جامع مسجدیں	۲۳	رابطہ عالم اسلامی کا وفد
۴۵	آثار قدیمہ اور باغات	۲۵	سرزمین کابل میں
۴۶	سلطان محمود غزنوی کے دارالسلطنت میں	۲۶	وزارت تعلیم کی حیثیت اور رہنمائی میں
۴۷	علمی و تمدنی تاریخ میں غزنی کا حصہ	۲۷	تعلیمی و ثقافتی اداروں کا معائنہ
۴۸	غزنی کی بربادی	۳۰	تجدد پسند افغانی خواتین سے گفتگو
۴۹	حکماء، حکام، بزرگان اور شہنشاہوں کے مزار پر		افغانی خواتین میں جدیدیت پسند و مستشرقین کے
۵۱	عسرت کا مقام	۳۱	افکار کے اثرات
۵۲	ملک محمد ظاہر شاہ اور سردار داؤاد خان	۳۲	یہڑگی اور معاشرتی تبدیلی کا تقاضا و قومی زوال کا پیش خیمہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۳	ایرانی دوستوں سے ایک سوال	۵۶	سعودی سفارتخانہ کی طرف سے معذرت دہانی
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ایک	۵۸	افغانی قوم کے انقلاب و ران کی قوت کا سرچشمہ
۱۱۶	نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفہ ایران کو بیدار کیا	۷۱	قوموں کی زندگی شخصیت اور پختا کا پرہیز
۱۲۴	مسئلہ صرف دین و لا دینیت کا ہے	۷۷	ذوق جمال اور رعنائی خیال کی سرزمین
۱۲۷	مشرق و مغرب کے سنگم لبنان ہیں	۱۲۶	(ایران) میں
۱۲۹	اسلام کے داعیان اولین کے نقش قدم پر	۷۹	ایران کی سیر کی دیرینہ آرزو
۱۳۰	نئے وفد کی تشکیل	۸۰	سفر کی تقریب
۱۳۱	بیروت میں	۸۰	قیام ایران کی مدت
۱۳۳	اسلامی اداروں اور بیروت کے مختلف علاقوں کی	۸۱	وزار و علماء سے ملاقاتیں
۱۳۴	بیروت پر ایک نظر	۸۳	ایران کے دینی و تاریخی مقامات
۱۳۸	طرابلس میں	۸۴	محاسن مذاکرہ اور استقبالہ جلسے
۱۴۰	ظہرانہ میں میری تقریر	۸۵	طوس کی مردم خیز سرزمین پر
۱۴۱	ملاقات اور تعارف	۸۶	امام غزالی کی تربیت پر
۱۴۲	صیدا میں	۸۸	نادر شاہ افشار
	قوم میں علماء کا منصب مقام اور عوام میں	۸۹	خلیفہ ہارون رشید کی یاد
۱۴۳	ان کے بے اثر ہونے کے اسباب	۹۰	اصفہان
۱۴۵	صیدا کا دورہ	۹۱	شیراز
۱۴۶	مفتی امین احمسنی کی میزبانی	۹۶	غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۵ ۲۱۴	ہارون رشید کے پایہ تخت بغداد میں	۱۴۶	لبنانی مسلمانوں کی صورت حال پر ایک نظر
۱۸۷	اسلامی ثقافت و تاریخ میں بغداد کا مقام	۱۵۲	دارالافتاء میں ایک اعزازی تقریب
۱۸۹	بیروت سے بغداد		تہذیبوں کے سنگم اور عالمی ایٹیج پر مسلم قوم
۱۹۰	سرکاری ملاقاتیں اور دورے	۱۵۳	کا کردار
۱۹۱	دیوان الاوقاف کے اعزازی جلسہ میں	۱۶۰	جن مقامات کو ہم نہیں دیکھ سکے
۱۹۲	یک حرف کا شکے ست کھد جا نوشتہ ایم	۱۶۱	ملاقاتیں
	بغداد یونیورسٹی، المجمع العلمی العراقی اور	۱۶۲	سعودی سفارتخانہ کی جانب سے اعزازی تقریب
۱۹۴	المجمع العلمی الکودی میں	۱۶۳ ۱۸۸	دو دن دمشق میں
۱۹۵	نئے تجربے	۱۶۵	بیروت سے دمشق
۱۹۶	عراقی میوزیم - تاثرات	۱۶۶	دمشق سے میرادیرینہ تعلق
۱۹۷	ماضی کے کچھ نقوش اور یادیں	۱۶۷	گذشتہ شام کے معاشرہ کی چند جھلکیاں
۱۹۸	شیخ اگر اس وقت ہوتے	۱۷۰	اخیر دور میں شام کی زندگی اور حالیہ انقلاب
	اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر	۱۷۳	دمشق میں
۱۹۹	شیخ کا درد و کرب	۱۷۴	جامع اموی میں
۲۰۰	عراق انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد	۱۷۷	ملاقاتیں
۲۰۲	جامع الشہداء میں خطاب	۱۷۸	شام کی زندگی میں کچھ نئی تبدیلیاں
	قرآن ایک صاف شفاف آئینہ ہے جس میں	۱۷۸	ملاقاتیں
۲۰۳	افراد اور قومیں پناہ پر دیکھتی اور اپنا مقام پہنچاتی ہیں	۱۸۰	نواب جو حقیقت تھا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴۲	شمالی سرحدوں پر - تاثرات	۲۱۳	بصرہ نہ دیکھنے کا افسوس
	اردن میں تقریر اسلام کے بارے میں	۲۱۳	بغداد سے روانگی
۲۲۵	مسلمانوں کے نقطہائے نظر	۲۱۵	شہیدوں اور پاسبانوں کی سرزمین - اردن میں
	مجاہد اسلامی عبدالرشید اہل کا انتقال اور ان کے	۲۱۷	بغداد سے عمان
۲۴۷	کنبہ کی تعزیت	۲۱۸	وزارت اوقاف کی میزبانی
۲۴۸	لہو و لعب اور تفریحات کا مرکز	۲۱۹	محترم وزیر اوقاف اور ان کے رفقاء کے ساتھ
۲۴۹	اصحاب کہف کے غار میں	۲۲۱	شاہ حسین سے ملاقات
۲۵۰	ایک ہم مجلس مذاکرہ میں شرکت	۲۲۵	شہر کے اسلامی اداروں کا دورہ
	نوجوانوں کی بے چینی کے اسباب اور	۲۲۶	فلسطینی پناہ گزینوں پر ایک نظر
۲۵۱	اس کا علاج	۲۲۷	مرکز اسلامی کے استقبالیہ جلسہ میں
۲۶۵	عمان سے کرک	۲۲۸	ایک سرحدی اور برسر پیکار اسلامی ملک کا ذکر
۲۶۶	فوج کے سامنے تقریر	۲۳۹	مؤتمر اسلامی کے مرکز میں
۲۷۳	کچھ دیر شہداء موتہ کے مرقد پر	۲۳۹	وزیر اوقاف کی جانب سے عشاء
۲۷۶	موتہ کے تاریخی مقامات	۲۳۹	ملاقاتیں
۲۷۷	بترا کا سفر	۲۴۰	سلطنت میں تقریر
۲۷۹	عمان سے روانگی	۲۴۱	استاذ کمال الشریف کے دولت کدہ پر
۲۸۱	اشاریہ (انڈکس)	۲۴۱	عمان سے اردن



حشر آغاز

www.KitaboSunnat.com

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی

سید المرسلین

کچھ عرصہ ہوا کہ اس سفر نامے کے مصنف کو ایک وفد کی قیادت کی عزت حاصل ہوئی تھی، جسے مغربی ایشیا کے کچھ مسلم، اور عربی ممالک کا دورہ کرنا تھا، یعنی افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور اردن، یہ وفد ان وفد کے سلسلہ کی ایک کڑی تھا، جنہیں مکہ مکرمہ کے رابطہ عالم اسلامی نے ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء میں دنیا کے مختلف اطراف میں بھیجا تھا، اور جن کے پروگرام میں دنیا کے پانچوں براعظم شامل تھے، اور جن کا مقصد مسلمانوں کے حالات و کیفیات ان کے علمی و تہذیبی اداروں، اور ان کی ضرورتوں سے واقفیت بہم پہنچانا، اور وہاں کے باشندوں کو رابطہ کے مقصد و پیام سے آگاہ کرنا تھا۔

وہ سفر جس کا اس کتاب سے تعلق ہے، ۲۴ جون ۱۹۷۳ء سے ۲۰ اگست ۱۹۷۳ء کے

درمیان ہوا تھا، مصنف نے اس سفر کی معلومات، اور اپنے مشاہدات و تاثرات ہونے والی

گفتگوؤں اور تقریروں، ملاقاتوں اور زیارتوں کا حال زیادہ تر اپنے حافظہ کی مدد سے لکھا ہے، اور کبھی کبھار اس کے لئے ٹیپ ریکارڈ سے بھی مدد لی گئی ہے، اس طرح یہ سفر نامہ ان ممالک کی زندگی کے مختلف گوشوں، ان کے مسائل و مشکلات، وہاں کی فکری، تہذیبی اور نفسیاتی کشمکش اور ان کی رہنمائی کی ضرورتوں کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن گیا ہے جس کی مدد سے ناظرین اور ان ممالک کے مستقبل سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کو صحیح واقفیت اور ان ممالک کے حالات و حوادث کا صحیح ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔

یہاں خاص طور پر دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱۔ اس کتاب میں جو تاثرات و مشاہدات تجویزیں اور تنقیدیں درج ہوئی ہیں، وہ اصلاً مصنف کتاب کے دل و دماغ پر اس سفر سے مرتب ہونے والے احساسات و تصورات کا عکس اور ان کا پرتو ہیں، اور ان کا تعلق مصنف کے مخصوص مطالعہ اس کے تجربات، اور آراء و افکار سے ہے، اس لئے ان چیزوں کی ذمہ داری اور مسؤلیت بھی اسی پر عائد ہوتی ہے، مصنف ان کے بارے میں ہمیشہ رابطہ ہی کا ترجمان نہیں رہا ہے، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ رابطہ اس کتاب کے تمام مندرجات سے متفق ہو، اور نہ رابطہ پر مصنف کے ہر نقطہ نظر اور تمام افکار و خیالات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

۲۔ مصنف نے اپنے بیان میں تمام نزاکتوں اور باریکیوں، صداقت و انصاف، اور غیر جانبداری کا لحاظ رکھا ہے، اور حقیقت تک پہنچنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے، تاہم افراط و تفریط، غلطی، اور اشخاص، تحریکات اور اداروں کے بارے میں اظہار رائے میں نقص و کوتاہی سے خالی ہونے کا دعویٰ نہیں، اس کا امکان اور اندیشہ اس شخص کے لئے خاص طور پر ہے، جسے حالات نے ان ممالک میں طویل قیام، شخصی اور ذاتی واقفیت، تفصیلی جائزے کی اجازت نہیں دی،

اسی لئے بہت سیاح اور جہان نور داس قسم کی غلطیوں کے شکار رہتے رہے ہیں، اس لئے ناظرین اگر اس قسم کی کوئی غلطی دیکھیں تو معذرت قبول کریں، غلطی اور سہو سے منزہ ذات تو صرف خدا کی ہے۔

چونکہ اتفاق تھا کہ اس سفر کا آغاز افغانستان کے دارالحکومت کابل سے اور اس کا اختتام اردن کے دارالحکومت عمان پر ہوا، اس مناسبت سے مصنف نے کتاب کا نام دریائے کابل سے دریائے یرموک تک رکھا۔ یہ دونوں تاریخی دریا ان دونوں ملکوں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اور ان سے ماضی و حال کے بہت سے تاریخی و اسلامی حوادث و حالات وابستہ ہیں اور جن کے درمیان قرن اول کے اسلامی فتوحات کے دھماکے نے ربط و اتصال پیدا کر دیا تھا۔

مصنف کو اس سے پہلے ایک اور سفر نامہ کی تالیف کا موقع ملا تھا، جو تذکرات سلجق فی الشرق العربی (مشرق وسطیٰ کے سیاح کی ڈائری) کے نام سے ۱۹۵۴ء میں قاہرہ سے شائع ہوا تھا، اور ۳۱۴ صفحات پر مشتمل ایک سفر نامہ اور روزنامہ ہے۔

اس طرح یہ سفر نامہ اسی سلسلہ کی گویا دوسری کڑی ہے، ناظرین ان دونوں سفر ناموں سے نئے حوادث اور تبدیلیوں اور ۲۲ سال کے عرصہ میں ہونے والے تغیرات کو جان پہچان سکتے ہیں! ان میں سن و سال، مطالعہ اور ذہنی ارتقا کا فرق بھی محسوس ہوگا، جو لازمی اور قدرتی ہے، پھر وہ سفر نامہ ایک مفصل ڈائری اور سفر کا "کپاچٹھا" تھا، یہ سفر نامہ ان ملکوں کا اجماعی جائزہ پیش کرتا ہے، جو ان ملکوں کے دینی و تمدنی مستقبل سے دل چسپی اور عالم اسلام کا درد رکھنے والوں کو غور و فکر کا سامان مہیا کرتا ہے، اور کسی درجہ میں بے چین و مضطرب بھی بناتا ہے کہ:-

لے عزیز می مولوی شمس الحق تدموی اتا ذوار العلوم ندوۃ العلماء نے اس سفر نامہ اور روزنامہ کا ترجمہ اردو میں کیا اور مکتبہ فردوسِ مکام نگر لکھنؤ نے "مشرق وسطیٰ کی ڈائری" کے نام سے شائع کیا ہے۔

گرفتہ چینیاں احرام و کی خفہ در بطحا

یہ کتاب من ذہر کابل ملی ذہر الیرمولہ کے نام سے دارالہلال (انگورہ: ترکی) کی طرف سے جون ۱۹۷۴ء میں بیروت میں طبع ہوئی، کتاب کے پریس سے آنے سے پہلے ہی مصنف نے اس کے مختلف حصے اپنے مختلف عزیزوں اور رفیقوں کو اردو میں منتقل کرنے کے لئے حوالہ کر دیئے تھے، ان عزیزوں اور رفیقوں نے یہ خدمت خوش اسلوبی، اور استعداد سے انجام دی، اور عربی ایڈیشن کے نکلنے سے پہلے انھوں نے اس کے اردو ترجمے کا کام مکمل کر لیا، ان عزیزوں اور رفیقوں کے نام اپنی اپنی جگہ پر دیدئے گئے ہیں، مصنف نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کی، عربی ایڈیشن میں اکثر فارسی اشعار حذف کر دیئے گئے تھے، اور عربوں کے ذوق کی رعایت میں عربی اشعار پر اکتفا کیا گیا تھا، بعض تفصیلات بھی جس کی عرب قارئین کو چنداں ضرورت نہ تھی، فلم انداز کر دی گئی تھیں، اب نظر ثانی میں ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب اپنی عربی اصل سے زیادہ مفید اور برصغیر کے اردو خواں طبقہ کے لئے زیادہ دل چسپ، اور ان کے ذوق کے زیادہ قریب ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے پورے احاح و اخلاص سے دعا ہے کہ کتاب کو نافع بنائے، اس کے ذریعہ تاریک راہوں کو روشن کرے، اور اس سے اسلامی پیغام، اور ان ممالک کی خدمت کرنے والوں، اور ان کو گھیرے ہوئے خطرات اور نئے چیلنج سے حفاظت کرنے والوں کے عزم و ہمت کو طاقت پہنچائے۔ و علیٰ احللہ قصد السبیل۔

ابوالحسن علی ندوی

دوۃ العلماء۔ لکھنؤ

۱۳۹۴ھ / ۲۰۱۴ء

۱۸/۴/۱۹۶۹ء

مجاہدین اور فاتحین کی سرزمین افغانستان میں

ترجمہ

نور عظیم ندوی

ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں افغانستان کا کردار

افغانستان اسلامی تاریخ کے ہر دور میں بہادروں اور شہسواروں کا مرکز، شیروں کا مخزن، فاتحین اور سوراؤں... کا مولد و منشا اور اسلام کا مضبوط قلعہ رہا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ امیرالدیان امیر شکیب ارسلان اس ملک کا تذکرہ لکھنے بیٹھے تو اسلامی جوش سے مغلوب ہو گئے، اس مجاہد ملک کی تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی وہ اشہب قلم کو قابو میں نہ رکھ سکے اور لکھ گئے۔

”میری جان کی قسم، اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے کہیں بھی اس میں زندگی کی رقی باقی نہ رہے، پھر بھی کوہ ہمالیہ اور ہندو کش کے درمیان بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا، اور اس کا عزم جوان رہے گا۔“
افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ملک ہے، اور ایسا پڑوسی کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء سے

لے حاضر العالم الاسلامی ج ۲ ص ۱۹۷

۵ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء ہی میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

دونوں کی تاریخ مشترک ہے، دونوں کی تہذیب و ثقافت، زبان و ادب، اور سیاست و حکومت ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتی رہی ہے، اور ابھی حواہی کی کارفرمائی اور باہم دگر اثر پذیری و اثر انگیزی سے ایسی تہذیب اور ایسا نظام وجود میں آیا جسے پورے طور پر نہ افغانی کہا جاسکتا ہے، نہ ہندوستانی اور نہ خالص اسلامی آخری دور میں اسے 'ہند افغانی اسلامی تہذیب' (INDO-AFGHAN MUSLIM CULTURE) کا نام دیا گیا۔

پانچویں صدی ہی سے ہندوستان پر یا تو ترک نسل سے تعلق رکھنے والے خاندانوں کی حکومت رہی جو افغانستان کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے، وہ جن ملکوں سے گزرتے، وہاں کے فوجی اور رضا کار بھی ان کے ساتھ ہو لیتے مثلاً غزنوی، خاندان غلامان کے سلاطین، خلجی، تغلق اور اخیر میں مغل یا وہ اپنی نسل، تہذیب اور روایات کے اعتبار سے افغانی ہی تھے جیسے غوری، لودھی اور سوری خاندان، ہندوستان اسی زمانہ سے ان غیر معمولی جرأت و ہمت اور بے مثال شجاعت و شہامت والے اولوالعزموں اور شاہینوں اور عقابوں کی جولانگاہ رہا ہے، پہاڑوں سے گھرا ہوا ان کا اپنا ملک، ان کے بلند عزائم کے سامنے محدود اور تنگ، نظر آتا اور فتح و ظفر کے شوق کی تسکین اور شجاعت و شہامت کے جوہر دکھانے کے لئے انھیں مناسب میدان نہ ملتا تو ہندوستان کا رخ کرتے، ادھر ہندوستان مختلف اوقات میں ذہنی افسردگی، قوائے عمل کی کستی، بد نظمی اور سیاسی انتشار کا شکار ہوتا رہا ایسے اوقات میں حرکت و زندگی اور جوش و جذبہ سے بھرپور جفاکش اور جو افغانی ہندوستان کا رخ کرتے قلیل تعداد کے باوجود بڑی بڑی فوجوں کو شکست دیتے مضبوط و مستحکم حکومتیں قائم کرتے اور ہندوستانی معاشرہ کے تن ناتواں میں نیا خون دوڑا دیتے۔

اسی طرح افغانستان میں اندرون ملک یا سرحدوں پر بسنے والے بہت سے

خاندان ضروریات زندگی اور وسائل کی کمی کی وجہ سے تلاش معاش یا طالع آزمائی کے شوق میں ہندوستان آجاتے اس طرح کے قافلے عہد اسلامی کی ابتدا ہی سے ہندوستان آتے رہے وہ اپنے ساتھ اپنی بہترین خاندانی خصوصیات اور موروثی صلاحیتیں لاتے اور یہاں ہندوستان ماحول و معاشرہ سے یہاں کی خصوصیات، انداز و اطوار، اسلامی اقدار اور ہندوستانی اخلاق و آداب بھی حاصل کرتے ان کی بہادری، جرأت، غیرت اور ذہانت و فطانت میں مزید جلا پیدا ہو جاتی اور وہ اکثر شجاعت، غیرت، نخوت، ذوق کی لطافت اور احساس کی نزاکت میں اپنے قدیم ہم وطنوں سے بھی فائق ہو جاتے، اس طرح کے بہت سے قبائل ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے، اور انھوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں، انھیں سے مختلف حکومتوں میں انتظامیہ کی مشینری فراہم ہوتی تھی، اور یہی ہر زمانہ میں فوج کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کا بنیادی عنصر ہوتے۔

یہاں کے مسلمان طویل مدت تک افغانستان کو ایسا ملک سمجھتے رہے جو ہندوستان کے لئے فرمانروا، حکام، منتظمین، اور فوجی برآمد کرتا تھا، وہ اس کو ولایت کہتے تھے جس طرح انگریزی دور حکومت میں انگلینڈ اور اس کے دارالحکومت لندن کو ولایت کہا جاتا تھا، افغانستان سے آنے والے ولایتی کہلاتے تھے، برآمد کا یہ سلسلہ، بہادر سپاہیوں، فوجی سربراہوں تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس سے زیادہ وسیع اور عام ہو گیا، چنانچہ ہندوستان میں افغانستان سے ممتاز علماء اور اصحاب درس بھی تشریف لائے، اور بعض ایسی تصنیفات تھے جن میں دیں کہ علماء ہند ایک مدت تک ان کے درس و تدریس اور شرح و تفصیل میں مشغول و منہمک رہے۔

لے جیسے علامہ محمد اسلم ہروی (م ۱۳۸۵ھ) اور ان کے ممتاز فرزند اور منطق کی مشہور کتاب (باقی صفحہ)

افغانستان ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں

ہندوستانی مسلمان جب سخت اور دشوار ترین مراحل سے گذرتے روشنی کی کوئی کرن نظر نہ آتی ہر طرف یاس و ناامیدی کے بادل اٹھتے دکھائی دیتے جبکہ عام طور سے انسان اتفاقات، حادثات اور خارجی امداد کا سہارا تلاش کرنے لگتا ہے تو وہ افغانستان کی طرف حسرت سے دیکھتے کہ شاید یہی ملک ان کو دشواریوں اور طوفانوں سے نجات دلائے گا، اکثر یہ سن سن اور خوش فہمی حدود سے بڑھ کر حسین خواجوں اور آرزوؤں تک پہنچ جاتی، اور وہ خطرناک حد تک خود اعتمادی کے فقدان کا شکار ہو جاتے، ہندوستانی مسلمانوں کی یہ توقع حیرت انگیز شکل میں اس وقت پوری ہوئی جب کہ دہلی میں مرہٹوں کی طاقت بہت بڑھ گئی اور اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے اور مسلمانوں کے رہے سہے اثر و اقتدار اور سیاسی وزن و وقار کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے دہلی کی حکومت ان کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی تھی، اور مسلمان ان کے رحم و کرم پر تھے، مسلمانوں کی اضمحلال و انتشار کی شکار اور ٹھکی ہوئی فوجی طاقت اس ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھی، اس وقت مسلمانوں کی نگاہیں، افغانستان کی طرف اٹھ گئیں کہ وہی ان کو اس جانکاہ مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے، اور بعض مسلمان رہنماؤں نے اپنے عہد میں مشرق کے سب سے بڑے فوجی رہنما احمد شاہ ابدانی کو ان حالات کی طرف توجہ

(باقی صفحہ ۱۹ کا) "رسالہ میرزاہد" کے مصنف، میرزاہد (م السلام علیہ) ان کے اور ہندوستان کے دوسرے افغانی علماء کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مولانا سید عبدالحی حسنی کی کتاب "نہضۃ انجواطر" خاص طور سے اس کی پانچویں اور چھٹی جلدیں۔

کرنے کی دعوت دی جس کا تارہ اقبال نیا نیا طلوع ہوا تھا، اور متعدد معرکوں میں اس کی قیادت و شجاعت کے جوہر آشکارا ہو چکے تھے، یہ شاعری کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کی تمام مسلم طاقتیں مسلک و خیال کے اختلافات کے باوجود اس جھنڈے تلے جمع ہو گئیں اور (دہلی کے قریب پانی پت میں) مرہٹوں سے فیصلہ کن جنگ ہوئی، اس کے بعد مرہٹے سنبھالا نہیں لے سکے۔

انگریزی تسلط و اقتدار کے زمانہ میں افغانستان پر مسلمانوں کے مبالغہ آمیز اعتماد اور ان سے امداد کی توقع میں مزید اضافہ ہو گیا، ان کی نگاہیں مستقل شمال مغربی سہروں لگی رہتی تھیں کہ احمد شاہ ابدالی جیسا کوئی سالار لشکر اپنی مڈی دل فوج کے ساتھ ”درہ خیبر“ پار کرے اور ان کو انگریز تسلط سے نجات دلائے، قدرتی بات تھی کہ ان کی توقع پوری نہیں ہوئی کیونکہ افغانستان خود اپنے اندرونی مسائل میں الجھا ہوا تھا، علاوہ ازیں وہ خود دو گونہ خطرات کی زد میں تھا، اس کی آزادی و استقلال کو ایک طرف برطانیہ سے خطرہ لاحق تھا، دوسری طرف روس سے، پھر ایک چھوٹا سا کمزور ملک ہندوستان پر حملہ کر کے طاقتور اور مستحکم انگریز حکومت کو کیسے شکست دے سکتا تھا، بہر حال ہندوستانی مسلمان اور آزادی کے متوابعے برادران وطن ایک عرصہ تک انھیں خواہوں اور ترستاؤں کی دنیا میں بستے رہے۔

امیر حبیب اللہ خاں فرزند امیر عبدالرحمن خاں ۱۹۱۹ء میں قتل کئے گئے اور ان کے بیٹے امیر امان اللہ خاں تخت نشین ہوئے تو انھوں نے انگریزوں کے مقابلہ میں مضبوط اور لہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (م ۱۳۱۱ھ) ان میں سب سے ممتاز ہیں، انھوں نے افغانی سردار احمد شاہ ابدالی کو کئی خطوط لکھے جس سے ان کی باخبری اور دور بینی کا اندازہ ہوتا ہے خطوط کے لئے ملاحظہ ہوں شاہ ولی اللہ کے سیاسی خطوط، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

جرات مندانہ موقت اختیار کیا، اور جنرل محمد نادر خاں کی قیادت میں افغانی فوج کو برطانوی فوجوں کے مقابلہ میں متحد کامیابیاں حاصل ہوئیں تو امیر امان اللہ خاں مسلمانوں اور حریت پسندوں کی محبت و عقیدت کا مرکز اور ان کا محبوب و دل پسند موضوع گفتگو بن گئے ادھر مسلمان انگریز حکومت سے عاجز آچکے تھے، ملک کی سر زمین اپنی ساری وسعتوں اور پھنائیوں کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی، چنانچہ افغانستان کی طرف ہجرت کی لہر چل پڑی اور سیکڑوں ممتاز مسلمان اور تعلیم یافتہ انقلابی نوجوان ہجرت کر کے کابل پہنچ گئے، لیکن چونکہ یہ اقدام کسی سوچے سمجھے پروگرام کے تحت نہیں ہوا تھا، اور کسی بھی راہنما نے نہ تو اس سے پیدا ہونے والے مسائل اور متوقع نتائج پر غور کیا تھا، نہ اس سلسلہ میں افغانی حکومت سے کوئی مفاہمت ہوئی تھی، بالآخر یہ تحریک ناکام ہو گئی، اور ہجرت کرنے والوں کو بعض دشواریاں بھی پیش آئیں۔

پھر بعض معاملات میں امیر امان اللہ خاں کی بعض جدتیں اسلامی روایات کی مخالفت، مصطفیٰ کمال پاشا کی تقلید میں اہل مغرب کی نقالی اور اپنی ملکہ کو بے پردہ نکالنے کی وجہ سے افغانی قوم میں ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی، اور وہاں انتشار برپا ہو گیا انگریز بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھے، انھوں نے اس شورش کو امیر امان اللہ خاں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لئے استعمال کیا، اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا، ۱۹۲۷ء میں امیر امان اللہ خاں تخت سے ہٹائے گئے، اور وہاں حبیب اللہ عرف بچہ سقہ برسر اقتدار آگیا، ان حالات سے اہل ہند بہت متاثر اور فکر مند ہوئے، جیسے یہ ان کے اپنے ہی ملک کے مسائل ہوں، یہاں تک کہ جنرل نادر خاں سامنے آئے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور حالات درست کئے تو افغانستان سے دل چسپی رکھنے والوں کو بھی سکون قلب میسر آیا۔

اور یہ تو ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے کہ جنرل محمد نادر خاں نے علامہ اقبال سر اس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کو ۱۹۳۳ء میں اپنے ملک کے بعض اسلامی تعلیمی مسائل میں مشورہ کے لئے دورہ کابل کی دعوت دی، ان حضرات نے خوشی دعوت قبول کی اور اسے ایک قدیم اسلامی مملکت کی زیارت اور ایک مسلمان مجاہد سربراہ سلطنت سے ملاقات کے لئے قیمتی موقعہ شمار کیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم وہاں سے واپس تشریف لائے تو بہت ذوق و شوق سے وہاں کے حالات و تاثرات بیان کر رہے تھے، وہ شاہ کی ملاقات سے بہت گہرا اثر لے کر لوٹے تھے، اور لکھنؤ ہی میں مقیم تھے کہ اچانک شاہ کی شہادت کی خبر ملی جس سے وہ بہت غمگین و متاثر ہوئے۔

انگریز دور حکومت میں ہندستان اور افغانستان کی سرحدیں کھلی ہوئی تھیں، وہاں سے تاجر، علماء اور طلبہ آتے تھے، اہل ہندستان کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کو اپنے سے زیادہ طاقتور اور غیور سمجھتے تھے، ہمارے بچپن میں کابل کے تاجر اپنے علاقہ کی مختلف اشیاء لے کر دیہاتوں اور شہروں میں گھومتے پھرتے نظر آتے وہ نمازوں کے بڑے پابند ہوتے تھے، ان کی جسمانی قوت، ان کی ہدایت کدائی اور ان کا ڈھیلا ڈھالا لباس لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا، بچے ان سے بہت ڈرتے تھے، انھیں "آغا" کہتے تھے بچپن میں ہم نے صرف اسی طرح کے ملک میں گھومنے پھرنے والے تاجر قسم کے افغانی دیکھے تھے لیکن جوں جوں عمر اور اس کے ساتھ معلومات میں اضافہ ہوا تو اپنے پڑوسیوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا، خاصی معلومات حاصل کیں اور اس ملک کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

سفر افغانستان میں تاخیر

میری زندگی میں بیرونی سفر اور غیر ممالک کے دورے کوئی نئی بات نہیں، میں نے کئی مرتبہ مختلف عرب ممالک کا دورہ کیا ہے، متعدد بار یورپ بھی گیا ہوں، عالم اسلام کے فردوسِ گمشدہ، اندلس (اسپین) کی بھی زیارت کی ہے، مغربی ایشیا کے اکثر اور بحرِ ہند کے بعض ممالک میں بھی جانا ہوا ہے، قرائن اس کے موجود تھے کہ اس پڑوسی ملک کے دورہ کا بھی موقع ملتا، ہندوستان کی آزادی کے بعد دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے، کابل اور غزنین میں ہمارے بعض احباب بھی تھے، جن سے قدیم دینی و علمی روابط تھے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ (م ۱۳۲۷ھ) کی دعوتِ اصلاح و تجدید اور تحریکِ جہاد میں بھی افغانستان کا بڑا اہم کردار رہا ہے، وہ اپنی سرگرمیوں اور جدوجہد کے مرکز تک افغانستان ہی کی راہ سے پہنچے تھے، اہل افغانستان نے بے نظیر جوش و خروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا، پوری قوم اور حکومت ان کی طرف جھک پڑی تھی، اور حکمران خاندان سے بھی ان کے تعلقات رہے تھے، کبھی مستحکم اور کبھی کمزور جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر اس فیصلہ کن اور تاریخی موقع پر افغانستان کے امراء نے وقت کی اہمیت کا اندازہ لگایا ہوتا، اس تحریک کی قدر کی ہوتی اور اس کے قائد کے اخلاص، اس کی دردمندی اور اثر انگیزی کو صحیح طور پر محسوس کیا ہوتا، تو اس علاقہ میں مسلمانوں کی تاریخ آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تاب ناک اور با عظمت ہوتی۔

لے افغانستان میں وہی خاندان اب تک برسرِ اقتدار ہے، سید احمد شہیدؒ کی دعوت و تحریک کے لئے ملاحظہ ہو، راقم الحروف کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ

میں نے نوجوانی ہی کے دور میں سید احمد شہیدؒ اور ان کی دعوت پر ایک کتاب لکھی تھی اور شمالی سرحد کے ان علاقوں کو بار بار دیکھ چکا تھا، جہاں جہاد کے معرکے گرم ہوئے تھے، اور ان کا اسلامی نظام قائم ہوا تھا، مگر اس دعوت کی تاریخ سے گہری دل چسپی اس موضوع پر مطالعہ و تحقیق، بہادر اور غیور افغانی قوم اور اس کی اپنے ملک سے محبت و تعلق کی قدر کے باوجود مجھے اس ملک کی زیارت کا موقعہ نصیب نہیں ہوا۔

رابطہ عالم اسلامی کا وفد

اللہ تعالیٰ رابطہ عالم اسلامی کا بھلا کرے کہ اس نے شجاعت و سرفروشی کی اس سرزمین کی زیارت کا موقع فراہم کر دیا، ساری سہولتیں مہیا کیں اور اس کے ذمہ داروں نے اتنا اصرار کیا کہ میری معذوریوں، مشاغل کی کثرت اور دوسری رکاوٹیں سدرہ نہ بن سکیں اور میری ایک دیرینہ تمنا کے برآنے کی صورت پیدا ہو گئی، رابطہ نے ————— افغانستان ایران اور مغربی ایشیا کے بعض عرب ممالک کے دورہ کے لئے ایک وفد کی تشکیل کی، مجلس تاسیسی (FOUNDATION BODY) کے دو ممبران اس کے رکن منتخب ہوئے اور رابطہ کی سکرٹریٹ میں اسلامی تنظیموں کے شعبہ کے ذمہ دار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو وفد کے سکرٹری اور میرے خاص رفیق و معاون کی حیثیت سے وفد میں شامل کیا گیا اور اس وفد کی قیادت و سربراہی کی ذمہ داری مرے ناتواں کاندھوں پر ڈالی گئی، لیکن دونوں

لے سیرت سید احمد شہیدؒ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا، مصنف نے اس میں اضافہ کا سلسلہ جاری رکھا، حال میں اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن پانچ پانچ سو صفحات کی دو ضخیم جلدوں میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

معزز ممبران۔ بیروت کے شیخ سعدی یاسین اور سری لنکا کے مسٹر حلیفہ محمد حلیفہ سابق وزیر لنکا بعض اسباب و عوامل کی بنا پر ہندوستان نہیں آ سکے، تو رابطہ کے سکریٹریٹ کی نظر انتخاب سعودی عرب کے مشہور و ممتاز صاحب قلم مجلس شوریٰ کے رکن جامعہ ملک عبدالعزیز جدہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے پروفیسر شیخ احمد محمد جلال پر پڑی یہ انتخاب بڑا موزوں و مناسب تھا، اتوار ۳۱ جون ۱۹۷۳ء کی صبح کو وہ مکہ سے براہ راست کابل پہنچ گئے اور میں بعض اسباب کی بنا پر ایک دن کی تاخیر سے ۴ جون ۱۹۷۳ء کی شام کو کابل پہنچا۔

محترم شیخ صالح قزاز سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی کی سربراہی میں امانت عامہ (جنرل سکریٹریٹ) پہلے ہی سے وفد کے پروگرام اور دیگر سہولیات کے سلسلہ میں افغانستان کے ذمہ داروں اور کابل میں سعودی سفارت خانہ سے رابطہ قائم کر چکی تھی، تاکہ وفد بہتر طریقے سے اپنے فرائض انجام دے سکے اور اپنا پیغام پہنچا سکے۔

حکومت افغانستان نے دنیا کے عظیم ترین اور اہم ترین اسلامی ادارہ کی نمائندگی کرنے والے اس وفد کو خوش آمدید کہا جس میں سارے عالم اسلام کے علماء و فضلاء، مفکرین، اور اصحاب رائے کی بڑی تعداد کی نمائندگی ہے، اور جو ایسے شہر میں قائم ہے جس کی مسلمانوں کے دلوں میں بڑی عزت و عظمت ہے، اور خادمین الشریعین اور اتحاد اسلامی کے سب سے بڑے داعی شاہ فیصل جس کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

افغانوں کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف مشہور ہے، چنانچہ قدیم روایات کے مطابق افغانی حکومت نے اصرار کیا کہ وفد سرکاری مہمان ہے، اور وزارت تعلیم کے سپرد کیا کہ وفد کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے، سفروں اور ملاقاتوں کا پروگرام مرتب کرے، اور سعودی سفارت خانہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کریمانہ پیشکش قبول کر لی۔

سرزمین کابل میں

ہم دوشنبہ ۲۴ جون ۱۳۸۶ء کو دہلی سے ایک افغانی طیارہ کے ذریعہ روانہ ہوئے،
اناؤنسرنے اعلان کیا، کابل قریب آگیا ہے تو کانوں میں ننگی اور دل میں شیفنگی محسوس ہوئی کہ آج
ایک دیرینہ تمنا پوری ہو رہی تھی، مقامی وقت کے مطابق ۵ بجے ہمارا طیارہ کابل ہوائی اڈے
پر اترا، موسم مناسب تھا۔

دہلی کے سخت موسم کے مقابلہ میں اعتدال سے زیادہ قریب ہمارے استقبال کے لئے
افغانستان میں سعودی سفیر، ہمارے پرانے کرم فرما، ہندوستان میں سابق سعودی سفیر اور
ہندوستانی مسلمانوں کی محبوب شخصیت شیخ محمد اکھرا شیلی، ہوائی اڈہ پر موجود تھے، ان کے ساتھ
سعودی سفارت خانہ کے نائب سفیر علی الفوزان، ہمارے وفد کے ممبر شیخ احمد محمد جمال کابل
یونیورسٹی میں "کلیۃ الشریعۃ" کے پرنسپل غلام محمد نیازی، افغانی وزارت تعلیم میں دینی تعلیم کے
ڈائریکٹر شیخ محمد اسلام تسلیم، دارالحفاظ کابل کے مدیر سید محمد یعقوب ہاشمی، کلیۃ الشریعۃ کے
استاذ پروفیسر عبدالرسول سیاف اور دوسرے ممتاز علماء و اعیان بھی موجود تھے، پروفیسر
سیاف ہی کو وزارت تعلیم نے ہمارے وفد کا رفیق اور مترجم منتخب کیا تھا۔

ہوٹل کابل میں ہمارے قیام کا انتظام تھا، اور حسن اتفاق کہ چالیس سال پہلے علامہ
سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال اور سر اسر اسر مسعود پرنسٹن وفد کابل کے دورہ پر آیا تھا، تو اسی ہوٹل
میں قیام پذیر ہوا تھا، اس عرصہ میں اس کی عمارت نئی تعمیر کی گئی، اور بعض اصلاحات بھی کر دی
گئی ہیں، میں جس کمرہ میں مقیم تھا، اس کی کھڑکی امیر عبدالرحمن خاں غازی کے مقبرہ کی طرف
کھلتی تھی، انگریزوں سے جنگ اور اسلام سے بیگانہ دور دراز علاقوں میں اشاعت اسلام کے

سلسلے میں ان کے عظیم الشان کارنامے مشہور ہیں، اس سے عظمت رفتہ اور اچھے دنوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

وزارت تعلیم کی ضیافت اور رہنمائی میں

ہم کو کابل میں کل چھ دن گزارنے تھے، اور مقامی وزارت تعلیم نے سودی سفارتخانہ کے تعاون سے مختلف مقامات کے دوروں، ملاقاتوں، جلسوں اور تقریروں کا تفصیلی پروگرام مرتب کر لیا تھا، اور اس پروگرام کی ترتیب و تشکیل بلکہ وفد سے غیر معمولی دچسپی اور اس کے اعزاز و کرام زیادہ تر کلیۃ الشریعہ (کلیہ فاکولتہ شرعیات۔ پوسٹنٹوں کابل) کے پرنسپل ڈاکٹر غلام محمد نیازی کا رہن منت ہے، انھوں نے پہلا مناسب کام تو یہ کیا کہ کلیۃ الشریعہ کے استاذ پروفیسر عبدالرسول سیاف کو وفد کا رفیق اور مترجم مقرر کیا، وہ افکار و خیالات ترجمہ پر قدرت اور جوش و جذبہ، ہر اعتبار سے اس نازک اور دشوار کام کے لئے موزوں ترین شخص تھے، میں نے ان کے جیسا ترجمہ پر قادر، اس کا پورا پورا حق ادا کرنے والا اور تکلم کی صحیح ترجمانی کرنے والا کم دیکھا ہے، وہاں کے نوجوانوں سے ان کے تعلقات بھی وسیع اور گہرے ہیں،

۱۔ امیر شکیب ارسلان "حاضر العالم الاسلامی" پر اپنے مشہور اور بیش قیمت حواشی میں امیر عبدالرحمن کی سیاسی و انتظامی خصوصیات و امتیازات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "مشرقی جانب حد و سلطنت کو وسیع کیا، وادی کفرستان کو اپنے زیر نگین کر لیا، وہاں کے باشندوں کو انہیں کے ذریعہ اللہ نے اسلام کی ہدایت دی اور اس کا نام "نورستان" رکھا، مختصر یہ کہ انہی کے زمانہ میں افغانی قوم سکون و آرام سے لذت آشا ہوئی اور اتحاد کا مفہوم سمجھا، وہ ملک کی اصلاح میں منہمک ہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو اسلام مطابق سلسلہ میں جو ارجحیت میں جاگزی وہ حکومت حسن انتظام اور عزائم کی جنگی میں اپنے زمانہ کے بہترین بادشاہوں میں شمار کئے جاتے تھے" (حاضر العالم الاسلامی ج ۲ ص ۲۱۵)

اور صحیح اور صالح بنیادوں پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی عقلی و فکری تربیت اور اور ذہنی رہنمائی کی بڑی فکر رکھتے ہیں، جامع ازہر کے "کلیہ اصول الدین" کے فارغ التحصیل ہیں، ملاقات سے پہلے میری بعض کتابیں پڑھ چکے تھے، موصوف اور ان کے رفقاء سید قطب شہید مولانا مودودی اور اقم الحروف کی کتابوں سے بہت متاثر ہیں، اور مقامی دونوں زبانوں — فارسی اور پشتو — میں ان کے تراجم کے خواہش مند تھے اس رجحان میں دو اور معزز علماء، — ڈاکٹر محمد موسیٰ توانا اور برہان الدین ربانی — ان کے شریک و ہم سفر ہیں، مؤخر الذکر کی متعدد تصنیفات اور تراجم زیو طبع سے آراستہ بھی ہو چکی ہیں۔

ہم نے کابل میں جو چھ دن گزارے وہ تعداد میں اور ملک کی وسعت و اہمیت کے اعتبار سے تو بہت کم تھے، لیکن پروگراموں اور مشاغل کی کثرت کے اعتبار سے بہت مشغول بہت مفید اور قیمتی تھے، اور قیام کے اس اختصار — جس پر ہم بعض اسباب کی وجہ سے مجبور تھے، — کی ہمیں قیمت بھی چکانی پڑی ہتواتر کام، گٹھے ہوئے پروگرام اور کھکا دینے والی مسلسل مشغولیت برداشت کرنی پڑی، اکثر ایک ہی دن میں چار چار، پانچ، پانچ پروگرام اکٹھا ہو جاتے جن میں بعض بڑے اداروں کو دیکھنا، طلبہ و اساتذہ سے خطاب اہم شخصیتوں سے ملاقاتیں اور دعوتوں میں شرکت وغیرہ شامل ہوتے، ادھر ادھر آنے جانے، لوگوں سے ملاقاتوں اور بات چیت میں پورا دن گزر جاتا اور نکلے ہائے رات گئے واپس آنے لیکن افتخانی علماء و علمائے دین کے خیر مقدم، نوجوانوں کے جوش اور ان کی توجہ و دلچسپی کی شکل میں ہماری محنت و مشقت اور چین و سکون سے محرومی کا بہترین صلہ مل جاتا۔

تعلیمی و ثقافتی اداروں کا معاشرہ

تعلیمی اداروں میں ہم سب سے پہلے کابل کے ایک نواحی محلہ گبرامی میں واقع

”مدرسہ ابی حنیفہ“ دیکھنے گئے اور وہاں کے اساتذہ و طلبہ سے گفتگو ہوئی، مدرسہ اجتہادی وسطانی اور ثانوی تین مراحل پر مشتمل ہے، مدرسہ کے ناظم اتاذ محمد سیلانی ہیں اس کے درجوں، ہوشلوں اور مطبخ دکھلانے لگے، ہم نے متعدد طلبہ اور اساتذہ سے گفتگو بھی کی اور مسجد میں عمومی خطاب کیا، طلبہ کے عربی سے واقف ہونے کی وجہ سے فارسی میں ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اس کے بعد ہم مدرسہ ”دار الحفاظ“ میں گئے اس کے ناظم سید محمد یعقوب ہاشمی نے ہمارا استقبال کیا، ہمارے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد کیا جس میں مدرسہ کے اساتذہ اور کامل کے علماء و شیوخ کی اہم تعداد نے شرکت کی، اس کے بعد ”دارالعلوم“ دیکھنے گئے، یہ دارالسلطنت میں سب سے بڑا دینی ادارہ ہے، میں نے سنا کہ موجودہ وزیراعظم ڈاکٹر محمد موسیٰ شفیق بھی اس ادارہ کے تعلیم یافتہ ہیں، اس کا اساتذہ فاضل علماء اور بڑے بڑے شیوخ پر مشتمل ہے، اس کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس مولوی محمد گل ہیں، اس کی صحن میں ایک بڑا جلسہ ہوا، شہر کے علماء، معززین اور اعیان شہر بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور وفد کا پرچوش استقبال کیا گیا، میں نے اور اتاذ احمد محمد جمال نے تقریریں کیں، میری تقریر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے کارناموں، ان کی غیرت ایمانی، مرتدین اور کفر فہم سے دین کی حفاظت و حمایت اور ان کے یادگار مقولہ ”أینقص الدین وأنا حنی“ (دین میں ترمیم و تنسیخ ہوا اور میں زندہ رہ کر اس کو دیکھتا رہوں؟) کی تشریح و تفصیل، اور اپنے اپنے ممالک اور علاقوں میں علماء کی ذمہ داریوں سے متعلق تھی، اس سلسلہ میں میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے کارنامہ کو جو ہندوستان کو اسلامی حصار میں رکھنے کے لئے انجام دیا گیا، تفصیل سے بیان کیا، اس لئے کہ افغانستان کے موجودہ حالات و دور کو مجدد صاحب کے دور سے خاص مناسبت ہے، اور ان کی شخصیت یہاں ہر حلقہ میں معروف و محترم ہے، چونکہ

فضا علمی و دینی تھی، اکثر حاضرین عربی زبان سمجھتے تھے، اور ترجمہ کی رکاوٹیں اور الجھنیں نہیں تھیں، اس لئے بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ اپنی بات پیش کی۔

ہمیں جن عربی اداروں میں جانے اور وہاں کے علماء اور نوجوانوں سے گفتگو کا موقع ملا، اس میں سب سے اہم اور ممتاز ”کلیۃ الشریعہ“ تھا، ارکان وفد کے لئے یہ فطرۃ دلچسپی کی جگہ تھی، اس لئے کہ یہاں وہ نوجوان زیر تعلیم ہیں جن سے اس ملک میں دینی قیادت کی زیادہ سے زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔ یہاں کے اساتذہ بھی اپنی ذہنی، علمی صلاحیتوں اور علم و مطالعہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، یہی کالج وفد کا اصل میزبان تھا، اس کے پرنسپل ڈاکٹر غلام محمد نیازی کا شمار تحقیقی ذوق رکھنے والے علماء میں ہوتا ہے، اسلامیات پر ان کا مطالعہ گہرا اور وسیع ہے، کالج نے احباب و رفقاء کے تعارف کے لئے ایک عشاء کا بھی اہتمام کیا، یونیورسٹی ہال میں منعقد ہونے والے عظیم الشان جلسہ کا انتظام و اہتمام بھی اسی کالج کی طرف سے ہوا تھا جس میں بعض ممالک کے سفراء، ممتاز علماء، اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، سرکاری ملازمین تعلیم یافتہ نوجوان اور کالج کے طلبہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس جلسہ کی تقریریں غریب نظر سے گزرے گی۔

ہم نے ملای گرس کالج بھی دیکھا جو تحریک آزادی کی قائد ایک فغانی خاتون۔ ملالی۔ کی طرف منسوب ہے، اساتذہ احمد محمد جمال نے یہاں ایک موزوں اور مناسب تقریر کی جس میں انھوں نے شریعت اسلامیہ میں مسلمان عورت کی حیثیت اور مسلم معاشرہ میں اس کے حقوق اس کی اہمیت اور قدر و منزلت پر روشنی ڈالی، اس کالج میں ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے ہم یورپ کے کسی گرس کالج یا مغربی ممالک کے کسی زنانہ ثقافتی مرکز میں پہنچ گئے ہیں، بے پردگی عام تھی، لیکن ساتھ ہی شرم و حیا اور حجاب نظر کے آثار بھی نظر آتے تھے جس میں

افغانی خواتین کسی زمانہ میں ضرب المثل نہیں، اس جلسہ میں احتیاط اور ذہانت کے ساتھ مقرر سے متعدد سوالات بھی کئے گئے، استاذ احمد محمد جال نے قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ ان کے جوابات دیئے، وہ مسلمان عورت کے حقوق اور اس مسئلہ میں اسلامی قانون اور دوسرے قوانین کے تقابل کے خصوصی ماہرین میں سے ہیں، کالج کی خاتون پرنسپل نے مطالبہ کیا کہ تعداد ازواج کی حرمت کا متفقہ فتویٰ صادر کر دیا جائے، کیونکہ اس میں عورت کی سخت توہین ہوتی ہے، مقرر موصوف نے اس کے جواب میں وہ اسباب و مصالح بتلائے جن کی وجہ سے اسلام نے یہ حق باقی رکھا ہے۔

ہم لڑکوں کا جدید رزکا ایک کالج "مدرسہ استقلال" بھی دیکھنے گئے، اس پرنسپل انسی رنگ غالب ہے، اس کے پرنسپل استاذ عبدالہادی فرانس کے تعلیم یافتہ ہیں، یہاں مجھ کو نو جوانوں سے کچھ کہنے کا موقع ملا، میری باتیں کسی کامل کو قابل تقلید نمونہ، یا اسوہ (IDEAL) بنانے اور نو جوانوں کی تربیت اور ان کی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر میں اس کے اثرات کے موضوع پر تھیں۔

تجدد پسند افغانی خواتین سے گفتگو

سعودی سفارت خانہ کی شدید خواہش تھی کہ کابل میں ہمارے مختصر ترین قیام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے، وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر علمی و دینی مجلسوں اور ہر طبقہ کے تعلیم یافتہ اور ممتاز افراد سے تعارف اور ملاقاتوں کا انتظام کر رہا تھا، چنانچہ سفیر کی وسیع اور شاندار قیام گاہ پر دو مخصوص نشستیں ہوئیں، ایک نشست ممتاز، معزز اور دیندار گھرانوں سے تعلق رکھنے والی مسلم خواتین کی تھی، مجلس میں شریک ہونے والی خواتین اللہ کا شکر ہے

اسلامی عقائد سے باغی یا جدید تہذیب و تمدن کے زعم میں دین سے یکسر بگناہ و بیزار
نہیں تھیں۔

افغانی خوانین میں جدید تہذیب و مستشرقین کے افکار کے اثرات

پھر بھی ہم محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ ملک میں مغربی تہذیب بہت آگے جا چکی ہے
اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہوئے ہیں ۱۹۲۶ء اور ۱۹۴۳ء کے درمیان وسیع خلیج حائل
ہو چکی ہے۔

امیر امان اللہ شاہ کے دور تک افغانی قوم اسلامی افغانی روایات پر بڑی مضبوطی
سے قائم تھی، اسے دانتوں سے پکڑے ہوئے تھی، اس کا نصلب غلو اور مبالغہ کی حد تک
پہنچا ہوا تھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ امیر امان اللہ شاہ کی بعض قدیم اسلامی روایات کی خلاف ورزی
کی بنا پر ان کے خلاف ہنگامہ برپا ہو گیا، اور ان کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا، لیکن
اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے، افغانی قوم اپنے ماضی سے بہت دور جا پڑی ہے،
اور یہ دوری ماہ و سال کی تعداد کے اعتبار سے تو بہت کم ہے، یعنی صرف سینتالیس سال
لیکن فکری اور تمدنی اعتبار سے یہ مسافت بہت طویل ہے، اکثر قومیں کہیں صدیوں میں اتنی
مسافت طے کرتی ہیں، پردہ اب پس ماندگی، جہالت اور غربت کی علامت بن گیا ہے، اسی وجہ
سے دیہاتوں، گاؤں میں بعض دیندار علماء اور دارالسلطنت سے دور کسانوں کے گھروں
تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، فرنگی لباس عام ہے، پھر بھی قدیم ماحول اور طبیعتوں میں رچی ہوئی
اسلامی خصوصیات کے اثرات اب تک ان تعلیم یافتہ مسلم خوانین میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود
ہیں، اس لئے ان کے سوالات اور گفتگو میں توہین و استہزاء کا انداز نہیں تھا، بلکہ ہم لوگوں کے دوران گفتگو

وہ خاصی محتاط رہیں، ان کی باتوں سے دین اور اہل دین کا احترام جھلکا نہ تھا، وہ اسلام میں عورت کی حیثیت اور اس کے عطا کردہ مراتب و حقوق معلوم کرنے کا شوق ظاہر کرتی ہیں لیکن ان کے سوالات سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ غیروں کی تہذیب و تمدن کے اثرات کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور مستشرقین کی تحریریں اور اسلام، اس کے اصول و مبادی اور اسلامی نظام حیات کے خلاف ان کا منظم اور منصوبہ بند پروپیگنڈا اور یورپ کے پھیلائے ہوئے کامل مساوات و مرد و زن کے نظریہ کے اثرات کتنی گہرائی تک اتر چکے ہیں، اس کے مقابلہ میں اسلام اور اسلامی شریعت کو جدید اور موثر انداز میں پیش کرنے اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو مطمئن کرنے کے سلسلہ میں مسلمان اصحاب دعوت و ارشاد، اہل قلم اور علمائے کرام کی کوتاہیوں کا بڑا ہم کو احساس ہوا تھا، بہر حال دونوں طبقوں — دین کے نمائندہ، علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ — کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج بہت وسیع ہو گئی ہے جس کو پر کرنا آسان نہیں ہے۔

اس جلس میں ہمارے فاضل رفیق استاد احمد محمد جمال نے گفتگو کی اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، وہ اس موضوع کے ممتاز ماہرین میں سے ہیں، اور اس سلسلہ میں خاصا کام بھی کر چکے ہیں، انکی کتاب ”مکاتلہ تَحْمَنَی“ اس موضوع پر ایک اچھی کتاب ہے، میں نے بھی مناسب جگہ پر ذہن کو تیار و ہموار کرنے کے لئے عمومی انداز کی ایک بات سامنے رکھ دوں، چنانچہ میں نے کہا۔

بے پردگی اور معاشرتی قدروقدر کے بغاوت قومی زوال کا پیش خیمہ

”میں نے قوموں اور تہذیب و تمدن کی تاریخ — (اور خاص طور سے قوموں اور تہذیبوں کے ارتقاء و انحطاط کی تاریخ) کا مطالعہ بڑی توجہ اور انہماک سے کیا ہے، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قوموں اور ملتوں کے زوال، ان کی تباہی و بربادی

اور انتہائی ترقی یافتہ اور کھجور کن تمدنوں اور زندگیوں کے زوال اور فنا کا سبب
 اہم اور بنیادی سبب ہے اس کے عالمی نظام کا انتشار، گھریلو زندگی میں اغتدال و
 توازن کا فقدان، مرد و زنانہ کے ارتباط باہمی میں فساد و اختلال، گھریلو زندگی سے
 عورتوں کی بے توجہی اور اس کی ذمہ داریوں سے فرار — تاریخ میں قہری بھی
 زوال پذیر تہذیبیں اور پستی و انحطاط اور تنہا ہی و بربادی کی طرقت تیز قدموں سے
 بھاگتی ہوئی قومیں نظر آتی ہیں، وہاں یہ بیماری نذر پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ
 عورتوں نے گھریلو زندگی سے فرار اور اس کی ذمہ داریوں سے پلوتی شروع
 کر دی، وہ امتا کے جذبہ سے محروم ہو گئیں، اولاد کی پرورش و پرداخت اور
 نئی نسل کی تربیت اور اس کی ذمہ داریوں سے گریز کرنے لگیں اور اپنے گھر کو سکون
 اطمینان کا گھر بنانے سے غافل ہو گئیں جہاں مرد کو امن و عافیت اور سکون و
 راحت کی دولت میسر آ سکے وہ گھر میں داخل ہونو محسوس کرے جیسے جنت میں
 آگیا ہو، بلکہ اس کے بجائے وہ مردوں کی ذمہ داریوں اور ان کی کارگزاری کے
 میدانوں میں برابر کی شرکت، ان کی ہم سفری اور ہم صغیری، ہر میدان میں ان کے
 دوش بدوش کھڑے ہونے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں ان کا مقابلہ کرنے کے
 شوق میں پاگل ہو گئیں، اور اس کے نتیجے میں ان معاشروں میں ذہنی و فکری انتشار
 عام، لاقانونیت، انارکی اور اخلاقی بحران پیدا ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاکت کے
 غار کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم اور تیز ہو گئے، یہی قدیم یونانیوں کی کہانی
 ہے، اور یہی قدیم رومیوں اور ایرانیوں کے زوال کی داستان ہے، اور مجھے
 خطرہ ہے کہ کہیں مشرقی قومیں بھی اسی دردناک انجام سے دوچار نہ ہوں اور

رنج و فکر کی بات ہے کہ ہمارے مشرقی اسلامی معاشرہ میں اس کے آثار
نظا ہر بھی ہو چکے ہیں :

جزوی ترمیم و اصلاح کے ساتھ یہ سیری وہاں کی تقریر کا خلاصہ ہے، (اور تحریر و
تقریر میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہی ہے) امید ہے کہ ہماری یہ سطر میں محض افغانی بہنوں تک
پہنچیں گی کاش کہ یہ ان پیش آنے والے خطرات کا احساس دلانے میں کوئی مفید خدمت
انجام دے سکیں۔

اس کے بعد اسٹاذ احمد محمد جال نے ایک عالمانہ تقریر کی اور عورت کے بارے میں
اسلام کے نقطہ نظر معاشرہ میں اس کے حدود، اور زندگی میں اس کے فرائض اور اچھے
خاندان اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں عورت کے اہم کردار کی تشریح کی، پھر سوالات کا
ایک سیلاب امانڈ پڑا، اکثر سوالات، توہم راز و واج، حق طلاق کے لئے مردوں کی خصوصیت
اور شرعی پردہ سے متعلق تھے، مجلس سکون و وقار کی فضا میں ختم ہوئی اور تمام خواتین و حضرات
شام کے کھانے اور عشا کی نماز کے لئے اٹھ گئے۔

ہمارے رفیق اسٹاذ احمد محمد جال کابل میں خواتین کا ایک اور نشست میں شریک
ہوئے، میں اس وقت غزنی میں تھا، اس لئے شریک نہیں ہو سکا، واپسی پر بتایا گیا کہ پردہ
مردوں کے حق طلاق اور تعدد ازواج کے موضوع پر گرم بحث ہوئی، ان باتوں سے
اندازہ ہوتا ہے کہ افغانی خواتین ذہنی اور فکری انتشار و اضطراب کی کس منزل سے
گذر رہی ہیں اور غیر ملکی تہذیب و ثقافت کا پروکینڈہ اور اس کے اثرات کس حد تک
پہنچ چکے ہیں۔ ۹

علمائے کابل سے گفتگو

دوسری مجلس علماء کے لئے مخصوص تھی، اور چوں کہ سعودی سفارت خانہ کو دینی و مذہبی حلقہ میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے علماء و مشائخ کی بڑی تعداد نے سفارت خانہ کی دعوت قبول کی اور ہر طرح کے تکلف و تصنع سے پاک خالص برادرانہ اور دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی، اس رات میری گفتگو کا موضوع تھا "اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں علماء کی ذمہ داریاں اور قوم سے براہ راست تعلق" میں نے خاص طور سے دو طبقوں — عوام اور نوجوانوں کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور اس میدان میں بعض جماعتوں اور تحریکوں کے تجربات بیان کئے، برصغیر کا تبلیغی جماعت اور اس کے طریق کار کا تذکرہ کیا کہ کس طرح اس جماعت نے ہمارے اس دور میں قوم سے براہ راست تعلق قائم کرنے اور عام مسلمانوں کے گھروں، منڈیوں اور بازاروں تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی اور اس کی دعوت دور دراز ممالک تک پھیل گئی، اسی طرح اس نے عوام میں مذہبی شعور اور دینی جذبہ بیدار کرنے اور اللہ کی طرف توجہ، اخلاق و اعمال کی اصلاح، ایثار، الشکر کی راہ میں محنت و مشقت پر آمادہ کرنے کی کامیاب کوشش کی، میں نے کہا کہ عوام کو دینی رہنمائی، اسلامی تعلیم و تربیت اور دین کے مکمل شعور کے بغیر چھوڑ دینا بڑا خطرناک ہوتا ہے، ایسی صورت میں وہ کسی بھی مفید و ملحد کے لئے ترنوالہ اور خوش گوار گھونٹ ثابت ہو سکتے ہیں، اور بڑی آسانی کے ساتھ تباہ کن تحریکوں اور اسلام دشمن افکار و خیالات کا شکار ہو سکتے ہیں۔

پھر میں نے نوجوانوں اور خاص طور سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نوجوانوں

کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا کیونکہ وہی موجودہ نسل کی جگہ لینے والی نسل ہے اور وہی ملک کی قیادت زندگی کی تشکیل، قانون سازی اور تعلیم و تربیت کا رخ متعین کرنے کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے، تمام امور و معاملات کی کلید اور حکومت کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھوں میں ہوگی، ان کی اصلاح ملک و قوم کی اصلاح ہے، اور فضائل اسلام پر ان کا پختہ یقین، اسلامی اصولوں اور تعلیمات پر ان کا راسخ ایمان اور دین کے لئے ان کا جوش و جذبہ ہی اس علاقہ میں اسلام کی بقا اور اس کی قوت و شوکت کی ضمانت ہے، اور اسلام کی صلاحیتوں سے ان کی بے اعتمادی، عقیدہ و ایمان کی کمزوری، اسلام کے مستقبل اور اس کی قائدانہ صلاحیت سے مایوسی، مغربی تہذیب ہی کو انسان کی ترقی، آزادی اور عزت و سعادت کی انتہاء اور ناقابل تردید حقیقت سمجھنا جس سے انکار و اعراض کی گنجائش نہیں، یہ درحقیقت اسلام کے زوال، زندگی کی رزمگاہ سے اس کے انخلا کا پیش خیمہ اور فکری اور تہذیبی ارتداد ہے، جب یہ طرز فکر کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کی تیز و تند موج چلتی ہے تو نہ عالی شان محلوں کو چھوڑتی ہے، نہ پامال جھونپڑیوں کو، نہ کسان کے کھیتوں کو، نہ کسی عالم کے مدرسہ کو نہ کسی گوشہ نشین عابد و زاہد کی خانقاہ کو میں نے بعض اسلامی ممالک کے دردناک انجام کی مثالیں بھی بیان کیں جہاں علماء نے نوجوانوں پر توجہ دینے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے میں پہلو تہی کی، ان کو متاثر کرنے میں ناکام رہے، اور ان کو بے ہمار چھوڑ دیا کہ اتحاد، فساد، کمیونزم، وجودیت اور اباحت کے داعیوں میں سے جو چاہے، ان کو اپنا شکار بنالے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان نوجوانوں کے ذہن و دماغ پر ملحد، زندیق، جارحانہ قوم پرستی کے داعی یا دین کے دشمن کمیونسٹ چھائے، انھوں نے اپنی سرگرمیوں کے لئے دو میدان منتخب کئے، تعلیم گاہیں اور

فوج اور چند ہی سالوں میں اتنی طاقت حاصل کر لی کہ پورے ملک کو اپنے ڈنڈے سے
 جبراً چاہیں ہانکتے رہیں، حکومت و اقتدار کی کلید اپنے ہاتھ میں لے لیں اور طاقت و
 قوت کے ہر اس سرشتیہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں جس سے ملک کی سیاست و حکومت
 کے طریق کار اور اس کی رفتار پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے۔

میں نے اس کی بھی وضاحت کی کہ نوجوانوں میں کام کرنے کے لئے، جدید
 اسلوب، جدید زبان، نوجوانوں کی انفیات کے گہرے مطالعہ اور ان کو رہنمائی
 مشکلات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے، اور اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کی طرف منسوب یہ وصیت پیش نظر رکھنی چاہئے:-

كَلِّمُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عَقُولِهِمْ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو
 اتريدون ان يكلذب الله ورسوله کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے
 رسول جھٹلا دیئے جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ ان کے ذہن و دماغ میں حقیقت
 از سر نو اچھی طرح راسخ کر دی جائے کہ اسلام زندگی اور قائدانہ صلاحیت سے
 بھرپور ہے، اور صرف یہی نہیں کہ اسلام زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، بلکہ زمانہ کی
 قیادت و رہنمائی کر سکتا ہے، ”صُحَّحَ اللهُ الدِّينَ، اَلْقُرْآنُ، كُلُّ شَيْءٍ“

اس مقصد کے لئے ایسا اسلامی لٹریچر مفید ثابت ہو سکتا ہے، جو ان کے
 ذوق کے مطابق ہو، جو ان کے دماغ کی گہری کھول دے مستقل کتابی تصنیف کر کے

لے شام کسی زمانہ میں جس کی دینی پننگی اور اسلامی روایات سے وابستگی بطور مثال پیش کی
 جاتی تھی، اس مصیبت کو بہترین مثال ہے۔

شائع کی جائیں یا ملک میں رائج زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا جائے۔

اس جلس میں استاذ احمد محمد جال نے بھی گفتگو کی اور بعض اہم پہلو اجاگر کئے، اس کے بعد مذکرہ شروع ہوا اور بعض ممتاز حاضرین نے تقریروں پر اپنے تاثرات بیان کئے۔۔۔۔۔۔ ان میں وزارت اطلاعات و نشریات میں شعبہ وعظ و ارشاد کے چیف ڈاکٹر استاذ بشار اور شیخ محمد ہاشم مجددی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، انھوں نے ہماری معروضات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، اور بعض اہم نکتے واضح کئے پھر مجلس برخاست ہو گئی اور سردار اطمینان کا تاثر لئے لوگ واپس ہوئے۔

وزراء اور دوسرے ذمہ داروں سے ملاقاتیں

جن ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی ان میں سب سے اہم وزیر تعلیم جناب خدین عظیم اور نائب وزیر ڈاکٹر محمد صدیقی ہیں، ان حضرات سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی اور اسلامی ممالک میں تعلیمی رجحانات اور وہاں کی تعلیمات پر گفتگو ہوتی رہی، وزیر تعلیم نے ہماری باتیں توجہ سے سنیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انھیں اپنا غنیمت ذمہ داریوں کا احساس ہے، چونکہ ہمارے دورہ کا پروگرام مرتب کرنے اور وفد کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام اصلاً وزارت تعلیم ہی نے کیا تھا، اور یہی وزارت حکومت افغانستان کی طرف سے ہماری میزبان تھی، اس لئے ہم نے وزیر تعلیم اور نائب وزیر تعلیم کا خصوصی طور پر شکریہ ادا اور اپنی ممنونیت کا اظہار کیا، وزارت تعلیم نے ہمارے اعزاز میں ایک دعوت کا بھی اہتمام کیا، جس میں کلیۃ الشریعہ کے اساتذہ نمایاں نظر آتے تھے۔

صدر اعظم (وزیر اعظم) کے خصوصی مشیر استاذ عبدالتار سیرت سے بھی ملاقات

ہوئی وہ مصر کے تعلیم یافتہ اور جامع ازہر کے فارغ ہیں، وہ اہل زبان کی سنی تیزی اور روانی کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے رہے، وزارت عدل کے انڈر سکرٹری جناب سمیع الدین زوندا اور نیابت عامہ کے انڈر سکرٹری عبداللہ مادہ، ہدایت سنٹرل وقف بورڈ کے ڈائریکٹر اساتذہ کامل شنواری، افغان جمیۃ العلماء کے صدر مولانا محمد صدیق کباری وغیرہ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں ان حضرات کے ساتھ وزارت عدل کے عہدہ داروں اور اس کے بعض شعبوں کے سربراہوں میں سے کچھ منتخب افراد بھی تھے، اساتذہ احمد محمد جلال میرے کابل پہنچنے سے پہلے وزیر اطلاعات سے بھی مل چکے تھے، اساتذہ عبدالرسول سیات تمام ملاقاتوں اور اجتماعات میں فارسی زبان میں قدرت اور مہارت کے ساتھ ہماری باتوں کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے، یہ بات ہم نے خاص طور سے محسوس کی کہ تمام پڑھے لکھے افراد، وزراء اور اعلیٰ عہدہ داران سب فارسی زبان میں بات چیت کرتے ہیں، حالانکہ وہاں کی سرکاری زبان پشتو ہے، سرکاری احکام و اعلانات اسی زبان میں شائع ہوتے ہیں، سرکاری مراسلات میں بھی زبان استعمال کی جاتی ہے، دعوت نامے بھی اسی زبان میں جاری ہوتے ہیں، لیکن فارسی زبان سب ہی لوگ سمجھتے ہیں، اور علمی اجتماعات اور ادبی مجلسوں میں فارسی ہی استعمال کرتے ہیں، یہیں بتلایا گیا کہ تحریک پنجستان کے مرکز اور بلوچستان کی سرحد سے ملے ہوئے علاقہ قندھار میں بھی فارسی ہی زیادہ رائج ہے۔

اس دورے میں جن ممتاز شخصیتوں سے تعارف حاصل کر کے خوشی ہوئی اور ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارا ان میں مولانا محمد اسلام تسلیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ ان علماء کا نمونہ ہیں، جو دین میں رسوخ و استقامت کے ساتھ ہی جدید افغانستان میں اپنی عزت و احترام اور قدر و منزلت کو بھی باقی رکھے ہوئے ہیں۔

وزارت تعلیم کے بڑے بڑے ذمہ داران اور عمدہ داران ان کا احترام کرتے ہیں، اور مولانا کو ان کا اعتماد حاصل ہے۔

قوم میں علماء کے اثرات کی روز افزوں کمی اور اس کے نتائج

افغانستان کچھ دنوں قبل علماء اور مشائخ کا ملک تھا، اور اس حد تک علماء کے زیر اثر تھا کہ دوسرے شرقی ممالک میں اس کی مثال نہیں ملتی کسی بھی شخصیت یا حکومت کے لئے علماء کی تصویب و تائید اسی طرح ان کی ناراضگی و ناپسندیدگی کی بڑی قیمت تھی، اور اس کے دور میں اثرات مرتب ہوتے تھے، اور حکومت اور قوم دونوں کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی، علماء کے نعرہ جہاد جس کو وہ عام طور پر ”غزا“ کہتے تھے، کی صدائے بازگشت سے شہر قصبات اور دیہات کو جھٹھٹھتے اور وہ عوام و خواص کے دلوں اور دماغوں میں نشہ پیدا کر دیتا، انگریزوں سے جنگ، ملک کی آزادی و استقلال کا حفاظت، دینی و ملی غیرت کے بقاء، بہت سے اسلامی اخلاق و آداب پر قائم رہنا اور اسلام دشمن تحریکیں اور دعوؤں کا مقابلہ انھیں علماء کے اثرات کا رہن منت ہے، اور شاید افغانستان میں شرعی عدالتوں اور اسلامی قوانین کے باقی رہنے کا بھی یہی سبب ہے جبکہ اکثر اسلامی ممالک میں ان کا خاتمہ ہو گیا ہے، اور بلاشبہ افغانی حکومت اس مسئلہ میں مبارک باد کی مستحق ہے۔

ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے کہ سیکڑوں افغانی طالب علم ہمارے یہاں ہندوستان کے بڑے مذہبی مدارس اور خاص طور سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے، کیوں کہ افغان بھی ترکوں کی طرح سو فی صدی سنی حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ہمیں اس دورہ سے اندازہ ہوا کہ اب وہ نسل ختم ہو چکی ہے، یا ختم کے قریب ہے۔

زمانہ کی رفتار اور حالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ علمائے اپنا اثر و نفوذ بھی بہت کچھ کھودیا ہے، اس میں حکومت کے ”مدبرانہ“ طرز عمل کا بھی بڑا دخل ہے، اور یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے، حکومت نے گذشتہ تجربات سے یقیناً سبق حاصل کیا ہوگا، اس نے دیکھا کہ علماء امیران الشہ خاں کے خلاف کھڑے ہو گئے، تو ان کے خلاف بغاوت ہو گئی، یہاں تک انھیں ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، اور شاید علامہ اقبال کی بیان کردہ ابلیس کی وہ حکیمانہ وصیت بھی ارباب حکومت کے علم میں آئی، جس میں اس نے اپنے مطیع و فرمانبردار رہنماؤں سے کہا ہے۔

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے عیلاج

ملا کو اس کے کوہِ زدن سے نکال دو!

چنانچہ اب یہ دینی غیرت اور افغانی خودداری محسوس حد تک کم ہو گئی ہے، افغانی معاشرہ میں زبردست تغیرات رونما ہوئے اور قوم ان کو ہضم کر گئی، ان میں کوئی حرکت نہیں پیدا ہوئی، وہاں بے پردگی کا سیلاب آگیا، مغربی تہذیب کی تقلید اور فرنگیت عام ہو گئی، اور وہاں کی زندگی میں کوئی حرکت یا کوئی اضطراب نہیں پیدا ہوا، اس وقت افغانستان ہمسویوں کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا ہے، کیونکہ حشیش اور دیگر کشلی اشیاء وہاں بافراطمی ہیں، ہم نے خود ان کی بڑی تعداد کو دیکھا وہ جہاز پر ہمارے ساتھ تھے، کابل میں اترے اور ادھر ادھر پھیل گئے، قوم کے اخلاق اور اختلاط مردوزن پر پڑنے والے ان کے اثرات صاف ظاہر ہیں، لیکن یہ تمام باتیں اب وہاں کوئی محسوس کی جانے والی ناپسندیدگی یا بے حسینی نہیں پیدا کرتیں، اور یہ دینی غیرت اور اسلامی نخوت کے زوال ہی کی دلیل ہے، اس کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ قیادت علماء کے ہاتھوں سے نکل کر سیاستدانوں کے ہاتھوں میں

چلی گئی ہے، جو ہر معاملہ کو اقتصادیات اور سیاست کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور صورت حال کے سامنے سر جھکا دینا ہی حقیقت شناسی کا تقاضا سمجھتے ہیں۔

میں نے سنا کہ ہرات اب تک علم و علما اور مدارس و مساجد کا شہر ہے، وہاں اب بھی علم دین اور علم اربڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، اور صلاح و تقویٰ کے آثار موجود ہیں، شدید خواہش کے باوجود میں اس تاریخی شہر اور دینی علمی مرکز کی زیارت نہیں کر سکا یہاں سے بہت سے علماء و مصلحین پیدا ہوئے، مثلاً مشہور عارف و محقق امام عبدالشہر انصاری جن کی کتاب "منازل السائرين" کی شرح میں علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب "مدارج السالکین" لکھی، اور مشہور محدث، فقیہ اور محقق علامہ نور الدین علی بن سلطان محمد جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ (م ۱۴۰۱ھ)۔

کابل میں مجددی خاندان

دارالسلطنت اور اس کے مضافات میں قدیم علماء و مشائخ کے خانوادہ کے کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں، اور درس و تدریس، اصلاح و ارشاد اور دعوت الی الشر میں مشغول ہیں، کابل کے مضافات میں مجددی بزرگوں کی ایک خانقاہ، قلعہ جواد کے نام سے مشہور ہے، اس کے بعض مشائخ کی شہرت افغانستان کے حدود سے باہر تک پھیلی ہوئی تھی، اسی خانوادہ کے ایک بزرگ نور الملشائخ شیخ فضل عمر مجددی تھے، جو شیر آغا کے نام سے مشہور تھے، ان کے مریدوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، جو ہندوستان و پاکستان تک پھیلے ہوئے تھے، ان کے بھائی شیخ محمد صادق مجددی، مشرق وسطیٰ میں افغانستان کے ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ میں انتقال ہوا، راقم الحروف نے لاہور آمد کے منظمہ میں ان کی زیارت کی ہے۔

سابقہ سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن اپنے علم، صلاح و تقویٰ اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کی وجہ سے عرب ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، اس عوامی تحریک میں ان دونوں بھائیوں نے مرکزی اور قائدانہ کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجہ میں امیر امان اللہ خاں کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا اور نادر شاہ تخت نشین ہوئے۔ ہم نے ”قلعہ جواد“ کی بھی زیارت کی اور دیکھا کہ خانقاہ طالبین و معتقدین سے بھری ہوئی ہے، مسجد نمازیوں سے آباد ہے، اور مدرسہ میں طلبہ کی کثیر تعداد تحصیل علم میں مصروف ہے، حضرت نور المشائخ کے خلیفہ اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد براہیم مجددی کی بارہما رے ہوٹل تشریف لائے اور ہم لوگوں پر بڑا کرم فرمایا، اسی طرح اس خاندان کے اور بھی بزرگوں مثلاً شیخ عبدالسلام مجددی وغیرہ سے ملنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور برادر عزیز صبنۃ اللہ مجددی کو تو ہم بھول ہی نہیں سکتے، ان کی نوعمری ہی میں ۱۹۵۱ء میں ان سے قاہرہ میں تعارف ہوا تھا، مسجد اقصیٰ میں ان کے دادا شیخ محمد صادق مجددی کی خلوت گاہ میں چند دن گزرے تھے، کابل میں ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، لمبی لمبی نشستیں رہیں، خوب خوب باتیں ہوئیں اور بیٹے دنوں کی یاد تازہ کی جبکہ مسلمان زیادہ باعزت تھے اور ہمارے اعمال نامے زیادہ پاکیزہ اور روشن تھے، شیخ صبنۃ اللہ مجددی افغانستان جمعیتہ العلماء کے بانی اور اس کی مجلس تاسیسی کے رکن ہیں، بعض وزراء کے زمانہ میں عقیدہ و ایمان میں پختگی اور دعوت اسلامی کی وجہ سے انھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے، اسی طرح بزرگ و محترم دوست شیخ محمد صادق مجددی کے صاحبزادہ شیخ محمد ہاشم مجددی بھی بہت مانوس ہو گئے تھے، اور ان سے بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں، یہ دونوں وزارت تعلیم سے متعلق ہیں۔

چند اور علمی و دینی شخصیتیں

مجاہد کبیر مولانا سیف الرحمن ٹونکی مہاجر کابل کے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز اور ان کے بھتیجے مولوی عزیز الرحمن کی ملاقات سے بھی بڑی مسرت ہوئی مسجد پل خشتی کے امام مولوی غلام ربانی سے بھی ملاقات کا موقع ملا یہ دارالسلطنت کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے، اور امام صاحب بڑے دلچسپ اور خوش اخلاق آدمی ہیں، اسی طرح دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولوی محمد گل کی خدمت میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، افسوس ہے کہ بعض اور بزرگوں کے نام یاد نہیں رہے، انتہائی مشغول پروگرام اور مسلسل آمد و رفت میں لوگوں کے نام نوٹ کرنے اور یادداشت لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

لے مولانا سیف الرحمن صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے، اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان کا رخ کیا، علوم ریاضی کی تعلیم مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حدیث کی تحصیل مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے کیا، سالہا سال ریاست ٹونک میں مدرسہ ناصر میں تدریس کی خدمت انجام دی، اور وہیں سکونت اختیار کر لی کچھ عرصہ فتح پور میں بھی مدرسہ ہے، شیخ احمد مولانا محمود حسن صاحب خصوصی تعلقات تھے، اور وہ ان کی مجاہدانہ تحریک کے خاص مددگار تھے، مولانا نے اسی مقصد کے ماتحت ہندوستان سے ہجرت کی، اور سرحد کے مشہور مجاہد حاجی ترنگزئی کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی، اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ کابل ہجرت کر گئے، جہاں وہ بعض اہم مناصب پر فائز رہے، پاکستان بننے کے بعد وہ پشاور واپس آ گئے، جہاں وہی اولیٰ ۱۳۵۶ھ کو اپنے گاؤں تھرانویں وفات پائی، جو پشاور کے شمال میں واقع ہے، مولانا بڑے عالی ہمت، بلند نگاہ، ذہین و ذکی عالم تھے، انگریزوں کی دشمنی میں بہت بڑھے ہوئے تھے، ہندوستان میں ان کے شاگردوں کی ابھی تعداد تھی۔

کابل کی جامع مسجد میں

کابل میں ہمیں ایک ہی جامع مل سکا، اور وہ ہم نے جامع مسجد پل خشتی میں ادا کیا، اس میں سعودی سفیر بھی تشریف لائے، مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، یہاں کے رسم کے مطابق ہم نے اور شیخ احمد محمد جمال نے نماز جمعہ سے پہلے تقریریں کیں، میں نے اپنی تقریریں مشہور حدیث:-

بدا الاسلام غریبا وسعود غریبا اسلام کا آغاز عالم بیکسی سے ہوا، اور پھر مکہ بدأ فطوبی للغریبہ۔ عالم بیکسی میں پہنچ جائے گا تو بیکسوں کو مبارکباد کی تشریح کی اور تشریح کے دوران قدیم ترین اسلامی ممالک کو درپیش مصائب و مشکلات کی جانب بھی لطیف اشارہ کرتا جا رہا تھا کہ دین و مذہب جن کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا وہ بھی اس وقت عقیدہ و ایمان کے سخت امتحان سے گزر رہے ہیں، اور ان کی جان کے لئے پٹے ہوئے ہیں، دوسری قوموں کی تقلید اور اسلام بیزاری کے رجحانات نے ان ممالک پر دھاوا بول دیا ہے، دوران تقریر اچانک ایک صاحب نے مسجد کے ایک گوشہ میں زور سے نعرہ لگایا اور ان کو حال آگیا، اس سے عالم اسلام کی موجودہ صورتحال پر غیرت مند مسلمانوں کے رنج و غم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اتاذ احمد محمد جمال نے حدیث "اتدرون من الفلاس"..... احادیث اور الدنیا سوق قامت ثم انقضت"..... احادیث کی تشریح کی۔

آثار قدیمہ اور باغات

آثار قدیمہ میں سے ہم نے ہندوستان میں مغل سلطنت کے اولوالعزم بانی ظہیر الدین بابر

کی قبر کی زیارت کی، وہ ایک خوبصورت مقام پر گھنے باغ کے درمیان کابل کے قریب ہی ہے
 بابر کو کابل بہت پسند تھا تو اس نے اس کی آخری آرام گاہ کے لئے کابل ہی کو منتخب کیا، ہم
 پغمان کا مشہور باغ بھی دیکھنے گئے، وہ صحیح معنوں میں دنیا کے مشہور اور بڑے باغات میں
 شمار کئے جانے کے قابل ہے، مولانا سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ اسی انداز پر کشمیر اور لاہور
 کے شالار باغ لگائے گئے ہیں، یہ سب ہی مختلف تختوں اور روشوں میں منقسم ہیں، کارنیز میر
 باغ بھی دیکھا یہ بہت لمبا چوڑا اور گھنا باغ ہے، پانی وافر ہے، درخت گھنے ہیں، اور بیچ بیچ
 میں پختہ سڑکیں ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کے دار السلطنت میں

ہمارا یہ دورہ کابل اور اس کے مضافات کے اداروں، شخصیتوں اور علمی و ثقافتی
 مراکز تک محدود تھا، کیوں کہ وقت کم تھا اور پروگرام بہت، لیکن میں نے وزیر تعلیم اور ان کے
 سکریٹری سے درخواست کی کہ ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا اٹھانے اور اسلامی حکومت کی
 بنیاد رکھنے والے، سکندر اسلام، یحییٰ الدولہ غازی سلطان محمود غزنوی کے دار السلطنت
 "غزنی" کی زیارت کی بھی اجازت دیں، جہاں تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور شعر و ادب
 کی نئی تاریخ وجود میں آئی، جو چوتھی صدی ہجری کے آخری اور پانچویں صدی کے ابتدائی ایام
 میں ترقی اور عظمت و شان میں اندلس کے قرطبہ اور غرناطہ کی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا، اور
 اب عالیشان محلات، بازاروں، آبادی کی کثرت اور جدید تمدن کے مظاہر سے زیادہ
 تاریخوں، کہانیوں، کھنڈرات اور نکتہ درو دیوار میں زندہ ہے، اگر میں محمود غزنوی اور
 حکیم سنائی کا شہر نہ دیکھ سکا، اور اپنے ملک لوٹ گیا تو میرا دورہ افغانستان نامکمل رہ جائیگا

اور ایک دیرینہ تمنا دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گی، وزیر تعلیم نے میری تجویز بڑی خوشی سے منظور کر لی اور نائب وزیر تعلیم نے غزنی کے حاکم شہر اور محکمہ تعلیم کو وفد کے استقبال کی ہدایتیں دیں اور تاکید کی کہ باخبر رہنا اور آثار قدیمہ کے ماہر ساتھ کر دے جائیں، جو شہر کے قدیم آثار تاریخی مقامات دیکھنے میں مدد دے سکیں۔

علمی و تمدنی تاریخ میں غزنی کا حصہ

سنچر ۹ جون کی صبح کو ہم غزنی کے لئے روانہ ہوئے، وہ کابل سے ۲۰۰ کیلو میٹر (۱۲۰ میل) کے فاصلہ پر ہے، وہاں حاکم شہر اور وزارت تعلیم کے افسران نے ہمارا استقبال کیا تجربہ کار اور باخبر رہنما اور محکمہ آثار قدیمہ اور کھدائی میں کام کرنے والے چند افراد کو ہماریساتھ کر دیا، اور ہم فوراً پرانے شہر کی طرف ہوئے، وہ موجودہ شہر سے مشرقی جانب چند کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، یہاں اب صرف کھنڈراور شکستہ درو دیوار رہ گئے ہیں، یہاں کسی زمانہ میں غزنوی سلطنت کا دارالسلطنت تھا، جو اس وقت آبادی کی کثرت شہر کی وسعت اور تمدن کی ترقی میں عالم اسلام کے سب سے بڑے مرکز اور سلطنت عباسیہ کے پایہ تخت دارالسلام بغداد کا مقابلہ کر رہا تھا، اور پوری دنیا سے اہل فضل و کمال، علم و ادب کے ماہرین، نادارہ کار دستکار و مہار، فصیح و بلیغ شعرا، تبحر علماء و محققین اولیاء صلحاء، ذہین و ذکی اور حاضر جواب درباری، حاذق اطباء اور تجربہ کار جنگجو اور فاتحین اس کی طرف اس طرح کشاں کشاں چلے آ رہے تھے، جیسے لوہے کے ٹکڑے مقناطیس کی طرف کھینچتے ہیں، یہاں کے بازار نئی مصنوعات سے بھرے ہوئے تھے، مفتوحہ ممالک سے مال غنیمت وہاں کی قیمتی اور نایاب اشیاء اور نفیس ترین ساز و سامان

اس طرح وہاں پہنچ رہا تھا، جیسے ندی نالوں کا پانی سمندروں میں گرتا ہے، اس کی وجہ سے وہاں ایسی چیزیں جمع ہو گئی تھیں، جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں آتیں۔

آستانہ غزنوی سے وابستگان و متوسلین میں بدیع الزماں ہمدانی جیسے ادیب شاعر، ابوریحان البیرونی جیسا ریاضیات و فلکیات کا امام، الافانی شاعر فردوسی اور اس کے علاوہ عسجدی، غنصری، اسدی، غضاری، فرخنی، منوچھری جیسے ممتاز فارسی شعراء شامل تھے، سلطان جن شعراء کی کفالت کرتے تھے، ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔

غزنی کی بربادی

غزنی پوری ایک صدی تک شان و شوکت اور تمدن کی بندیلوں پر رہا بیم ورجا، امر و نہی اور نفع و ضرر کا اصل مرکز بنا رہا یہاں تک کہ ابھرتے ہوئے عالی ہمت غوری خاندان (جس میں بعد میں شہاب الدین غوری جیسا مجاہد پیدا ہوا) کے پے درپے حملوں کا شکار ہو گیا اس خاندان کا ایک فرد — علاء الدین حسین بن حسن — اپنے زمانہ کے غزنوی حکمران بہرام شاہ سے فارکھائے ہوئے تھا، کیونکہ بہرام نے اس کے بھائی سیف الدین کو سولی پر چڑھایا تھا، چنانچہ اس نے غزنی پر فوج کشی کی، غزنویوں کو شکست دے کر شہر میں داخل ہوا اور تین دن تک لوٹ مار کا بازار گرم رکھا، شہر میں آگ لگوادی جو پورے شہر میں پھیل گئی، اور خشک و تر سب جل کر راکھ ہو گیا، یہ گلزار شہر کھنڈ میں تبدیل ہو گیا، اور علاء الدین جہاں ہوز کے لقب سے مشہور ہوا، یہ ۶۴۷ھ کا واقعہ ہے، الشہر نے سچ کہا ہے (إِنَّا كَالْأَرْضِ جَلَّةٍ) جو ترجمہ ہوتا ہے (زمین الشہر ہی کی ہے، جسے چاہتا ہے، اس کا والی و وارث بناتا ہے)

ان کھنڈرات سے گذرتے ہوئے ابو العلاء معری کے یہ اشعار ہمارے درد زبان تھے۔
 خفت الوطأ ما أظن اذ يم الأ
 رضى إلا من هذه الأجساد
 وقبیم بنا وان قدم العهد
 هوان الآباء والأجداد
 سران استطعت فی الهواء ویدا
 لا اختیلا علی رفات العباد
 (زمین پر چلنے والو! ذرا آہستہ چلو، کیوں کہ میرے خیال میں روئے زمین ان خفگان خاک کے
 جسموں کے علاوہ کچھ بھی نہیں، آباء و اجداد کو زیر زمین گئے ہوئے اگرچہ ایک زمانہ گزر چکا ہے،
 پھر بھی ان کی توہین و تذلیل کوئی اچھی بات نہیں، اگر ہو سکے تو ان فضاؤں میں ہلکے قدموں
 چلو، اللہ کے بندوں کی بوسیدہ ہڈیوں پر پیڑھیں گئے ہوئے تو نہ چلو۔)

وہاں کھدائی میں بعض ایسی عمارتوں کے آثار بھی ملے ہیں، جن کی تاریخ سلطان محمود بن
 محمود اور ان کے بعد کے لوگوں تک پہنچتی ہے، کھدائی کا کام ابھی جاری ہے، اور بعض ماہرین
 نے بتلایا کہ کہیں دس سال میں اس مدفون اور تباہ شدہ شہر کے آثار سامنے آسکیں گے۔

حکماء، حکام، زاہدوں اور شہنشاہوں کے مزارات پر!

حکیم سنائی کی قبر پر ہم لوگ تھوڑی دیر ٹھہرے، ان کے لئے دعا کی اور فاتحہ پڑھی،
 لے حکیم سنائی کا نام مجدد و فاضل، اور کنیت ابوالمجددی، بہرام شاہ غزنوی کے زمانہ کے ہیں وفات میں اختلاف
 ہے ۵۲۵ھ، ۵۲۶ھ اور ۵۲۷ھ کی مختلف روایتیں ہیں، یہ مصنفانہ شاعری میں صفت اول کے شعراء میں
 شمار کئے جاتے ہیں، سب سے پہلے انہی نے حسن اخلاق، تہذیب نفس اور انسانیت کی عظمت و افتخار کو موضوع سخن
 بنایا اور اس پر زور دیا، جوش، ہوسستی اور اثر انگیزی ان کے کلام کا امتیاز ہیں۔

یہاں یاد آگیا کہ علامہ اقبالؒ نومبر ۱۹۳۳ء میں ان کی قبر پر آئے تو وہاں پھوٹ پھوٹ کر روئے
اور اسی سے متاثر ہو کر اپنا بلند پایہ قصیدہؒ لکھا جس کا مطلع ہے ۵
سما سکتا نہیں پنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید نرا اندازہ صحرا
اور اس کا آخری شعر ہے ۵

نائی کے ادب سے میں نے خواہی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

ہم نے چند اولیاء الشرا و صالحین مثلاً سید بہلول دانا، سید علی لالا، خواجہ بلغار، اور
شمس العارفین کے مزارات کی زیارت بھی کی۔

مجاہد اسلام، فاتح ہندوستان سلطان محمود غزنوی کی قبر پر بھی حاضری دی جس کے لئے
بڑی بڑی فوجوں کی قیادت، دوسرے ممالک میں دور تک بے خطر گھسنے چلے جانا، پے درپے
حملے اور جنگیں ایسی بے حقیقت اور آسان تھیں، جیسے آج کے نوجوانوں کے لئے پک ناک یا
صبح و شام پہل قدمی، انھوں نے ہندوستان میں اسلام کے قدم جما دیئے اور مسلم حکومت کی
بنیادیں مستحکم کر دیں، جو مختلف خاندانوں کی شکل میں تقریباً آٹھ سو سال تک باقی رہی، ہم مزار شاہی
پر تصویر حیرت بنے کھڑے رہے، یہاں وہ شیر سوراہے جس کی ہیبت سے افغانستان و ہندوستان
کے بادشاہوں اور سپہ سالاروں کی نیند اڑ جاتی تھی، آج وہ خود بخواب ہے، محمود کے درباری
شاعر فرغی نے اس کی موت پر بھول دوز مرثیہ لکھا تھا، اس کے یہ چند شعر صورتحال کی پوری تصویر
لے یہ قصیدہ اقبال کے مجبور کلامؒ بال جبریل کے ابتدائی قصائد میں شامل ہے اور اس کی مختصر تشریح اور
عمومی تبصرہ اقبال غزنی میں کے عنوان سے نقوش اقبالؒ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کھینچے ہیں۔

خیز شاہا! کہ رسولان شہاں آمدہ اند
 ہدیہا دارند آورده فراوان و نثار
 کہ تواند؟ کہ بر انگیزد ازین خواب نثار
 خفتی خفتی، کز خواب نگر دی بیدار
 خفتن بسیار اے خوابہ خوشے تو بنود
 بایچ کس خفتہ ندید است ترازیں کردار
 (ترجمہ) اے بادشاہ اٹھ! بادشاہوں کے قاصد آئے ہیں، جو کثرت سے
 ہر قسم کے ہدیے اور تحفے لائے ہیں۔
 کس کی طاقت ہے کہ تجھ کو اس نیند سے جگا سکے، تو ایسی نیند سو یا کہ اب پھر
 نہ جاگے گا۔
 اے آقا! دیر تک سونا تو تیری عادت نہ تھی، کسی نے اس طرح تجھ کو سوتے
 نہ دیکھا تھا۔

عبرت کا مقام

میں اس دورہ سے شکستہ خاطر اور ملول و غمگین ہونا، اللہ کی عظمت اور اس کی ابدیت پر
 ایمان مزید مستحکم ہو گیا، اور انسان کی کمزوری اس کی کوتاہ نظری اور مظاہر سے فریب خوردگی پر
 یقین تازہ اور بختہ ہو گیا۔ بڑے بڑے دارالسلطنتوں سے اعتماد اٹھ گیا، جو آج آبادی کی کثرت
 لے ترجمہ ماخوذ از "شعرا بم"

عمارتوں کے استحکام اور بنیادوں کی مضبوطی پر ناز کرتے ہیں، اور جن پر ان کے سربراہوں، مہاک
 بسنے والوں اور ان سے متاثر و مرعوب ہونے والوں کو بڑا اعتماد ہے، اسی طرح بڑی آن بان
 کروفر، شان و شوکت، لاؤ لشکر، علم و فن، اثر و اقتدار مضبوط قلعوں، محفوظ برجیوں، عالی شان
 عمارتوں اور بڑے بڑے کارخانوں والے طاقتور اور وسیع و عریض ممالک پر سے بھی عقیدہ اٹھ گیا
 میں نے سوچا کہ بغداد، غزنی، قرطبہ، غرناطہ، سمرقند اور بخارا کی تباہی و بربادی کے بعد ان موجودہ
 دارالسلطنتوں، شہروں، تہذیب و ثقافت کے مرکروں اور ان حکومتوں کی کیا ضمانت
 دی جاسکتی ہے، بادشاہوں کے جاہ و حشم کے اس انجام کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سب
 بچوں کا کھیل اور ایسٹج کی نقالی ہے۔

سروزی زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکمران ہے بس وہی باقی بتان آذری

اللہ نے سچ کہا ہے وَتِلْكَ آيَاتُ الْمُنَادِ وَلَهَا يُنَادِ النَّاسُ

میں قیمت کثیر معلومات، مشاہدات اور گونا گوں تاثرات و احساسات لئے ہم
 واپس آگئے، گیسٹ ہاؤس میں دوپہر کا کھانا کھایا، تھوڑی دیر آرام کیا، اور ظہر کی نماز ادا کی،
 موجودہ شہر کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اب یہ صرف
 دس ہزار سے پندرہ ہزار کی آبادی پر مشتمل ایک قصبہ رہ گیا ہے، کہاں یہ چھوٹا سا قصبہ اور کہاں
 وہ عظیم الشان شہر؟ رہے نام اللہ کا، رات اور دن کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور گردش
 روزگار اسی کا تابع فرمان!

ملک محمد ظاہر شاہ اور سردار داؤد خاں

امید قوی تھی کہ وفد کو شاہ سے بھی ملاقات کا موقع دیا جائے گا، رابطہ عالم اسلامی کے

و فود نے جن ممالک کے دورے کئے وہاں کے بادشاہوں یا سربراہان مملکت سے ملاقاتیں کیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ تشریفات کے ذمہ داروں نے اسے پسند نہیں کیا، ہم نے سنا کہ شاہ کو بالکل اخیر میں وفد کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا کہ پہلے سے کیوں نہیں بتلایا گیا جب وقت میں گنجائش تھی؟ شاہ قوم سے بالکل الگ تھلگ اپنے محل میں زندگی گزارتے ہیں، باہر بہت کم نکلتے ہیں، دوسرے ممالک کے بعض مسلمان بادشاہوں کی طرح ان کی زندگی قومی اور عوامی بالکل نہیں، سعودی سفیر شیخ محمد جمیل نے بتلایا کہ انھوں نے شاہ کو صرف ایک بار دیکھا ہے جبکہ انھوں نے اپنے اسناد سفارت پیش کئے تھے۔

میں نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ مغربی تہذیب کے خول اور اس کی ظاہری چمک مک کی طرف ملک کے بے تحاشا بھاگنے، افغانی عودت کے بے پردہ ہونے اور ملک کے پورے طور سے کمیونسٹ بلاک میں شامل ہونے کے پس پردہ کس کا ذہن کار فرما ہے؟ تو ان لوگوں نے شاہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی سردار محمد داؤد خاں کا نام لیا، ہم بچان گئے تو لوگوں نے ان کے محل کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ یہاں ایک مذہبی مدرسہ تھا، داؤد خاں نے دوسری جگہ منتقل کر دیا، اور خود وہ جگہ اپنے محل کے لئے منتخب کر لی، میں نے محسوس کیا کہ مذہبی رجحان رکھنے والے اور دین پسند لوگ ان کے رجحانات اور سرگرمیوں کو پسند نہیں کرتے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تحریک پختونستان کے اصل روت رواں اور سب سے زیادہ سرگرم و پرجوش دہلی یہی ہیں۔

لے کابل سے گئے ہوئے صرف پانچ مہینے ہوئے تھے، اور ہم لوگ کم میں تھے کہ اچانک کابل میں انقلاب کی خبر ملی، شاہ سرکاری دورہ پر آئی گئے ہوئے تھے، ان کی عدم موجودگی میں فوج نے ان کو برکت کر دیا، معلوم ہوا کہ اس انقلاب کے بانی مہمانی سردار محمد داؤد خاں تھے، اور وہی سب سے پہلے صدر جمہوریہ منتخب کئے گئے۔

مسلم ممالک کی ذمہ داری

کیونکہ ہم یا لادینیت کی گود میں پناہ لینے، مغربی تہذیب اور اس کے مظاہر پر ٹوٹ پڑنے اور مغربی قوموں کی ہمرکابی اختیار کرنے کی ذمہ داری صرف افغانستان ہی پر نہیں، بلکہ افغانستان کے ساتھ ہی پورا عالم اسلامی اس سے بری نہیں ہو سکتا، سب جانتے ہیں کہ افغانستان کے ذرائع آمدنی محدود ہیں، یہ شہر و سرائیں، معدنی دولت یا تیل سونے والا کوئی سرمایہ دار ملک نہیں، اس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں جس کی وجہ سے درآمد برآمد کی آزادی سے بھی محروم ہے، ملک کی معاشیات کی بنیاد خشک میوہ جات، بھیر کے اون اور اس کی کھالوں کی برآمد ہونے والی محدود آمدنی پر ہے، اور فطری طور سے وہ اپنی مالی دشواریوں پر قابو پانے اور ترقیاتی، تعلیمی اور دفاعی منصوبوں کے لئے ایسے ترقی یافتہ اور دولت مند ممالک سے امداد طلب کرنے پر مجبور تھا، جن کے پاس دولت کی فراوانی اور برآمدی مصنوعات کا وافر ذخیرہ ہے۔ اگر اٹلر نے بڑے اور دولت مند اسلامی ممالک کو توفیق دی ہوتی کہ وہ افغانستان کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے اور اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے مدد دیتے تو اسے بڑی طاقتوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی بلکہ اپنے اسلامی کردار کی حفاظت کرتا اسے مزید فروغ دیتا، پورے عالم اسلامی کو مدد دیتا، اس کی قوت و طاقت اور عزت و سر بلندی کا سرشتہ ثابت ہوتا، اور اسلامی غیرت اور دینی جوش و جذبہ سے مالا مال یہ قدیم مسلم قوم فکری و تہذیبی حلوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہ جاتی۔

لیکن افسوس ہے کہ دولت مند مسلم ممالک ترقی پذیر ممالک کی امداد و تعاون سے اب تک غافل ہیں، سویت روس اور سرخ چین صومالیہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے

سامنے آگئے، افغانستان کے منصوبوں کی تکمیل اور ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے گراں قدر امداد کی پیشکش کی، لازمی بات تھی کہ فکری، ثقافتی اور سیاسی تمام میدانوں میں اس امداد و تعاون کا موافق رد عمل سامنے آنا، چنانچہ افغانستان زندگی کے تمام شعبوں میں انہی ممالک کے تعاون سے فائدہ اٹھانے لگا۔

افغانستان علی اور ثقافتی اعتبار سے عالم اسلام سے بالکل الگ تھلک رہا، معروف سیاسی اسباب کی بنا پر ہمسایہ مسلم ملک پاکستان سے اس کے تعلقات کشیدہ رہے، راستہ میں پاکستان کے حائل ہونے کی وجہ سے ایک بڑے تہذیبی مرکز ہندوستان سے الگ رہا، مجبوراً اسے قدیم علمی و رشتہ پر قناعت کرنا پڑا، جدید علمی و دینی سرگرمیوں اور پیش رفت سے اس کا مضبوط اور براہ راست تعلق قائم نہیں ہو سکا، اور اگر ضرور اس کا جامع ازہر نہ ہوتا (جہاں آج بھی افغانی نوجوان جاتے ہیں، اور فیض حاصل کرتے ہیں، اور مصر میں قیام کے دوران ادب اسلامی اور فکر اسلامی کے جدید افکار و رجحانات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں) تو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی تحریکوں سے افغانستان کا تعلق بالکل ہی منقطع ہو جاتا اور وہ آہنی دیوار کے پیچھے بہت ہی تنگ اور محدود دائرہ میں زندگی گزار رہا ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت جو بھی نچتہ فکر و خیال کے نوجوان نظر آتے ہیں، وہ ازہر ہی کے تعلیم یافتہ ہیں، اور مصر میں ایک عرصہ تک قیام کر چکے ہیں۔

لہذا خبر لوگوں سے معلوم ہوا کہ افغانستان نے اول اول امریکا سے امداد کی درخواست کی تھی، لیکن اس نے حد سے زیادہ پس ماندگی کا غدار کر کے امداد سے انکار کر دیا، روس اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اور امداد کیلئے پہنچ گیا، اسی طرح امریکہ نے اور بھی مشرقی ممالک کو روسی ہلاک میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

سعودی سفارت خانہ کی طرف سے اعزازی دعوت

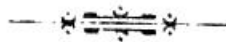
افغانستان میں سعودی عرب کے سفیر شیخ محمد الشبلی نے ہٹل کابل میں — جہاں ہم مقیم تھے — وفد کے اعزاز میں انوار ۹ رچون کی رات کو ایک پرنکلف عشائیہ دیا مقصد یہ تھا کہ شہر کے معزز و ممتاز افراد سے ملاقات و تعارف ہو سکے، اس میں کابل میں مقیم عرب ممالک کے تقریباً تمام سفراء، افغانی کاہنہ میں شامل چند وزراء کابل کے گورنر شاہی خاندان کے بعض افراد، کابل یونیورسٹی کے پروفیسر، دیگر علماء و مشائخ، سفارت خانوں سے متعلق بعض عرب عیسائی فضلا اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات مدعو کئے گئے تھے، محترم سفیر نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں مہمانوں کا استقبال کروں، ان سے خطاب کروں اور موقع کی مناسبت سے وفد کے احساسات اور اس کے پیغام کی وضاحت کروں، حسب توفیق الہی اپنی باتیں پیش کیں اور رسمی شکریہ ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس قیمتی اور ہر صاحب دعوت انسان کے لئے یادگار موقع سے فائدہ اٹھایا، اس گفتگو میں شکر و سپاس اور جذبات و احساسات کے اظہار کے ساتھ بعض اس سے زیادہ اہم نتیجہ خیز اور مفید باتیں بھی شامل تھیں، اپنی یادداشت پر اعتماد کر کے بعد میں یہ تقریر لکھوا دی اور چند صفحات کے بعد قارئین کی نظر سے گزرے گی۔

سیرے بعد استاذ احمد محمد جمال کھڑے ہوئے اور مختصر مگر جامع اور مبلغ تقریر کی، افغانی قوم اور حکومت کی جانب سے وفد کے استقبال، مہمان نوازی اور پر خلوص توجہ کا شکریہ ادا کیا، اسی طرح دعوت قبول کرنے والے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، رابطہ عالم اسلامی کے اعراض و مقاصد واضح کئے، اتحاد اسلامی کے لئے شاہ فیصل کی مراعی جہیلہ کا تذکرہ کیا، اور تبلیغ اسلام اور شہادت حق کے لئے علماء کی ذمہ داریاں

بیان کریں۔

پھر لوگ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر مشکور و مسرور اپنے گھروں کو لوٹ گئے،
یہ کابل میں آخری ملاقات تھی، اگلی صبح ۱۱ جون ۱۳۷۷ء کو ایران کی طرف سفر
کرنا تھا۔

یہاں کابل کی دو تقریریں شامل اشاعت کی جا رہی ہیں، جن کی طرف اشارہ
کیا جا چکا ہے، اور اب اگلی ملاقات تہران میں ہوگی۔



افغانی قوم کے انقلاب

اور

ان کی قوت کا سرچشمہ

(یہ تقریر کابل یونیورسٹی کے ہال میں اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور

سعودی سفیر کی موجودگی میں کی گئی، ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا)

حمد و صلوة کے بعد:-

محترم سفیر صاحب سعودی عرب، داس چانسلر سربراہان شعبہ جٹا

اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ!

اس وقت میرا دل مسرت کے جذبات سے ابریز رہا ہے کہ ان روشن اور تابناک
چہروں اور عزیز و محترم حضرات کے سامنے کھڑے ہونے کا زریں موقع نصیب ہوا،
عرصہ سے میرے دل میں یہ تمنا کر ڈھیں رہی تھی کہ اس عزیز و محبوب ملک کو قریب سے
دیکھنے کی سعادت حاصل کروں جس کے باسے میں، میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا، بہت کچھ
پڑھ چکا تھا، اور میں کہہ سکتا ہوں — جیسا کہ بعض مواقع پر کہا بھی — کہ اس کی تاریخ
میں، اس کے غزوات اور اس کی فتوحات کی داستانوں میں، میں نے زندگی گزاری ہے،

اس کی جینیس اور عقبی شخصیتوں، فتح و ظفر سے بہرہ مند سوراؤں اور غیر معمولی افراد کے حالات و تراجم میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیلئے جنہوں نے علم اور اسلام کے نور سے ان سرفیلک پہاڑوں کے اس پار ہندوستان اور اس کے پڑوسی ملکوں کو منور کیا، اس لئے سعادت و مسرت کا احساس نہ غیر فطری ہے نہ اس میں کوئی تعجب کی بات ہے، یہ ایک مسلمان کے دلی جذبات ہیں، جو ان پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کے وقت اہل رہے ہیں، مچل رہے ہیں، دو گونہ مسرت اس پر ہے کہ آپ حضرات نے اس مجلس میں شرکت اور خطاب کا موقع عنایت فرمایا، میں اپنے دورۂ افغانستان، اس ملاقات اور اس مجلس میں شرکت کا موقع دینے پر صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکر گزار ہوں۔

محترم حاضرین! آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے جو سیکڑوں اور ہزاروں سال سے آزادی اور عزت و سربلندی کی زندگی گزار رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانہ ہی سے اسے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، دوستو! میرا ذوق تاریخی رہا ہے اور میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ ہی کے مطالعہ و تحقیق میں میری عمر گزری ہے، یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے، میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہو کر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھلک رہی، دنیا میں گزرنے والے خیر و شر، نیک و بد، فتح و شکست اور ظلم و ستم سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، اس جسور و غیور قیادت کی مستحق، زندگی سے بھرپور،

دست و بازو کی طاقت اور جذبہ کی فراوانی سے بہرہ ور باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک دنیا سے کنارہ کش رہنے، اپنے خول میں بند رہنے اور ایک گوشہ میں محدود رہنے کا راز کیا ہے؟ کیا اس عزلت اور گوشہ نشینی کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان او دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان بلند اور دشوار گزار پہاڑوں کی ناقابل عبور دیوار حائل تھی؟ نہیں میرے دوستو! تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گزار پہاڑ کبھی بھی غازیوں اور اولو العزم فاتحین کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکے، آپ حضرات واقف ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور پیچ در پیچ راستے جن میں انسان کی عقل جواب دے جاتی ہے، جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں، جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صاحب عزم و ہمت پیدا کئے تو یہ اونچی اونچی چوٹیاں خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیر تنکے ثابت ہوئے۔

پھر کیا یہ قوم قید و بند کی زندگی گزار رہی تھی، اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں، بارہا یہ قوم اپنی شجاعت کے جوہر دکھائی تھے، اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی، لیکن اس کے باوجود سرسبز و شاداب چراگاہوں، ہوشیوں اور زرخیز کھیتوں جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟ اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہو گئی، اور اتنی لمبی چھلانگ لگائی جس کی دوسری قوموں میں مثال نہیں ملتی، اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ لوگ سب سے

زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ بلند ہمت، دور میں، اور فو لاوی
عزائم کے مالک نظر آنے لگے، یہ قوم بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا، جیسے
کوئی مدفون خزانہ یا کوئی سرسبزہ راز تھا، جو اچانک منکشف ہو گیا، کیا ان کے جسموں سے
بجلی کا کرنٹ چھو گیا تھا، یا کوئی جادو کی چھڑی تھی جس نے آن کی آن میں اس قناعت
شعرا، ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزت گزین قوم کو غیور و جسور، ظفر مند اور رواں دواں
قوم میں بدل دیا، کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی،
جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اس کی شاہ کلید یہ ہے کہ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا۔
۱۔ طاقتور پیغام اور اس کے اغراض و مقاصد۔

۲۔ نوع انسان، خارجی دنیا اور حقائق اشار کے بارہ میں وسیع نقطہ نظر۔

۳۔ اللہ کی مدد و تائید پر کامل اعتماد اور جدوجہد کے نتائج پر یقین۔

یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے، اس کو
نئی زندگی ملتی ہے، اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے، اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم پستوں
سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا، ایک
چھوٹے سے علاقہ تک محدود تھی، اپنے جانوروں اور مویشیوں میں گمن رہتی تھی،
اکثر آپس ہی میں برسرِ پیکار رہتی تھی، اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے
کہا ہے ۵

واحیانا علی بکراخینا

اذا مالہم بمجد الا انا

(اور جب جنگجو فطرت کو جو ہر دکھانے کے لئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم

اپنے بھائی بندوں ہی کو تاکتے ہیں)

اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخلاقی اور روحانی بے لگائی کی شکل میں ظاہر

ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے

قبیلہ کو تاخت و تاراج کرتا، ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی، اور ایک خاندان،

دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا، اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام

فطرت کی تسکین، اپنی جنگ کی پیاس بجھانے، اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے

خانہ جنگیوں، چراگا ہوں اور جانوروں کے لئے لڑائیوں، قبائلی یا انفرادی غیرت و نخوت

کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے لئے برسرِ پیکار ہونے کے علاوہ اور

کوئی میدان نہیں ملتا تھا، ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

انذارنا کل نفسہا

ان لم نجد ماتا کلہ

(آگ کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا ڈالتی ہے)

لیکن جب اسلام آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کے لئے

ایک طاقتور پیغام آگیا، یہی حال افغانیوں کا ہوا، اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے لئے

زندگی گزار رہے تھے، اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دلی میں اترا ہوا تھا

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم بہترین امت ہو، انسانوں کیلئے خاص طور پر

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَذٰلِكَ هُوَ الْحُكْمُ ذِي الْحَرَمِ
 الْمُنْكَرِ وَذٰلِكَ هُوَ الْاِيْمَانُ

(ال عمران - ۱۱۰) رکھتے ہو۔

اور ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات جاگزیں ہو گئی کہ وہ باغوں اور کھیتوں میں
 آپ سے آپ اُگ جانے والے خود رو گھاس پھوس نہیں ہیں، بلکہ بجائے خود مقصود و
 مطلوب ہیں، ان کے ساتھ بلند مقاصد ہیں، ان کی ذمہ داریاں ہیں جد و جہد اور کارکردگی
 کے نشانے متعین ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں، جو انسانوں کے
 لئے خاص طور سے بنائی گئی ہے، جو لوٹ مار اور خونخواری کے جذبہ کو تسکین دینے کے لئے آپسے
 آپ نہیں پیدا ہوئی ہے، تو ان کی زندگی، ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست انقلاب
 آگیا، اب وہ اپنا مقصد وجود اور اپنی زندگی کی غرض و غایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ و
 فرادسے پاک کرنے کے لئے جد و جہد کریں، اور اس راہ میں قربانیاں دیں، یہاں تک کہ
 عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے، اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر
 اجلے میں لائیں، بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور خدائے واحد کے آستانہ عالی پر
 پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت سے روشناس کرائیں، اور
 دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کر کے اسلامی عدل و مساوات کے زیر سایہ
 لائیں۔

حضرات! اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا، اسلام آیا تو ایک بلند پیغام
 اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آگیا، اس نے اسلام کے ابدی پیغام کو اپنے سینے
 سے لگایا۔ اور اسی نے ان میں نئی روح پھونک دی، وہ بدترین جہالت اور گھنگھو

تاریکی میں زندگی گزار رہی تھی، خرافات اور حماقتوں میں بھٹک رہی تھی، ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا، طاقتور کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا، حقوق پامال ہو رہے تھے، عزتیں لٹ رہی تھیں، اور ہر طرح کے جذبات و خواہشات پوری کی جا رہی تھیں کہ اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی، ان کے افکار و خیالات، احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے، نئے انسان تھے، ان کی زمین وہی تھی، آب ہوا وہی تھی، دست و بازو وہی تھے، لیکن اس جدید پیغام نے انھیں جدید امت بنا دیا۔

دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گزار رہے تھے، کائنات اور انسان کے بارے میں ان کا نقطہ نظر بہت محدود تھا، انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں، جو اس علاقہ میں رہتے سہتے ہیں، یہاں کی زبان بولتے ہیں، اس ملک کا لباس پہنتے ہیں، اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں، اسی تنگ نقطہ نظر نے انھیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا، پنا، عیش و آرام، قوت و شوکت، حکومت و ریاست، وہ اسی طرح زندگی گزارتے تھے، جیسے پھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جلیے ہیں، اسلام سے پہلے عرب، ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا، اسلام ہی نے ان سب کو اس تنگ و تاریک قید خانہ سے نکالا جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا:-
 لنخرج من شاء الله من ضيق الدنيا
 من كواثر توفيق دے اے ہم دنیا کی تنگی سے
 نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت میں پہنچا دیں۔
 الى سعة الدنيا والاخرة۔

حضرات! آپ کے آباؤ اجداد انسان کے بارے میں بہت تنگ نقطہ نظر رکھتے تھے اس میں اعلیٰ ظرفی نہیں تھی، بلند نگاہی نہیں تھی، اس میں گہرائی نہیں تھی، اسلام نے ان کو

وسیع نقطہ نظر عطا کیا، تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہو گئی، اور رسول اللہ کا یہ فرمان ان کا عقیدہ بن گیا۔

کَلِمَہِ مِنْ اَدَمَ وَاَدَمَ مِنْ تَرَابٍ تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم
لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ مٹی سے بنے ہیں، نہ تو کسی عربی کو کسبہ عجمی پر
عَلٰی عَرَبِيٍّ وَلَا بِالْتَقْوٰی۔ فضیلت ہے نہ عجمی کو کسی عربی پر مگر تقویٰ کے
اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے،
نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو۔ مسلمان ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آگئے،
اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح صدیوں تاریکیوں میں
بھٹکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط و مستحکم اعتماد، جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اس کے
رسول اود آخرت پر ایمان لے آئے، قضا و قدر پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا
ایک وقت مقرر ہے، اس سے نہ ایک لمحہ پہلے آسکتی ہے، نہ مؤخر ہو سکتی ہے، اور انھوں نے
اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسایا کہ:-

اَيُّمَّا تَكُوْنُوْنَ اَيُّدِيْكُمْ اَلْمَوْتُ تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت
وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ آدباوے گی اگرچہ تم قلعی چونے کے قلعوں
ہی میں ہو۔ (النساء- ۷۸)

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں

وَلَا يَسْتَقْدِرُ مَوْتٌ ۝ (یونس - ۴۹) اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آسکتی ہے، جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے، تو انھوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے، اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت و اختیار میں ہے۔

پھر انھوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی فوج کی ہے، اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین و مددگار ہیں، انھوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:-

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝
(الصَّفَّت - ۱۴۲ - ۱۴۳)

بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور

(ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر

غالب رہتا ہے۔

الْآيَاتُ جَزَبَ إِلَهُهُمْ فَأَعْلَفُون ۝

(المجادلہ - ۲۲)

ہے۔

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی

زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس

میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ مہملے

کہتے تھے) کھڑے ہوں گے۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهُادُ ۝

(المومن - ۵۱)

(بلکہ اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی

(بہمہم تعلق مع اللہ کے) اور ممانوں کی (بواسطہ تعلق

مع اللہ والرسول کے)

وَجِلَّةِ الْعِزَّةِ وَلِرُسُلِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

(الانفاقون - ۸)

اور ان میں نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نوجوانوں اور دوستوں کو اور اپنی تاریخ پر نظر ڈالو! سلطان محمود غزنوی کی طرح وسیع و عریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا، تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اندرون ملک گھستا چلا گیا، یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا، حالانکہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ ملک کا امکان، اس کا مرکز بہت دور تھا، درمیاں سر بفلک پہاڑ، دشوار گزار راستے اور تنگ گھاٹیاں حائل تھیں، وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہر اور مضبوط کھلاڑی میچ یا کھیل کے میدان کو دیتا ہے، وہ الشہر پر کامل اعتماد رکھتا تھا، پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے، اور اس راہ میں موت شہادت، اور شہداء مرنے نہیں بلکہ انھیں حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے، اور ان کے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی رہتی ہے، وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ الشہر کے پیغام کا حامل اور امین ہے، اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات! جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے، وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں، شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم و تربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے، لیکن میں اس وقت قوموں کے کردار سے متعلق گفتگو کر رہا ہوں، انھیں عناصر نے افغانی قوم کو بلند بالا حیثیت دی جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، جسے شکست نہیں دی جاسکتی، اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوموں سے خالی ہو جاتی ہیں، تو انجام شکست و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر

افغانی قوم اپنی ان طاقتور اور قائدانہ خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدا نخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے نا آشنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی۔

میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصر کی جوت جگا دو اور ان کو پروان چڑھاؤ ان کی حفاظت کرو، ضائع نہ ہونے دو، کیوں کہ قدیم ترین زمانہ سے قوم وہی ہے، پہاڑیاں اور گھاٹیاں وہی ہیں آسمان وہی، دریاے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہہ رہا ہے، یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے، وہ بھی وہی ہے، خوش ذات لکھل، لذیذ میوہ جات، شیریں پانی یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں، لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے، پیغام مقصد زندگی، خود اعتمادی اور کارگزاری کے نشانہ کا ہے تاکہ زندگی کا مقصد متعین ہو سلا جیتوں کے طور کے لئے میدان میسر آ سکے، حسن و خوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے، علامہ قبائل نے اس حقیقت کو پایا تھا، اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے بسی، جمود، مصیبت اور بد حالی کی شکایت کی تھی، تو جواب ملا کہ یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گزار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی "اسوہ" کوئی نمونہ اکمل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن و خوبی کے گیت گائیں جس کے نقش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں۔

شبے پیش خدا بگر لیستم زار مسلماناں چرازارند و خوارند

ندا آمد نمی دانی کہ این قوم رلے دارند و محبوبے ندارند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا، تمہارے لئے کسی چیز کی

کمی نہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخَيِّرُكُمْ بَيْنَ قَوْمٍ حَتَّىٰ

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ

يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد - ۱۱) وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔
 اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے سوائے اس کے کہ
 قوم ناشکری کی مرتکب ہو۔

الْمَرَّةِ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قُلُوبَهُمْ ذُرَارًا بِبُورٍ
 تُوْنَةُ دَكِيحًا؛ جنھوں نے بد لایا اللہ کے
 احسان کا، ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی
 کے کھر میں۔ (ابراہیم - ۲۸)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خود شناسی
 کا ہے، اپنی قدر و قیمت پہچاننے کا ہے، آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے۔
 علامہ اقبال کہتے ہیں ۵

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
 تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن



قوموں کی زندگی شخصیت اور

www.KitaboSunnat.com

پیغام کی زمین منت ہے

(یہ وہ تقریر ہے جو سعودی سفارتخانہ کے استقبالیہ جلسہ منعقدہ ہونے پر)

۹ جون ۱۹۷۳ء کی شب میں کی گئی)

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله۔

معزز حضرات! آج کے اس اجتماع اور اس قیمتی موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، سب سے پہلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے اور اس عزیز و محبوب ملک کا دورہ کرنے والے رابطہ کے وفد کی جانب سے اس پاکیزہ بہترین اور منتخب ترین مجمع کو خوش آمدید کہتا ہوں اور یہاں کی حکومت اور عوام کا شکریہ ادا ہوں کہ انھوں نے ہمارا پر خلوص اور شاندار استقبال کیا، اور ہمارے ساتھ اعزاز و اکرام اور خوش اخلاقی سے پیش آئے، اور اس میں کوئی ندرت یا حیرت و استعجاب کی بات بھی نہیں کیوں کہ شرافت اور حسن اخلاق ان کا پرانا جوہر ہے، اور عربوں کا بہت پرانا مقولہ ہے، "الشئ من معدن لا يستدرب" (کوئی چیز اپنے نفع و مخرج میں تعجب و غیر

نہیں سمجھی جاتی) اور یہ پاکیزہ روح اپنے وسیع و عمیق مفہوم کے ساتھ اس قوم کے قابل فخر کارناموں، اس کی سرفروشی و جانبازی اور اس کی سلطنت و حکومت ہر چیز میں جلوہ گر رہی ہے، اور اسی نے ان کو اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلنے، سر بفلک پہاڑوں کا سینہ چیرنے پر آمادہ کیا، اور اسلام کی مشعل اور تہذیب و ثقافت اور حسن انتظام کی صلاحیتیں لئے ہندوستان تک پہنچی، میں نے اس قوم کی تاریخ میں اس کی عظمت کی داستانوں میں طویل مدت گزاری ہے، افغانستان کے پڑوسی ملک ہندوستان کا شہری ہونے کی وجہ سے ممکن تھا کہ اس سے بہت پہلے میں اس ملک کا دور کرتا، لیکن مشیت ایزدی نے اسے تاحال موقوف و مؤخر رکھا شاید اس میں خدا کی کوئی حکمت و مصلحت پوشید ہو۔ محترم حاضرین! زمانہ قدیم میں عرب اس ملک کو بہت دور دراز کا ملک سمجھتے تھے، اسے مسافت کی دوری اور راستوں کی دشوار گزاری کے لئے بطور مثال پیش کرتے تھے، اور اس سارے علاقہ کو خراسان کہتے تھے، ایک عرب شاعر کہتا ہے ۵

قلوا خراسان اقصى ما يرا دينا

ثم القفول فقد جئنا خراسانا

(لوگوں نے کہا خراسان ہماری آخری منزل ہے، پھر اس کے بعد واپسی ہوگی،

تو یہ لو، ہم خراسان پہنچ گئے)

لیجئے ہم لوگ بھی خراسان پہنچ گئے، افغانستان میں داخل ہو گئے، اس کی سرسبز و شاداب سرزمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے خدا نے فطری حسن، صحت و افسرہ آب و ہوا، اور دوسری بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے ۵

ولما نزلنا منزلا طله الندى أينقا وبستانا من النور حاليما
اجد لنا طيب المكان وحسنه منى فتمنينا فكننت الأمانيا
یعنی ہم جب بھی کسی شاداب اور خوب صورت جگہ پہنچے جسے شبنم نے تر کر رکھا ہو
اور کلیوں نے آراستہ کر رکھا ہو، اور اس مقام کی دلکشی و رعنائی نے ہماری خوابیدہ تمنائیں
بیدار کر دیں۔ تو حاصل تمنائیں ہی نکلتے۔

اس ملک میں داخل ہوتے وقت ہمارا بھی یہی حال تھا، ہم بھی اسی کیفیت سے
دوچار تھے، بات سے بات نکلتی ہی ہے، اور ایک چیز سے دوسری چیزیں یاد آتی جاتی
ہیں، چنانچہ اس خطہٴ ارض اور خدا کے عطا کردہ اس کے حسن و جمال نے اس ذات والا صفات
کی یاد تازہ کر دی، نئی زندگی جن کی رہیں منت ہے، وہ ذات جس نے ہماری زندگی کی
کایا پلٹ دی، پرانی دنیا سے نئی دنیا میں پہنچا دیا، اور ہماری زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔
یاد رکھئے! وہ ذات گرامی ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی، آپ سے
پہلے ہمارے جسم تھے، روح نہیں تھی محض نام ہی نام تھا، مگر اس نام کا کوئی مصداق نہیں تھا
صرف صورت تھی، حقیقت نہیں تھی، اور قومیں تھیں، لیکن ان کی زندگی کا کوئی مقصد
اور ان کے پاس نوع انسانی کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا، اس محبوب و محترم ذات نے
ان قوموں اور امتوں کو جدید تشخص و امتیازات سے متصف کیا اور نیا پیغام عطا کیا،
وہ مضبوط و محبوب اسلامی تشخص جو طاقت و قوت جو انہر دی اور حسن اخلاق کے عناصر اور
تمام انسانی صفات و کمالات کا جامع ہے، اور پیغام کی بہترین تعبیر و تشریح، عرب
مسلمانوں کے ایک قاصد نے شہنشاہ ایران یزدگرد کے دربار میں کی شہنشاہ نے
قاصد سے سوال کیا تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا۔

”اللہ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مرضی کے مطابق انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدا کے وحدہ لا شریک لہ کے دربار میں سجدہ ریز کر دیں اور دوسرے ادیان و ملل کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل و انصاف کی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیں۔“

محترم سفرار اور معزز وزراء!

آپ جن اقوام و ممالک کی نمائندگی کر رہے ہیں، آپ کو ان کا حقیقی اور دیانتدار نمائندہ سمجھنا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اس سے بھی بہتر اور بلند تر ثابت ہوں ساتھ ہی یہ بھی سمجھنا ہوں کہ آپ کی ذمہ داریوں اور آپ کے فرائض کا تقاضا ہے کہ آپ ضابطہ کے کام اور متعین دھڑے کی کارروائی (ROUTINE) تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔

مشرق آپ سے کارکردگی کے اس سے وسیع میدان اور اس سے زیادہ اہم کام کا مطالبہ کر رہا ہے، آج مشرق کو کتاب زندگی کے حاشیہ پر اور قافلہ حیات میں سب سے پیچھے جگہ ملی ہے، مغرب احکام صادر کرتا ہے اور یہ اطاعت گزار ہے، وہ کہتا ہے اور یہ سننے پر مجبور، وہ قیادت کرتا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلتا ہے، وہ استاذ ہے، اور یہ شاگرد، اس لئے کہ مشرق مغرب کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر زندگی گزار رہا ہے، اس کے پاس نہ کوئی شخصیت ہے نہ پیغام، اور قومیں اور تہذیبیں شخصیتوں اور پیغاموں ہی سے زندہ رہتی ہیں، لہذا مشرق کے لئے شخصیت اور پیغام تلاش کرنا ضروری ہے، ایسی شخصیت جس میں قوت ہو اعتماد ہو جس کے اندر ثبات و استقامت کا جوہر ہو، جس میں جدت طرازی اور ندرت آفرینی کی

صلاحیت ہو، جس میں خود اعتمادی و خود شناسی ہو، اسی طرح ایسا پیغام جس میں اخلاص، پاکیزگی، لطف و رحمت، عدل و مساوات اور امن پسندی اور انوخت ہو، آپ کو دور کی کوڑی لانے اور بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں پیغام آپ کے سامنے ہے، وہ اسلام کا پیغام ہے، جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے، اور جس کا حامل بنایا ہے، ہمیں کسی نئے دین کی ضرورت نہیں بلکہ اس دین پر نئے ایمان کی ضرورت ہے، ہمیں کوئی نیا پیغام درکار نہیں بلکہ اسی پیغام کے لئے جوش اور ولولہ کی ضرورت ہے، اسلامی تشخص کو قوت پہچانے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے تاکہ گردش ایام پیچھے ملٹ جائے، اور پرانی تاریخ پھر دہرائی جائے۔



ذوق جمال اور رعنائی خیال گی

سسرزمین (ایران) میں

ترجمہ

نذرا حفیظ ندوی

ایران کی سیر کی دیرینہ آرزو

میری دیرینہ آرزو تھی کہ علم و دانش کے گہوارہ، اور عربی زبان و ادب کے باکمال مصنفین کے مرزبوم، ذوق لطیف، فکر جمیل، اور حسن طبیعت کی نمائندہ سرزمین ایران کی زیارت کروں، جس کو بجا طور سے مشرق کے یونان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اسی آرزو اور خواب میں زندگی گذرتی رہی، اور ایران کے بہار بے خزاں کے تصور میں کھویا رہا، جہاں زندگی زندہ دلی کا نام تھا، جہاں کی فضا مترنم جہاں کی ہر صدا موزوں معلوم ہوتی تھی، جس نے بے چین و بے قرار لیکن سدا بہار فطرت پائی تھی، جس کا اظہار انوکھے خیالات، جدت پسند مذاہب اور فلسفوں میں ہوتا رہا، اور جہاں وہ تصوف بھی خوب پھلا پھولا جو معرفت و محبت سے مخمور اور نئے نئے واردات و تجربات سے معمور تھا۔

لیکن یہ امید اخیر زمانہ میں برائی، جبکہ قافلہ عمر سفر کی بہت سی منزلیں طے کر چکا تھا، اور حسین و جمیل افکار و خیالات سے لطف اندوزی پر حقیقت کی تلاش غالب آپکلی تھی، اور شاید یہ اچھا ہی ہوا۔

سفر کی تقریب

رابطہ عالم اسلامی نے عالم اسلام کے مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کا جائزہ لینے کا ایک جامع پروگرام بنایا تھا، اسی پروگرام سے افغانستان و ایران کو دیکھنے کی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہو سکی، رابطہ عالم اسلامی کے وفد نے ایران کی علمی و ادبی شخصیات، انجمنوں، علمی اداروں اور تاریخی آثار دیکھنے، اور ایران کے سفر کو کارآمد اور زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں ہر ممکن کوشش کی۔

ایرانی وزارت اوقاف کے صدر اور نائب وزیر اعظم ڈاکٹر منوچہر ازمون نے پوری گرم جوشی سے رابطہ کے وفد کی پذیرائی کی، اور اس کے دورہ ایران کی پوری ذمہ داری وزارت اوقاف کے سپرد کر دی، رابطہ کا وفد ڈاکٹر ازمون کی عنایت و توجہ، اور ان کے جذبہ کی قدر کرتا ہے، اور ایران کی روایتی فیاضی و مہمان نوازی کا اعتراف اپنا فرض سمجھتا ہے۔

قیام ایران کی مدت

ہمارے وفد کو آٹھ دن کے اندر ایران کے تاریخی آثار دیکھنا، اسلامی تحریکوں، اؤ ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا تھا، لیکن جس کی گھٹی میں فارسی زبان و ادب کا ذوق پڑا تھا، ڈاکٹر ازمون سے عرض کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ایران آنا اور شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کا شہر شیراز نہ دیکھنا بڑی محرومی و بد مذاقی ہے، اس لئے کہ شیخ سعدی اور خواجہ حافظ اور ان کی لہ وفد کی رہنمائی و رفاقت کے لئے وزارت اوقاف تہران کے سکریٹری ڈاکٹر ابوالقاسم شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا، جو ایک تعلیم یافتہ مستعد آدمی ہیں، انگریزی و فارسی سے بولتے ہیں، عربی سے بھی خاصہ واقف ہیں۔

لافانی کتابوں سے ہندوستان کے شرفاء کے گھرانے نصف صدی پہلے تک واقف اور دونوں کے ساحرائہ کلام سے آشنا ہو کر تھے، ڈاکٹر ازمون نے ہماری یہ درخواست بڑی خندہ پیشانی سے قبول کر لی، اور ازراہ کرم شعر و ادب کے شہر شیراز کے ساتھ ہی شاہان صفویہ کے دارالحکومت اور ایرانی فن کاری، اور تاریخی آثار سے معمور اصفہان کو بھی اس میں شامل کر دیا، اس طرح ایران کا یہ دس روزہ یادگار سفر (جس کی ابتداء و شنبہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۷۳ء سے ہوئی تھی) بخیر و خوبی چہار شنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۷۳ء کو ختم ہو گیا چونکہ اس سفر کی آخری منزل مکہ مکرمہ تھی، اس لئے ہم تہران سے بیروت ۲۱ جون کو پہنچ گئے۔ ہماری قیام کا انتظام تہران کے ایک بڑے ہوٹل پارک ہوٹل (PARK HOTEL) میں کیا گیا تھا، ایران کے یادگار سفر کے یہ دس روز تاریخی آثار کے مشاہدے، ممتاز علمی و دینی شخصیات سے ملاقاتوں، تعلیمی اور تبلیغی اداروں کا جائزہ لینے، اور ان کی سرگرمیوں اور جدوجہد سے واقف ہونے، اور استقبالی و خیر مقدمی تقریبات میں گزرے۔

وزرا و علماء سے ملاقاتیں

ہماری ملاقات ایران کی بعض اہم سیاسی شخصیتوں سے بھی ہوئی، جن میں ایرانی وزیراعظم امیرعباس ہودیہؒ، استاد کاظم زادہ جو ایران میں ہائر ایجوکیشن کے منسٹر ہیں، اور نائب وزیراعظم ڈاکٹر منوچہر ازمون قابل ذکر ہیں، آخر الذکر سے تہران کے دوران قیام میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں، لے ایرانی تقویم کے اعتبار سے ۲۱ فرورداد ۱۳۵۲ھ۔

۲۱ امیرعباس ہودیہؒ نے ابتدائی تعلیمی زمانہ بیروت میں گزارا، جہاں انھوں نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی سے ڈگری لی، اس بنا پر پہلی زبان کی طرح بولتے ہیں، تقریباً بیس سال سے وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہیں۔

پہلی ملاقات خاصی طویل رہی، جس میں بے تکلفی و آزادی کے ساتھ گفتگو رہی مختلف علمی و دینی موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں، آخری ملاقات میں بھی یہی بے تکلفی و سادگی رہی، اور مفید علمی مذاکرہ سے یہ مجلس بھی خالی نہ گئی، اختتام سفر پر ڈاکٹر منوچہر ازمون نے ہلٹن ہوٹل (HILTON HOTEL) میں وفد کے اعزاز میں ایک پر تکلف عشاء دیا، جس میں متعدد وزراء کے علاوہ شہر کے مشرفاء اور معززین کی بڑی تعداد شریک تھی۔

ہم نے ایران کے متعدد ممتاز علماء اور دینی رہنماؤں سے بھی ملاقات کی، اور ان سے علمی مسائل پر تبادلہ خیال کیا، ان قابل ذکر علماء میں آیت اللہ العظمیٰ سید محمد کاظم شریعت مداری، آیت اللہ العظمیٰ شیخ جلیب اللہ میلانی، آیت اللہ مرزا محمد خلیل کمرہ اسی، تہران میں شاہی مسجد کے امام آیت اللہ سید حسن امامی، اور مشہور ایرانی عالم آیت اللہ محمد تقی نقوی شامل ہیں، ایرانی فضلاء و ارباب میں سے علامہ وحید علی، اور کلیۃ الالہیات کے پرنسپل ڈاکٹر محمد محمدی قابل ذکر ہیں، کلیۃ الالہیات میں فقہ شافعی کے استاد پروفیسر شیخ الاسلام، عربی ماہرنامہ "الفکر الاسلامی" تہران کے مدیر ڈاکٹر عباس مہاجرانی، آریہ مہر یونیورسٹی تہران کے وائس چانسلر اور شہرہ آفاق ایرانی فاضل و محقق ڈاکٹر سید حسین نصر، اور دار التبلیغ الاسلامی قم کے سرگرم رکن، اور "الہادوی" رسالہ کے مدیر سید ہادی خسرو شاہی سے ملاقات ہوئی، وقت کی تنگی، نیز موسم گرما کی تعطیلات کی وجہ سے ایرانی یونیورسٹیوں کے اساتذہ، اور ممتاز جدید تعلیم یافتہ فضلاء سے زیادہ ملاقات نہ ہو سکی۔

لے ایرانی علماء و فضلاء کے دو طبقے ہیں، تجربہ علمی اور دینی حیثیت میں بلند منصب و مقام کے حامل علماء کو آیت اللہ العظمیٰ، اور دوسرے درجہ کے علماء کو "آیت اللہ" سے موسوم کرتے ہیں۔

۱۵۔ ناظم مسجد سپہ سالار تہران۔

ایران کے دینی و تاریخی مقامات

ہمیں ایران کے جن مشہور تاریخی شہروں کے دیکھنے کا موقع ملا، ان میں تہران، قم، اصفہان، شیراز، اور مشهد قابل ذکر ہیں، تہران ایران کا بڑا خوبصورت شہر اور پایہ تخت ہے، قم اپنی علمی و دینی سرگرمیوں کے لئے مشہور ہے، مشهد روحانی مرکز، اور اصفہان شاہان صفویہ کا طویل مدت تک مرکز سلطنت، اور اپنے دور عروج میں تہذیب و تمدن کا سرچشمہ رہ چکا ہے اور شیراز تو فارسی شعر و ادب کے لئے ایک علامت کی حیثیت رکھتا ہے۔

تاریخ کے ایک مسلمان طالب علم، قدیم آثار سے شغف رکھنے والے مورخ اور ملکوں ملکوں، شہروں شہروں گھومنے اور ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والے سیاح کے لئے ایران کے تاریخی مقامات میں تسکین کا پورا سامان موجود ہے، چنانچہ ہم نے ان تمام تاریخی آثار کا مشاہدہ کیا جو فنکاری، صناعی، پاکیزہ ذوق اور فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں، اور شاہان صفویہ کے دور عروج کے تمدن اور ترقی یافتہ تہذیب کے نادر شاہکار ہیں، ہم نے ایران کی جدید مصنوعات، اور ان چیزوں کو بھی دیکھا جو سوغات کے طور پر باہر لے جاتی ہیں، اور جن میں ایران نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔

ایران چونکہ اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز رہ چکا ہے، اس لئے وہاں کثرت سے

لے موجودہ تہران ایران کے قدیم اسلامی دارالسلطنت رہے کے نواح میں واقع ہے جہاں سے امام فخرالدین رازی، ابوبکر رازی، محمد ابن زکریا رازی، ابوبکر رازی طبیب جیسے سرآمد روزگار فضلا اٹھے تہران کی حیثیت پہلے ایک قصبہ سے زیادہ نہ تھی تا چار یوں کے عہد میں وہ ایران کا دارالحکومت بنا، اب سینیس لاکھ کی آبادی کا ایک عظیم شہر ہے، جو خاص منصوبہ اور نقشہ کے مطابق آباد کیا گیا۔

مساجد میں، بعض مسجدیں توفیق تعمیر کا نادر نمونہ ہیں مثلاً امام علی رضا ابن موسیٰ کاظم کی بہن سیدہ معصومہ کے نام سے ایک شاندار مسجد ہے، جہاں ان کی قبر بھی ہے، یہ مسجد ایرانی زائرین اور سیاحوں سے ہر وقت کھچا کھچ بھری رہتی ہے، دوسری تاریخی مسجد سجدہ سپہ سالار ہے، جو طرز تعمیر اور نقش و نگار میں شاہکار سمجھی جاتی ہے، ان مسجدوں کے علاوہ شاہی مسجد تہران، جامع مسجد، مسجد گوہر (مشہد) مسجد شاہ عباس صفوی، مسجد شیخ لطف اللہ، جامع مسجد چہار باغ (اصفہان)، اور شیراز کی مسجد وکیل قابل ذکر ہے، امام علی رضا کا مزار پورے ایران میں سب سے اہم اور بڑے مقبروں میں سے ہے جس کی زیارت کے لئے ایرانی زائرین دور دور سے رخت سفر باندھ کر آتے ہیں، اور ملک کے ہر حصہ سے ان کا دن رات تانتا بندھا رہتا ہے۔

ایران میں بعض اہم علمی اداروں اور دینی مرکزوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملے گا، ان اداروں میں تہران یونیورسٹی کا "کلیۃ الالہیات" و "علوم اسلامیہ" مرکز، "التقریب بین المذاہب الاسلامیہ" اور شہر قم کا علمی مرکز دارالتبلیغ الاسلامی مشہور و معروف ہیں۔

محاسن مذاکرہ اور استقبالیہ جلسے

اس دس روزہ سفر میں بہت سے خیر مقدمی جلسوں اور تقریبات میں شرکت کا موقع ملا، جہاں رابطہ کے وفد کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، ان جلسوں میں خیر مقدمی تقریریں کی گئیں، اور ارکان وفد نے بھی موقع و محل کی مناسبت سے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا، اس سلسلہ کے چار خیر مقدمی جلسے یادگار ہیں، پہلا خیر مقدمی جلسہ علامہ شریعت مداری کے دولت کدہ پر منعقد ہوا، دوسری محفل "دارالتبلیغ الاسلامی" قم میں منعقد کی گئی تھی، جس میں

متعدد تقریریں ہوئیں، اور قصائد پڑھے گئے، تیسرا استقبالیہ علامہ مرزا محمد خلیل کمرہ اسی نے وفد کے اعزاز میں اپنے گھر پر دیا تھا، وفد کے اعزاز میں علامہ حبیب الشرمیلانی کے دولت کدہ پر بھی ایک مختصر تقریب ہوئی، دارالتبلیغ الاسلامی، اور علامہ حبیب الشرمیلانی کے یہاں کی محفلوں میں خیر مقدمی اور جوابی تقریریں ہوئیں، لیکن مرزا محمد خلیل کا جلسہ اس اعتبار سے دل چسپ اور قابل ذکر ہے کہ اس محفل میں علامہ قبائل کا شہرہ آفاق ترانہ

چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا

پڑھا گیا، یہ ترانہ عربی کے قادر الکلام شاعر صاوی شعلان نے عربی اشعار کی صورت میں ڈھال دیا ہے، چنانچہ اس عربی ترانہ کو پڑھا گیا، اور اس کا فارسی اشعار میں ترجمہ بھی سنایا گیا، خیر مقدمی تقریر کا جواب رکن وفدا تذا احمد محمد جالی، اور راقم سطور نے دیا۔

تہران میں ایک ادارہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مختلف اسلامی مسلک اور فرقوں کے لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے، ہم اس ادارہ کو بھی دیکھنے گئے، وہاں شہر کے بعض منتخب علماء اور سربراہان آوردہ حضرات سے ملاقات ہوئی، اس ادارہ کے خیر مقدمی جلسہ میں آیت الشرح محمد تقی النقی نے تقریر کی، جس کا جواب راقم سطور نے دیا۔

طوس کی مردم خیز سرزمین پر

ایران کی عظمت رفتہ کو لافانی بنانے، اور فارسی زبان و ادب کو زندگی و تابندگی عطا کرنے، اور قومی شعور کی بیداری میں شہرہ آفاق شاعر فردوسی (م ۴۱۱ھ) کے شاہنامہ کا بڑا حصہ بہا ہے، ہر زمانہ میں ایرانی شاہنامہ کے وارفتہ و شیدائی رہے، ایرانی حکومت نے فردوسی کی شاندار یادگار قائم کر کے اس کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ایران کا مشہور شہر طوس اپنی مردم خیزی، باکمال ہستیوں، اور لافانی یادگاروں کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتا ہے، اس شہر نے پانچویں صدی ہجری کے نامور مجدد حجۃ الاسلام امام غزالی، سلجوقی سلطنت کے باکمال وزیر نظام الملک طوسی، شہرہ آفاق شاعر فردوسی، اور مشہور فاضل نصیر الدین طوسی جیسی نادرہ روزگار شخصیتوں کو پیدا کیا۔

امام غزالی کی تربیت پر

طوس کی فضا میں سانس لیتے ہی پردہ ذہن پر تاریخ کے نقوش ابھرنے لگتے ہیں اور اس عہد کے ترقی یافتہ، اور تمدن زمانہ کی تصویریں متحرک نظر آنے لگتی ہیں، میں اس عہد کے تصور میں کھو گیا، جب طوس علم و عرفان کا سرچشمہ تھا، اور وہاں سے پوری پوری نسل تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر کارزار حیات میں سرگرم عمل ہوتی تھی، طوس کے تاریخی آثار دیکھتے ہوئے قدرتا ہمارا ذہن صدیوں، اور نسلوں پر محیط امام غزالی کے کارناموں کی طرف منتقل ہو گیا، اس لئے کہ امام غزالی کی شخصیت، ان کے لافانی کارناموں، اور ان کی تصنیفات کو جو شہرت، اور دوام نصیب ہوا ہے، وہ عالم اسلام کے مشہور مذاہب اربعہ کے بانیوں کے بعد کم ہی علما کو حاصل ہوا ہے، ہم نے جب اپنے رہنما سے امام غزالی کی قیام گاہ، ان کے علمی آثار، اور آخری آرام گاہ کے بارے میں دریافت کیا، تو جواب کچھ حوصلہ افزا نہیں تھا، لے مشہور مورخ بغدادی نے طوس کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "مرآۃ الاطلاع" میں لکھا ہے کہ "نیشاپور سے طوس کا فاصلہ دس فرسخ ہے (تقریباً اسی کیلو میٹر ہے)" "طابران" اور "نوتان" طوس کے دو مشہور قصبے ہیں، دونوں قصبوں میں مجموعی طور پر ایک ہزار بستیاں ہیں، عباسی خلیفہ ہارون رشید، اور امام علی بن موسیٰ رضا کے مقبرے یہیں کے ایک باغ میں ہیں۔

ہمارے رہنما نے ہمیں مختلف کھنڈروں کے ملے، اور ویرانوں کے درمیان سے لے جا کر ایک ایسی قدیم عمارت کے سامنے کھڑا کر دیا، جو زمانہ کی ناقدری اور بے مروتی پر نوحہ خواں تھی، ہم جس عمارت کے سامنے کھڑے تھے، اس کے متعلق بتایا گیا کہ اس میں ہارون رشید اپنے معنویں کو قید کر دیا کرتا تھا، قیدی اس میں جانے کے بعد پھر سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکتا تھا، اس عمارت کا نام ہارونہ ہے۔

امام غزالی کی قبر کے متعلق طرح طرح کی بے سرو پا کہانیاں مشہور ہیں، نہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عیسیٰ صدیق کی کتاب "آرام گاہ غزالی" میرے ہاتھ آگئی، انھوں نے ان افواہوں کا مذاق اڑایا ہے، اور یورپین محققوں میں ڈاکٹر زویمر (DR. ZWEMER) امریکی مستشرقین میں پروفیسر پوپ (PROF. POPE) کی کتابوں کے حوالے، اور متقدمین میں مشہور مصنف تاج الدین سکی، اور متاخرین میں آقائے علی اصغر حکمت کی تحقیقات سے استدلال کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امام غزالی کی قبر اسی قدیم افسانوی عمارت ہارونہ کے پہلو میں موجود ہے۔

ہمارا تاریخی ذوق اور امام غزالی اور ان کی تصنیفات سے دل چسپی و شغفگی ہمیں کشاں کشاں ان کی قبر تک لے گئی، اندازہ ہوا کہ ابھی حال ہی میں ایک قبر کو درست کیا گیا ہے، ہم جس عمارت میں تھے، اس کے پہلو میں امام غزالی کی قبر ہے، لیکن مزار پر کوئی تختی نہ تھی، جس سے کچھ معلوم ہو سکتا، گائیڈ نے بتایا کہ عمارت کے اندر ایک کتبہ موجود ہے، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بعض الفاظ مٹ گئے ہیں، مشکل چند الفاظ پڑھے جاسکے، اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور عظمت و کبریائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا، سچ ہے، اللہ بس باقی ہوس، "مُحَمَّدٌ مِّنْ عَلَیْہَا فَإِنَّ وَبَیْہِ وَجْہُ رَبِّہٖ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ"

نادر شاہ افشار

طوس کے دوسرے اہم تاریخی آثار میں نادر شاہ افشار کی قبر ہے، نادر شاہ افشار سے کون واقف نہیں، اس نے ۱۱۵۵ھ تا ۱۱۶۳ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا، اور دارا کو موت دہلی کو اپنی تلوار کی دھار پر رکھ لیا تھا، یہ تلوار نیام میں اسی وقت گئی، جبکہ دہلی کی سڑکیں خون سے نہا گئیں، نادر شاہ مغل بادشاہ محمد شاہ کو شکست دے کر ہندوستان سے وہ شرہ آفاق تخت طاؤس ایران لے جانے میں کامیاب ہو گیا، جوشاہ جہاں نے نفیس ہیرے جواہرات سے مرصع بنوایا تھا۔

نادر شاہ کا شمار اُس عہد کے ایران کے بہترین قائدین، اور اعلیٰ درجہ کے سپہ سالاروں میں ہوتا تھا، اس نے شہد کو اپنا دارا کا دوست، اور ہندوستان پر یورش کے لئے فوجی مرکز بنایا تھا ایرانی حکومت نے کاخ گلستان میں نادر شاہ کے آثار و لواذ کو بڑے فرنیہ اور سلیقہ سے ایک میوزیم میں جمع کر دیا ہے، اور تصاویر کے درجہ اس کے فوجی کارناموں، اور عزم و شجاعت کی داستانوں کو دکھانے کی کوشش کی ہے، نادر شاہ کا لایا ہوا تخت طاؤس نواب اصل نسل میں... محفوظ نہیں ہے، لیکن تہران کے میوزیم میں ایرانی حکومت نے تقریباً ویسا ہی تخت لے دہلی کے اس قتل عام کی وجہ بھی کر نادر شاہ کی فوج شہر کے مختلف مقامات پر تقیم تھی، شہر کے ادبائوں کو جیسے ہی موقع ملتا وہ نادر شاہ کی فوجوں پر حملہ کر کے ال و اسباب لوٹ لیتے، اور فوجیوں کو قتل کر ڈالتے، نادر شاہ نے تنگ آ کر فوج کو قتل عام کا حکم دیدیا، چنانچہ تین دن تک قتل عام ہوتا رہا، اس قتل عام میں ایک لاکھ سے زائد انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، تین دن کے بعد امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔

ملاحظہ ہو تاریخی ہندوستان

بنانے کی کوشش کی ہے، اصل ہیرے جواہرات کو بنک کے لاکروں اور میوزیم میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کی یاد

مسلم حکمرانوں، بلکہ مشرق کے سلاطین میں عباسی خلیفہ ہارون رشید کو جیسی افسانوی شہرت اور جتنی غیر معمولی وسیع سلطنت حاصل تھی، وہ کسی کو نصیب نہ ہو سکی، اس کی سلطنت کی غیر معمولی وسعت کا اندازہ اس کے اس مشہور تاریخی جملہ سے ہوتا ہے جو اس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو مخاطب کر کے کہا تھا، ”امطری حیث شئت خیلنی خراجک“ (اے بادل تیری جہاں مرضی ہو برس! تیرا خراج میرے ہی پاس آئیگا) تاریخی اعتبار سے یہ تو ثابت ہے کہ ہارون رشید کی قبر طوس میں ہے، لیکن حیرت و تعجب، بلکہ عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ہارون رشید کی قبر کا نام و نشان تک نہیں مل سکا، یہ ممکن ہے کہ اس کی قبر امام علی رضا

لے ہارون رشید کی وفات ۱۹۳ء میں طوس میں ہوئی، اور وہیں اس کی تدفین بھی مل آئی، اس کے چند سال بعد ۱۹۳ء میں طوس ہی میں امام علی رضا کی وفات کا واقعہ پیش آیا، ابن خلکان نے امام علی رضا کا تذکرہ کرتے ہوئے ”وفیات الاعیان“ میں لکھا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز بامون رشید نے پڑھائی، جنازہ کے بعد ان کی تدفین اپنے والد کی قبر کے پہلو میں کی، امام علی رضا کی وفات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی موت طبعی تھی بعض لوگ ان کی موت کا سبب زہر خوردگی کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ چونکہ مامون نے خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کرنی چاہی تھی، اس لئے بنو عباس نے انھیں زہر دیدیا، طوس امام علی رضا کے مزار کی وجہ سے مشہد کے نام سے مشہور ہو گیا، اور اب طوس کے نام سے کوئی نہیں جانتا، یہ تبدیلی غالباً شاہان صفویہ کے زمانہ میں پیش آئی، اس زمانہ میں یہ پورا منطقہ خراسان کہلاتا تھا، آج بھی یہ علاقہ خراسان ہی کے نام سے مشہور ہے۔

کے مزار کے پہلو میں ہو، لیکن مؤخر الذکر کی دینی اہمیت و عظمت کے سامنے ایک بادشاہ کی حیثیت بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے۔

اصفہان

ایران کے اس سفر میں شہرِ تاریخی شہرِ اصفہان کو بھی دیکھا جو اپنے علماء، ادبا اور بالکمال شخصیتوں کی وجہ سے شہرہ آفاق ہے، مشہور کتاب "حلیۃ الاولیاء" کے مصنف ابو نعیم اصفہانی (م ۳۲۸ھ) "مفردات غریب القرآن" کے مؤلف امام رابع اصفہانی (م ۵۷۲ھ) عالمی شہرت کی حامل کتاب "روایات الاغانی" کے مصنف ابوالفرج الاصفہانی (م ۴۶۸ھ) مستقل فقہی مسلک کے بانی امام ابوداؤد ظاہری (م ۲۴۷ھ) مشہور مکالم اور اصولی ابوبکر محمد بن نورک (م ۶۷۸ھ) محتاج تعارف نہیں۔

اسلامی تاریخ کے آغاز خصوصاً عباسی عہد میں اصفہان علم اور تہذیب و تمدن کا مرکز رہ چکا تھا، لیکن صفویوں کے عہد میں اس کو بڑی غیر معمولی شہرت حاصل ہو گئی، اور ایران کے شہروں میں تو اس کا شمار صف اول کے شہروں میں ہونے لگا، صفوی خاندان کے حکمران اور بانی شاہ اسماعیل صفوی کی تاج پوشی و تخت نشینی تبریز میں ہوئی تھی، اس بادشاہ نے سب سے پہلے شیعی مذہب کا اعلان کیا، اور اس کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا، اور قزوین کو دار الحکومت بنایا، شاہ اسماعیل صفوی کے جانشین شاہ عباس صفوی نے شہر سے کچھ فاصلہ پر نیشاپور کا قدیم شہر واقع ہے، جہاں کی خاک سے خواجہ فرید الدین عطار جیسے عارف اور عمر خیام جیسے شاعر اٹھے افسوس ہے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے ہم اس کی زیارت نہ کر سکے۔

(م ۱۶۲ء) ہوئے، جو صفوی سلاطین میں سب سے زیادہ نامور اور عظیم حکمران گذرے۔ اس کے عہد میں قزوین سے دارالحکومت اصفہان منتقل کیا گیا، اصفہان کی جدید تعمیرات، شاندار تمدن، غیر معمولی حسن و جمال شاہ عباس صفوی کا رہن منت ہے، اصفہان کی پر شکوہ، اودنا در روزگار عمارتوں کو دیکھ کر شاہ عباس صفوی کے صاف ستھرے تعمیری ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، اصفہان میں ہمارا قیام شاہ عباس صفوی سے منسوب ایسے ہوٹل میں رہا جس کا نام ”مہمان سرا“ شاہ عباس صفوی ہے، جس پر کسی ہوٹل، یا گسٹ ہاؤس سے بڑھ کر کسی شاہی محل کا دھوکا ہوتا ہے، شہر میں ہر طرف جا بجا تاریخی آثار، بارغ، اور مزارات ہیں، جن کے سب کے دیکھنے کی نوبت نہ آسکی۔

صفویوں نے تقریباً دو صدی تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی، لیکن دنیا کے ہر حکمران خاندان کی طرح صفوی خاندان بھی زوال و انحطاط سے بچ نہ سکا، انتشار اور بے چینی کے دور کا آغاز ہو گیا، انتشار کے دور میں کبھی کوئی مختصر وقفہ ایسا بھی آجاتا تھا، جب کوئی طاقت در او ستم قیادت منتشر اور پراگندہ حال ایران کو سنبھالا دے جاتی تھی، لیکن جلد ہی ترکی النسل تاجاریوں کی حکومت قائم ہو گئی، آغا محمد شاہ (م ۱۷۴۷ء) کے عہد میں اصفہان سے دارالحکومت نہرمان منتقل ہو گیا، جس کی اس زمانہ میں کوئی حیثیت نہیں تھی، لیکن انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں تہران کے تمدن اور رونق میں اضافہ ہو گیا۔

”وَدَلَّهِ الْاَمْرُ مِنْ تَبَلُّوْا وَمِنْ دَعْوٰی“

شیراز

ہندوستانی ادبیات و محاوروں اور شعر و شاعری کے ساتھ شیراز کا نام جوڑھ

شیر و شکر ہو گیا ہے، کہ اس کا الگ کرنا مشکل ہے، سعدی کی شیریں کلامی، اور حافظ کی خوشنوائی نے شیراز آنے سے پہلے شیراز کا مشاق و گرویدہ بنا رکھا تھا، فارسی کے شاعر نے صحیح کہا ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کین دولت از گفتار خیزد

اسی شیراز میں حکمت و دانائی، اور محبت و معرفت کے سب سے بڑے ترجمان شیخ سعدی (م ۶۹۱ھ) اور خواجہ حافظ (م ۷۹۳ھ) آسودہ خاک ہیں، ان میں شیخ سدا اپنی شہرہ آفاق کتابوں گلستان و بوستان کی وجہ سے بقائے دوام کے خلعت سے سرفراز ہیں، شیخ کے دفن کو سعودیہ کہا جاتا ہے، شیخ سعدی کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہوئے ہیں ان کے مشہور دو شعر یاد آگئے۔

غرض نقشے است کر نایا داند کہ ہستی را نمی بینم بقائے

مگر صاحب دے روزے رحمت کند بر حال این سگین دعاے

دوسری شخصیت خواجہ حافظ شیرازی کی ہے، جو اپنی عارفانہ و عاشقانہ شاعری کی وجہ سے "ترجمان الغیب" اور سروش غیب بن گئے ہیں، اور جن کی شاعری "ورائے شاعری چیز ہے دیگر است" کی مصداق ہے، ان کا یہ شعر خود ان کے حسب حال ہے۔

ایں ہمہ مستی و مدہوشی نہ حد بادہ بود

با حریفان انچہ کرد، آن نرگس متناز کرد

ان کے دفن کو "حافظیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جدید شیراز کی آبادی، اور رونق، اور مساجد کی تعمیر میں "زند" خاندان کے حکمران

کریم خاں کا بڑا حصہ ہے، "زند" خاندان نے صفویوں کے بعد ایران پر حکومت کی تھی، اور شیراز کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔

شیراز اپنی مردم خیزی میں اپنی نظیر آپ ہے، اس خاک سے ایسی باکمال شخصیتیں اٹھیں جو اپنے اپنے فن میں یگانہ روزگار تھیں، ان شخصیتوں میں جامعہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس علامہ ابوالسحاق شیرازی (م ۱۱۳۸ھ) امام نوعلی ابن علی، ابوالحسن المرہبی (م ۱۱۳۸ھ) قابل ذکر ہیں، آخر زمانہ میں تو اس کی خاک سے علامہ صدر الدین شیرازی (م ۱۱۳۸ھ) کی شخصیت پیدا ہوئی جن کی دو کتابیں "کلا سفار لادرجہ" "شرح ہدایت الحکمتہ" مشہور ہیں، صدر عالمگیر شہرت رکھتی ہے، دوسری شخصیت امیر فتح التمر شیرازی (م ۱۱۹۹ھ) کی ہے، جن کے گہرے اثرات ہندوستان کے نصاب درس میں دیکھے جاسکتے ہیں، تیسری مشہور شخصیت امیر غیاث الدین منصور کی ہے۔

ایران کی سب سے قدیم اور تاریخی یادگار تخت جمشید کو بھی دیکھا، تخت جمشید کو دارائے اول نے اپنا پایہ تخت بنایا تھا، آج اس کو ڈھائی ہزار سال ہو رہے ہیں، وہ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، اس کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اور اس زمانہ کی حیرت انگیز انجینئرنگ اور فن تعمیر کی نادر اور شاہکار نمونوں کو دیکھ کر تصویر کشی بن جاتا ہے، تخت جمشید اپنی غیر معمولی بلندی، بھاری بھرکم پتھروں کو اوپر سے جا کر سلیقہ و صفائی، اور خوبی سے جوڑنے اور معماروں کی غیر معمولی مہارت و صلاحیت کو دیکھ کر بے اختیار، ہرام مصر یاد آ جاتے ہیں، اور تیسری ذوق کی داد دینے پر سیاح مجبور ہو جاتا ہے، ایران کی لے ہندوستان کے نصاب درس میں "صدر" گیارہویں صدی ہجری سے داخل نصاب ہے، اس کے حصول اور اس میں مہارت کے بغیر طالب علم فارغ التحصیل، اور فاضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حکومت نے اکتوبر ۱۹۷۱ء میں یہاں ڈھائی ہزار سالہ جشن بڑے تزک و احتشام سے منایا تھا اس جشن میں تمام دنیا کے سربراہان مملکت، وزراء اعظم، اور سفارتی نمائندوں نے شرکت کی تھی، اس جشن پر جو غیر معمولی اخراجات ہوئے تھے، اس کی تعمیلات سن کر اہل یلوی داستان کا گمان ہونے لگتا ہے، تخت جمشید شیراز سے صرف ساٹھ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔

ان تاریخی آثار اور عمارتوں کو دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ آخر صحرائے عرب کے گلہ بان اور خانہ بدوش کیسے اس تمدن، ترقی یافتہ، اور علم و دانش سے محروم سرزمین کو زیر نگیں کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے خمیر میں قیادت و سیادت تھی، اور جو نسل در نسل ہزاروں سال سے حکومت کرتی آ رہی تھی، دل نے یہی جواب دیا کہ یہ سب ایمان کی طاقت کی کار فرمائی اور اسلامی تعلیمات کا فیض ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے یہ شتر بان تمدن کے ماسدا، اور عیش و تنعم کی زندگی سے کوسوں دور تھے۔

شیراز میں ہمارا قیام "سائرس ہوٹل" میں رہا، سائرس بڑے نامور ایرانی شہنشاہوں میں گذرا ہے، اس کو ایران کی عظمت رفتہ کا نشان، اور ایرانی شان و شوکت کا رمز تصور کیا جاتا ہے، قرآن مجید نے سورہ کہف میں ذوالقرنین کے نام سے جس شخص کا تذکرہ کیا ہے، بعض محققین کے نزدیک اس سے مراد سائرس اعظم ہے، یہودی سائرس اعظم کو اپنا نجا دہندہ سمجھتے ہیں، اس لئے کہ اسی نے بخت نصر کے جنگیں سے یہودیوں کو نجات دلا کر فلسطین انھیں واپس کیا تھا، اسی سائرس اعظم کی یاد میں ایرانی حکومت نے ڈھائی ہزار سالہ جشن بڑے لہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں اسی قول کو ترجیح دی ہے، لیکن جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں بعض اہل علم کو اس میں کلام ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

تذک و احتشام سے منایا ہے، سائرس ہوٹل کا شمار ایران کے ان بڑے ہوٹلوں میں ہوتا ہے، جہاں ہوٹل کی تزیین و آرائش اس کے ملازمین کے لباس اور وضع قطع، اور کھانوں میں بھی قدیم ایرانی تہذیب و معاشرت کے مظاہرہ کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے، شہر کے دوسرے ہوٹلوں میں بھی اسی وضع قطع کا اہتمام کیا گیا ہے، ہم نے دوپہر کا کھانا سرائے مشیر میں کھایا جو شیراز کے قدیم تمدن کی عکاسی کرتا ہے، ملازمین کا لباس وہی ہے، جو صفویوں کے عہد یا قدیم ایران میں شاہی خادموں کا ہوا کرتا تھا۔

شیراز کے رہنے والے فطرتاً خوش طبع، اور نغمہ و سرود کے شیدائی ہیں، شب کو جب پورا شہر نغمہ و موسیقی، اور رنگ و نور کے سیلاب میں بہہ رہا تھا، میں ہوٹل کی بالکنی پر بیٹھا، یادوں کے سمندر میں غرق، ماضی کی تاریخ، اور زمانہ کے واقعات و انقلابات میں ایسا محو تھا، جیسے میری نگاہوں کے سامنے کسی ڈرامہ کے مختلف مناظر ہوں، جن کے کردار اور مناظر بار بار تبدیل ہو رہے ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت میری زبان پر بار بار آرہی تھی:-

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (النسکوت - ۶۴)
اور دنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جس ہی دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گئے ہیں، ان کا انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے، اور انھوں نے زمین کو بھی بویا جوتا تھا، اور حنا انھوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے

أَوَلَمْ نَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَنَنْظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
كَانُوا أَشَدَّ مِمَّ قُوَّةً وَأَنَارُوا الْأَرْضَ
وَعَمَرُوا هَٰهَا ثُمَّ جَاءَهُمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ آدَمُ

يَظْلِمُهُمْ وَلَٰكِن كَاذِبًا أَنفُسَهُمْ
 ان کے زیادہ انھوں نے اس کو آبا د کیا تھا، اور
 ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے بیکر آئے
 تھے، سو خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ
 (الروم - ۹)

تو خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

ایران کا یہ سفر اپنی نوعیت اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے میرے لئے خاص
 اہمیت رکھتا تھا، ایران کی مجلسوں اور محفلوں میں اس کا خوب چرچا ہوا، ریڈیو اور ٹیلی ویژن
 کے ذریعہ بھی اس کی اشاعت ہوئی، سیروسیاحت سے دل چسپی رکھنے والے اس جائزہ سے
 سفر کی ایک اجمالی تصویر اپنے ذہن میں تیار کر سکتے ہیں، اور اس سفر کی تاریخی قدر و قیمت اور
 علمی و سماجی فوائد کا ایک عام اندازہ کر سکتے ہیں۔

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

سفر کے اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے چند نقوش و تاثرات بھی پیش کر دیئے
 جائیں، اس لئے کہ اس سفر کی قدر و قیمت محض یہ نہیں ہے، کہ یہ شرق کے ایک اسلامی ملک کی
 سیاحت اور خیر سگالی کا دورہ تھا، بلکہ اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے یہ سفر تمام تاریخی
 سفرناموں، اور آثار قدیمہ کی زیارت، اور جذبہ خیر سگالی سے زیادہ نتیجہ خیز تھا، ہم اس موقعہ
 پر اس سفر کے ان خوشگوار اور تابناک پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے
 ہمیں کام کا ایک نیا میدان، اور امید کی ایک نئی کرن دکھائی دیتی ہے، اور جو مستقبل کے لئے
 فال نیک بن سکتے ہیں، ہم ایسے پہلوؤں کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں جو باعث حیرت ضرور
 ہوں گے، مگر اس کے لئے تھوڑی سی وسیع النظری، اور کشادہ دلی سے کام لینا ہوگا، ساتھ ہی

کہنے والے کے خلوص و حسن نیت پر بھی اعتماد کرنا پڑے گا، ہمارے ایرانی بھائی عالی ظرف، اور شریف النفس ہیں، اس لئے توقع ہے کہ ایران کے دوران قیام میں ہم نے جو محسوس کیا، اور ہمارے جو تاثرات ہیں، ان کے اظہار میں وہ ہماری جرأت و صاف گوئی کا خیر مقدم کریں گے۔

۱۔ ایران کے سفر میں ہم نے جس چیز کا مشاہدہ کیا، اور اس نے ہماری مسرت میں اضافہ کیا، وہ ایرانیوں کا جذبہ اخوت، اور عالمگیر اسلامی اتحاد و تعاون کا جذبہ ہے، جو وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر متفق ہو کر ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ہم صفائی سے اعتراف کرتے ہیں کہ یہاں آنے سے پہلے اتحاد و تعاون کے اس جذبہ، اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے ساتھ دوستی و تعاون اور بھائی چارہ اور اپنائیت کے اس احساس کا تصور نہیں کرتے تھے، ہمیں اس بات کی توقع نہ تھی کہ ہمارے ایرانی بھائی اس عالمگیر لادینیت کے خلاف متحد ہو کر صف آرائی کی خواہش رکھتے ہیں، جو مذاہب عالم، اور تمام اخلاقی اقدار کے لئے چیلنج ہے، اور جو شیعہ، سنی، حنفی، شافعی، اور مقلد و مجتہد کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتی، ایران میں ہر مجلس کی گفتگو کا آغاز اکثر اسی موضوع سے ہوتا، اور اسی پر اختتام بھی، مجلسوں اور محفلوں میں عام طور سے یہی موضوع سخن ہوتا، بلاشبہ یہ بہت مبارک اور قابل قدر جذبہ ہے، عالمگیر اخوت اسلامی سے دل چسپی رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ ہمارے ایرانی بھائیوں کے ان جذبات سے فائدہ اٹھائیں اور اسلام کی خدمت میں اس سے کام لیں، اور اس میں مزید ترقی کی کوشش کریں، اس لئے کہ انفرق اور غلو سے مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً شدید نقصان پہونچا ہے، ساتویں صدی ہجری میں تو اس اختلاف کی شدت نے تاریخ کے سب سے بڑے سانحہ سقوط بغداد کو جنم دیا، اسی اختلاف اور غلو پسندی نے بیٹھ صدی شیرازی نے مسلمانوں کے اس المیہ، اور تاریخ کے اس عظیم سانحہ پر جو دردناک مرثیہ کہا ہے

مسلمانوں کو یورپ فتح کرنے اور اس کے آخری حدود تک جانے میں رکاوٹ ڈالی، اسی کے نتیجے میں ہندوستان میں پہلے حکومت کمزور ہوئی پھر آخر میں اس کا چراغ ہی گل ہو گیا۔

۲۔ ایران کے سفر میں دوسری چیز جس سے ہمیں مسرت ہوئی، وہ اسلامی آثار سے دل چسپی عربی زبان سے تعلق، اسلامی کتابوں کی اشاعت، علماء کے کارناموں کے احیاء اور قرآن کی بہترین کتابت و طباعت سے دل چسپی و شغفنگی ہے، ہمیں ایران میں نادر قرآنی مخطوطات کی حفاظت و اہتمام، اور قرآن کی اعلیٰ نفیس طباعت دیکھ کر ایرانیوں کے قرآن کی عظمت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے، جلسوں وغیرہ میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، خاص طور سے مصری قرا کی تلاوت کی ہوئی آیات ٹیپ ریکارڈ سے سنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۳۔ ہمیں ایرانیوں کی دینی غیرت و حمیت دیکھ کر بھی خوشی ہوئی، وہ اسلام کے خلاف سازشی تحریکوں کے بارے میں خاصے حساس واقع ہوئے ہیں، بہائیت جو ایران ہی میں پیدا ہوئی، قانونی طور پر ممنوع ہے، اور بہائی مذہب کے ماننے والوں کو اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے، اسی طرح قادیانیت کو بھی خارج از اسلام فرقہ سمجھا جاتا ہے، اور اس سے دینی حلقوں میں خاصی نفرت پائی جاتی ہے، کمیونزم اور دہریت کے ساتھ دشمنی میں بھی ایرانیوں کی غیرت و حمیت اسلامی ملکوں کے لئے خاص طور پر پاکستان کے لئے قابل رشک اور قابل تقلید ہے، جس کے ایران سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔

(باقی صفحہ ۹۹ کا) اس کا مطلع یہ ہے۔

آسمانِ راحق بود گر خونِ بار بار بر زمین بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

۱۔ ہمیں اپنے سفر کے دوران یہ حلوں کر کے افسوس ہوا کہ بہائیوں کے اثرات ایران میں بڑھتے جا رہے ہیں، بعض کلیدی عہدے ان کے ہاتھ میں ہیں، اور بعض اہم سرکاری شخصیتوں پر بہائی ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے۔

۴۔ حسن اخلاق، شیریں زبانی، ہمان نوازی اور تواضع یہ وہ امتیازی اوصاف ہیں جن کا تجربہ ایک مسلم سیاح کو ایران میں قدم قدم پر ہوتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے ہی بھائیوں اور دوستوں کے درمیان اپنے ہی وطن میں ہے، یہیں جس شہر میں بھی جانے کا اتفاق ہوا ہم نے وہاں حکومت کے ذمہ داروں، شہر کے شرفاء اور معززین کو اپنا منظر اور حشیم براہ پایا، جب ہم کار کے ذریعہ شہر قہرّم جارہے تھے، تو اگرچہ ہمیں پہونچنے میں خاصی تاخیر ہو گئی تھی، لیکن ہم نے حکومت کے ذمہ داروں، اور علماء و معززین کو راستہ کے دونوں طرف دھوپ میں منظر پایا! اس مختصر سفر میں ہمیں اس کا بار بار تجربہ ہوا۔

آخر میں ہم اپنے ایرانی بھائیوں، اور علماء و قائدین کو چند اہم امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

۱۔ انسان اور کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد، اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور صحف سماوی کے نزول کی غرض و غایت یہی تھی کہ اس دنیا میں خدائے تعالیٰ کی عبادت ہو، اور اسی کو لائق پرستش سمجھا جائے، اطاعت شعاری، وفا داری، خشوع و خضوع، اور محتاجی و بندگی کا احساس، یہ وہ صفات ہیں، جو بندے میں خدا کو وحدہ لا شریک ماننے سے پیدا ہوتی ہیں، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ قلبی اور جسمانی طور پر مربوط و وابستہ کر دیں، اور مخلوق کو جسم و جان کے ساتھ خالق کی طرف متوجہ کر دیں، اور اس کی چوکھٹ پر اس کا سر جھکا دیں، انبیاء علیہم السلام کا یہی مقصد جیتا یہی تمنا و آرزو، اور ان کی خوش قسمتی و سعادت کا یہی معراج کمال تھی اس سے ان کی روح کو راحت، اور قلب کو بالیدگی حاصل ہوتی تھی، وہ اس دنیا میں اس لئے تشریف نہیں لائے تھے کہ خالق و مخلوق کے درمیان سد راہ بنیں، یا انسانوں کو کسی خاص گھرانے

سے منسلک، اور کسی خاندان کا فرمان بردار، یا کسی نسل و خاندان سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کریں۔
 خون اور رشتہ کا تقدس، نسلی و خاندانی غرور، اپنے بیٹوں اور پوتوں کے لئے پیشوائی
 کی گدی قائم کر جانا، اور ان کے لئے بڑی بڑی حکومتوں کی بنیاد ڈالنا، اور دائمی سیادت و
 قیادت کی مسند قائم کرنا جو ان کی اولاد میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہے، ان کے مالی مفادات کو
 صدیوں کے لئے محفوظ کر جانا، اور اس کا انتظام کر جانا کہ ہمیشہ کے لئے ان کے مافوق البشر
 ہونے کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں رہے، اور ان کے امتیازات کے گن گائے
 جاتے رہیں، بانیان سلطنت، حوصلہ مند قائدین، دنیا طلبوں، اور مادی منافع کے پرستاروں
 کی نفسیات رہی ہیں، جن کی مثالیں کبشرت حکومتوں، اور شاہی خاندانوں کی تاریخ میں زمانہ ترقی
 میں ملتی ہیں، انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے ماوراء، اور ان کی ذات گرامی ان تمام آلائشوں
 سے پاک و صاف ہوا کرتی ہے، قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی
 بعثت و دعوت اور ان کی ذات گرامی کی اس خصوصیت کو بڑے بلیغ اور مؤثر انداز میں
 بیان فرمایا ہے:-

کسی بشر کے لئے یہ روا نہیں کہ اس کو کتاب	مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
اور حکم و نبوت کا منصب عطا فرمائے، پھر وہ	وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ، ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا
لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے سوا خود میرے بندے	عِبَادَ اللَّهِ مِنْ دُونِ اللَّهِ، وَلَكِنْ كُونُوا
بن جاؤ، بلکہ اس کی تعلیم و ہدایت یہ ہوگی کہ تم	رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ
جس طرح کتاب اللہ پڑھتے پڑھاتے ہو اس کے	وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝
مطابق ربانی یعنی صرف اللہ کے پورے فرمانبردار	وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ
بندے بن جاؤ، وہ تم کو ہرگز یہ حکم نہیں دے سکتا کہ	وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۝ أَيَأْمُرُكُمْ

يَا كُفْرًا بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ تم فرشتوں اور نبیوں کو ارباب بنا لو، کیا وہ

(آل عمران ۷۹-۸۰) تمہارے مسلم ہو جانے کے بعد تم کو کفر کا حکم

دے گا۔

اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیزوں سے ہمیشہ چوکتا رہا کرتے تھے، اور کسی ایسی بات کو قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے جس سے غیر اللہ کے لئے کسی خدائی تقدیس و تعظیم کا شائبہ بھی نکل سکے، یا عباد و معبود کے درمیان کوئی حائل ہونے کی کوشش کرے، اور اس تعظیم و تقدیس کا کوئی ادنیٰ جذبہ بھی غیر اللہ کے لئے پیدا ہو، خواہ اس کا تعلق انہی کی ذات سے ہو، یا کسی تاریخی آثار، عبادت گاہ یا مزار سے ہو، صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ تو میری قبر کو ایسا بت نہ بنا جس کی پرستش کی جائے، ایسے لوگوں پر خدا کا غضب ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، پھر ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، انہوں نے جو کچھ کیا اس سے آپ ڈراتے تھے، ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: "لا تجعلوا قبری عیداً" (میری قبر کو جشن نہ بنا لو) اس موضوع پر احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔

گذشتہ قوموں کی تاریخ اور تجربات نے یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر دی ہے کہ جس جماعت اور قوم نے بھی زیارت گاہوں اور قبروں پر جشن منانا شروع کیا، وہ بالآخر حرم مقدس اور مسجدوں سے بے پروا، ناز باجماعت کے اہتمام سے بے تعلق، اور ہر مصیبت و آفت کے وقت خدا کے سامنے جھکنے، اس کی طرف رجوع کرنے، اور

لے موطا۔ ۳۵ متفق علیہ۔ ۳۵ ابو داؤد، اس روایت کے راوی اہل بیت کرام ہیں۔

جذبہ عبودیت و بندگی سے خالی ہو گئی ہے

ایران کے دوران قیام ہم نے مسجدوں کی بہ نسبت زیارت گاہوں کو زیادہ معمور، پر رونق، اور زائرین سے آباد دیکھا، جس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں کو ان مزاروں سے غیر معمولی لگاؤ اور قلبی تعلق ہے، جب ایک سیاح سیدنا امام علی رضا کے مزار پر حاضر ہوتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی مزار پر نہیں، بلکہ حرم میں ہے، جو حجاج سے بھرا ہوا ہے جہاں آہ و بکا کی صدائیں ہر طرف بلند ہیں، مردوں اور عورتوں کے غیر معمولی اشد حام کا عجیب منظر ان مشاہد میں نظر آتا، غیر معمولی تزمین و آرائش، دولت مندوں اور اہل ثروت کے نفیس تحائف، اور مختلف طبقوں کے زائرین کے نذر و نیاز سے پٹے پڑے نظر آتے، حرم کی اور حرم مدنی، اور اس مزار کے درمیان بمشکل امتیاز کیا جاسکتا ہے، یہی حال فقوڑے فرق کے ساتھ قم میں سیدہ محصورہ کے مقبرہ کا ہے۔

ایران میں مسجدیں عظیم الشان، اور فن تعمیر کے اعتبار سے تو بعض مسجدیں نادرونہ ہیں، ان کی نظیر دوسرے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی، لیکن مقابر و مزارات کے مقابلہ میں ان کی حالت عبرت ناک ہے، ان مسجدوں میں نہ مقابر و مزارات کی طرح بھیڑ نظر آتی ہے، اور نہ وہ جوش و جذبہ اور قلبی تعلق نظر آتا ہے، جو ان مزارات پر دیکھنے میں آتا ہے، بیشتر ”مسجدیں“ مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے، ”ہم مذہب اثناعشری میں عبادات کے خصوصی مسائل اور جمع بین الصلاتین“ اور امامت کے نازک شرائط سے بے خبر نہیں ہیں، ہکمو اس کا اندازہ ہے کہ فقہ جعفری میں بہت سی ایسی گنجائشیں ہیں،

لے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی تو آپ نماز میں مصروف ہو جاتے۔ (ابوداؤد)

جو مذاہب اہل سنت میں نہیں ہیں، اس کے باوجود ہمارا احساس ہے کہ یہ عین ممکن تھا کہ مسجدیں نمازیوں سے اس سے زیادہ معمور نظر آتیں، اور تسبیح و تلاوت کی آواز سے گونجتیں اور مقابر و مزارات کے مقابلہ میں یہاں زیادہ آبادی اور زندگی پائی جاتی، امید ہے کہ ایران کے علماء و فضلاء، اور جو لوگ دینی غیرت سے بہرہ مند ہیں (اور ان کی بڑی تعداد ہے) وہ اس اہم مسئلہ کی طرف اپنی خصوصی توجہ منعطف کریں گے، یہاں تک کہ باہر سے آنے والے کو مساجد و مشاہد کا اتنا فرق نہ محسوس ہوگا۔

لے اس حقیقت و واقعیت کا اعتراف کرنا ضروری ہے، کہ قبر پرستی، اور دور سے اس مقصد کے لئے خصوصی سفر، سالانہ عرس و اجتماع، اور شرکانہ اعمال و رسوم، برصغیر ہندو پاک و مصر کے اہل سنت میں بھی بکثرت مروج ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا ہوگا کہ ہر زمانہ میں سلف سے خلف تک ایسے حق گو اور صداقت کے علمبردار علماء و بڑی تعداد میں موجود رہے جنہوں نے ان بدعات اور شرکانہ رسوم و رواج کی کھل کر مخالفت کی اور اس کی بیخ کنی کے درپے رہے اس راہ میں انکو جہلم و عوام کے غیظ و غضب کا بھی نشانہ بننا پڑا، لیکن وہ ہمیشہ عوام کو ان گمراہیوں سے بچتے رہنے کی تلقین کرتے رہے، اور کسی ملامت اور مخالفت کی پروا کئے بغیر حق کوئی دے باکی سے توحید خالص کی دعوت دیتے رہے، ان مصلحین سے عالم اسلام کا کوئی خطا و تاریخ اسلام کوئی وقفہ خالی نہیں ہا مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی کتابیں قبر پرستی اور شرکانہ بدعات و رسوم کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں، اثنا عشری حضرات کی اصلاح و تجدید کی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں، ہمیں اس کا علم نہیں کہ شیعہ حضرات میں ایسے داعی و مصلحین مت ہوئے ہیں یا نہیں، جنہوں نے قبر پرستی اور شرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف اعلان جہاد کیا ہے، توحید خالص کی دعوت میں کسی مخالفت و خطرہ کی پروا کی ہو۔

اہل بیت کی عقیدت و محبت میں غلو کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ اور
ائمہ اہل بیت کی تصویریں کثرت سے گھروں اور مسجدوں میں نظر آتی ہیں، بلکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصاویر بھی جا بجا آویزاں نظر آئیں، خاص طور پر مسجد سپہ سالار تہران
میں وہ بری طرح سے آنکھوں کو چھیں، یہی تصویریں بت پرستی اور شرک تک لے جاتی ہیں،
گذشتہ قوموں نے صلحاء و اولیاء کی تصویریں اور مجسمے تراش کر بت پرستی کی بنیاد ڈالی تھی،
اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو اس خطرہ سے محفوظ رکھے، اور تمام مشرکانہ رسوم و رواج سے
حفاظت فرمائے۔

۲۔ حضرات ائمہ اہل بیت ہمیشہ تاریکی میں مینارہ نور، اور ہدایت و رہنمائی کے امام
رہے ہیں، اس میں کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا، لیکن ہمارا احساس یہ ہے کہ
شیعہ حضرات کا ان ائمہ اہل بیت سے اتنا غیر معمولی جذباتی تعلق، اور اہل بیت کی محبت
میں حد سے بڑھا ہوا انہماک و عقل و جذبات اور ضمیر پر غالب آ گیا ہے، اور ہمارا تاثر یہ ہے کہ
اس شفیقتگی و شفقت نے اس تعلق و محبت کو کسی حد تک مجروح اور کمزور کر دیا ہے، جو نبوت محمدیؐ
اور ذات نبوی کے ساتھ ہر مسلمان کا ہونا چاہئے جس کی وجہ سے اہل بیت نے عزت و شرف
کا مقام حاصل کیا، اور وہ ہماری محبت و تعظیم کے مستحق قرار پائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
اس اندرونی ربط و تعلق کا ایک حصہ جو اس ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھا، اس تعلق میں
داخل ہو گیا۔

لے صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ام المومنین ام سلمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا، جو انھوں نے (اپنی
ہجرت کے موقع پر) ملک حبش میں دیکھا تھا، انھوں نے ان تصویروں کا بھی ذکر کیا جو حضرت (باقی صفحہ پر)

چنانچہ ایران کے اخیر دور کے نعتیہ کلام میں (جس کی کچھ زیادہ مقدار نہیں ہے) وہ خوش و خروش، طبیعت کی روانی، اور مضامین کی آمد نہیں ہے، جو ان نظموں میں نظر آتی ہے، جو مناقب اہل بیت، مرثیے، اور خاص طور پر سیدنا علی مرتضیٰؑ، اور حضرت حسینؑ کی مدح و توصیف، اور مصائب اہل بیت کے بیان میں کہی گئی ہیں۔ یہ فرق شیعہ حضرات کے یہاں ہر جگہ نعت نبویؐ، اور اہل بیت کی مدح و توصیف کے درمیان دیکھا جاسکتا ہے، اردو میں انیس و دسیر کے مرثیے پڑھے، اور اس کا خود ان کے اور دوسرے شعراء کے نعتیہ کلام سے مقابلہ کیجئے، جو ان کے ہم مسلک، اور ہم مذہب تھے، دونوں میں آمد و آورد، اور اصل و غنمی کا فرق محسوس ہوگا، کم و بیش یہی فرق سیرت نبویؐ، اور مناقب اہل بیت میں پایا جاتا ہے، یہی چیز ہم نے ایران میں دیکھی کہ وہاں مشاہد و مقابر سے جو تعلق ہے، وہ مساجد سے نہیں معلوم ہوتا، نجف و کربلا، اور عتبات عالیہ کے سفر کا جو شوق ہے وہ حرمین شریفین کی زیارت، اور سفر حج کے سلسلہ میں نظر نہیں آتا۔

(باقی صفحہ ۱۰۶) عیسیٰ اور مریم کی وہاں موجود تھیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب کسی نیک آدمی، یا نیک بندہ کا انتقال ہو، تو اس کی قبر پر مسجد کی تعمیر کرتے، اور اس مسجد میں اس کی تصویر یہ لگاتے، اللہ تعالیٰ کے یہاں بدترین خلائق میں ان کا شمار ہے۔

سیرت ابن ہشام کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، اور اپنے فرشتوں وغیرہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر دیکھیں تو اپنے حکم دیا کہ یہ سب تصویریں مٹا دی جائیں۔ (ابن ہشام ج ۴ ص ۳۳۱)

لے اہر چند برسوں سے ایرانیوں میں حج کے سفر کا شوق، اور ایرانی حجاج کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے، حکومت ایران اور وہاں کے محکمہ اوقاف نے اپنے حجاج اور زائرین کی سہولت و راحت کے لئے جو انتظامات کئے ہیں، وہ بھی قابل تعریف، اور قابل تقلید ہیں۔

ہو سکتا ہے، ہمارے اثنا عشری بھائیوں میں یہ رد عمل اہل سنت کے بعض علماء اور پر جوش حضرات کے رویہ، اور اہل بیت کے حقوق کے اعتراف میں کوتاہی سے ہوا ہو، لیکن یہ بات رد عمل سے کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے، محبت و عقیدت، جوش و جذبہ، اور تقدیس و تعظیم کا جو مالہ اس روحانی مرکز کے گرد بن گیا ہے، اور اس کی مدح و توصیف میں جس مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ چیز امامت کو نبوت کا حریف، اور اس کی بہت سی صفات و خصوصیات میں شریک و سیم نہ بنادے اگر ایسا ہوا تو پوری زندگی کا دھارا ایک ایسے مرکز کی طرف نہ جانے گا، جو افضل الانبیاء، خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو پہلو پر وہاں چڑھے گا۔

اس نقطہ نظر کے اثرات و نتائج شعر و ادب، اور سوچنے سمجھنے کے انداز میں بھی ظاہر ہونے قدرتی ہیں، میں اس کی تفصیل میں زیادہ جانا نہیں چاہتا، لیکن ہمارے منصف مزاج ایرانی بھائی اپنے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کریں، تو انھیں اس کا اندازہ ہوگا کہ خواہ وہ سو فیصد ان باتوں سے اتفاق نہ کریں تاہم یہ باتیں ان کو از سر نو غور کرنے کی دعوت ضرور دیتی ہیں، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا، کہ ائمہ اہل بیت دین اور توحید خالص کی دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح جانشین تھے، وہ ہر اس چیز کے دشمن تھے، جو مخلوق کو اپنے خالق سے غافل کر دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کو لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ اس کے حق میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے، اور کسی ایسی چیز کو قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے، جو خالق و مخلوق کے تعلق کو کمزور کر دے، یا مخلوق کو مخلوق کے ساتھ مشغول کر دے، ان کی دعوت و کوشش مخلوق کے بجائے خالق سے رابطہ قائم کرنے، ظاہر دنیا سے بے رغبتی، زہد و توکل کی زندگی، اور علم، نافع کی اشاعت میں مشغولیت تھی۔

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے، اور شیعوینیوں کے درمیان وسیع اور گہری خلیج کو پُر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جذبات و تعلق کے اس کرنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت، اور آپ کی نبوت کی طرف موڑ دیا جائے، اس لئے کہ آپ کی ذات گرامی مسلمانوں کا مرکز توجہ ہے، اور آپ کی نبوت ہی سے حیرتہ المتا ہے، اور آپ ہی وہ روشن چراغ ہیں، جس نے پوری دنیا کو منور کیا ہے، یہ ایسا عظیم الشان تجدیدی کام ہے، جس کے لئے نہایت قوی الارادہ، صاحبِ عزم، بلند ہمت مصلحین و مفکرین کی ضرورت ہے، جب بھی یہ کام پورا ہوگا، اسلام کی فکری، اور تجدیدی تاریخ میں ایک انقلاب انگیز، اور بے نظیر کارنامہ ہوگا، اسی ٹھوس اور مستحکم بنیاد پر حقیقی اور فطری اسلامی اتحاد قائم ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ ہر کوشش مصنوعی اور غیر فطری ہوگی۔

۳۔ اگر اثنا عشری حضرات خلوص دل سے چاہتے ہیں، کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ایک دوسرے سے قریب آئیں، اور وہ صاف دل سے متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہوں تو انہیں صحابہ کرام، اور اہمات المؤمنین کے بارے میں اپنے طرز فکر میں تبدیلی کرنی ہوگی، اس لئے کہ افراد اور جماعتوں کی محبوب و محترم شخصیتوں کا جب تک احترام نہ کیا جائے گا، اس وقت تک یکجہتی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دو آدمی ایک مقصد کے لئے جوش و خلوص، صاف دلی اور جذبہ و تعاون سے آپس میں نہ ٹھیں، لیکن ایک سانحہ دوسرے سانحہ کی مثالی محبوب و محترم، اور محبت و عقیدت کی مرکزی شخصیت کو نامناسب الفاظ میں یاد کرے، طنز تشنیع، اور بے سرو پا الزامات لگانے کو خدا کے یہاں تقرب کا ذریعہ خیال کرے، ہم میں سے ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے، جب اساتذہ و شیوخ، اور آباد و اجداد کے بارے میں ہمارا یہ تجربہ ہے تو بھلا ان پاک نفوس کے بارے میں ہمارا کیا حال ہوگا، جن کو

انسان اپنے آبا و اجداد، اور اساتذہ و شیوخ سے کمین زیادہ افضل اور بزرگ سمجھتا ہے، اور ان پر اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، اور ان کو دین کا سچا خادم، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جان نثار فدائی خیال کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کرام نے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے، اور دینی دعوت کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، اور دنیا کی زندگی میں زہد و تقشف اور ایثار و قربانی کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔

اس جذباتی پہلو سے قطع نظر اس مسئلہ کی بہت بڑی تبلیغی اہمیت، اور علی قدر قیمت ہے، لوگ ہمیشہ دعوت کی صداقت، اور کسی مذہب کی تعلیمات کی خوبیوں کا فیصلہ اس سے کرتے ہیں کہ اس دعوت نے کیسے اخلاقی نمونے، اور عملی مثالیں پیش کیں، اس دعوت نے اپنے ابتداءئی دور میں کس طرح کی نسل تیار کی، اور آدم گری، و مردم سازی کا کیا کمال دکھایا، صداقت کو اپنی دعوت و تربیت میں کھانک کایابی حاصل ہوئی؟ اساتذہ و معلمین، قائدین و مصلحین، اور ماہرین فن و صناعات کی کامیابی کا بھی ہمیشہ سے یہی پیمانہ رہا ہے، اگر ان کو اپنی کوششوں میں معتد بہ کامیابی حاصل ہوئی، اور انھوں نے خاصی تعداد میں ایسے لوگ تیار کئے جن سے ان کے کمال فن کا اظہار ہوتا تھا اور ان کی محنت ٹھکانے لگتی تھی، تو ان کی فنی مہارت، اور ان کا امتیاز بے چون و چرا تسلیم کر لیا گیا، اور ان کو اس فن کا امام اور اپنے مقصد میں کامیاب مان لیا گیا، لیکن اگر ان کی کوششوں کے نتائج برائے نام، اور کامیابی بہت محدود پیمانے پر ہوتی ہے، یا اپنے شاگردوں اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی جدوجہد ضائع ہو جاتی ہے، اور یہ شاگرد اپنے اساتذہ اور مربیوں کے اس دنیا سے جاتے ہی ان کی جدوجہد کو ناکام ثابت کر دیتے ہیں، اور ان کی تربیت کے اثرات بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں، تو ان اساتذہ اور مربیوں کو اپنی تعلیم و تربیت کی مہم میں ناکام سمجھا جاتا ہے۔

اس موقع پر لوگ یہ سوال کرنے میں حتیٰ بجانب ہوتے ہیں کہ جب یہ دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دوزخ و جہنم میں کوئی دیر پا، اور گہرے نقوشِ مہم نہ کر سکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے ابتداء ہی میں اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صراطِ مستقیم پر صحابہ کرام کو چھوڑا تھا، ان میں سے معدودے چند آدمی ہی اس پرگامزن رہ سکے، تو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس کے اندر نفوس کے تزکیہ کی صلاحیت ہے، اور وہ انسان کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کی ایک اہم ضرورت، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت و تاریخ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صحابہ کرام کے محاسن کا اعتراف کریں، ان کے کارنامے کی عظمت و اہمیت، ان کی وفاداری، باہمی محبت و تعاون علی الحق کے نقوش کو اجاگر کریں، اور اس تابناک تاریخ کا یہ روشن ورق دنیا کے سامنے پیش کریں۔ ان کی بھول چوک، اور بشری کمزوریوں کی حیثیت تاریخ کے صاف شفاف صفحہ پر ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ نہیں، عجیب منطق اور عقل سلیم بھی اس موقف کو قبول کرتی ہے اور قرآن مجید اور مستند تاریخ سے بھی یہی موقف درست ثابت ہوتا ہے، قرآن مجید نے بھی سابقین اولین، اور سلف صالحین کے متعلق اسی روش کو قابلِ تعریف قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ، وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور بہائے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے، اور نہ رکھ

غَلَا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ

ہمارے دلوں میں بے ایمان والوں کا، اے رب!

رَحِيمٌ (المکثر ۱)

تو ہی نرمی والا مہربان ہے!

گذشتہ قوموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان کے انبیاء علیہم السلام کے حواری اور فقار مخلوق خدا میں سب سے بہترین لوگ ہیں یہ قومیں اپنے پیغمبروں کے حواریوں اور رفیقوں کی محبت و عقیدت میں معروف مشہور تھیں اس لئے ہمیں صحابہ کرام سے اور زیادہ محبت و عقیدت ہونی چاہئے، جو اس نبی کے رفیق و حواری ہیں جس نے اس دنیا پر سب سے زیادہ گہرا اور لافانی اثر ڈالا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رُسُلًا مِنْهُمْ
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ
لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول
انہیں میں کا، وہ پڑھ کر سنانا ہے، ان کو اللہ کی
آیات، اور سنوا زاتا ہے، اور سکھاتا ہے، ان کو
کتاب و حکمت اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے
تھے صریح بھول میں۔

(المجموعہ ۳)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ، وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (الفتح ۲۸)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت
دی اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام
دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اگر ہم مختلف مسلک کے لوگوں کو قریب کرنے کے لئے خلوص دل سے کوشش کرنا
چاہتے ہیں، تو پھر یہ کوشش ٹھوس اور فطری بنیاد پر ہونی چاہئے، اس نفسیاتی اور فطری
راستہ کے علاوہ جو کوشش بھی کی جائے گی، وہ ناکام اور غیر فطری ہوگی، ہم نے ایک موقع پر
علامہ تقی النعمی (جو اس مقصد کے لئے تیس سال سے کام کر رہے ہیں) کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ

ہمارے یہاں اردو کی ایک مثل ہے کہ "تالی ایک ہاتھ سے نہیں بچتی" میں اس میں اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ صرف دو ہاتھ بھی کافی نہیں، ان میں خلوص، عزم اور سنجیدگی بھی ہونی چاہئے، اگر کسی ہاتھ میں ڈھیللا پن اور سستی ہوگی، تو تالی نہیں بچ سکتی، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تقریب میں المذاہب کوئی مشینی عمل نہیں، زبان سے زیادہ اس کا تعلق دل سے ہے، اور خارجی مسئلہ سے زیادہ اس کا تعلق اندرونی مسئلہ سے ہے، ابھی کسی ایسے گوند کی ایجاد نہیں ہو سکی جس سے کاغذ کی طرح دل بھی جڑ جائیں، اس لئے یہ خواہش، اور جدوجہد دل سے اٹھنی چاہئے، اور اس میں اتنی روانی اور بال ہونا چاہئے کہ دل اس کی قوت، اور حرارت محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے، اس کے لئے آپس میں مفاہمت کرنی ہوگی، کچھ چیزوں سے دست بردار ہونا، اور کچھ کسر و انکسار سے کام لینا پڑے گا، لیکن ایک بار جب ہمارے دل اس کو قبول کرنے پر تیار ہو جائیں گے، تو پھر محبت و اعتماد کے سیل رواں کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے گی، اس لئے کہ محبت اپنی راہ کی ہر رکاوٹ اور بغض و عداوت کی ہر کمزورت کو بہا لے جاتی ہے۔

۴۔ آخر میں ایران کے اہل علم و اہل دین کی توجہ قرآن سے زیادہ اعتناء کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ایرانی بھائی قرآن کریم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، ان کو اس سے محبت ہے، اور وہ اس سے بے تعلق نہیں، اہل ایران قدیم زمانہ سے قرآن کی زریں کتابت و نقاشی میں آگے رہے ہیں، اس کو کتب خانوں اور میوزیم میں خاص اہتمام سے رکھتے، اور اس پر فخر کرنے اور بہتر سے بہتر طریقہ پر زیور طباعت سے آراستہ کرنے میں اب بھی وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے پیچھے نہیں ہیں، ایران کے قدیم و جدید علمائے قرآن مجید کی بلند پایہ تفسیریں بھی لکھی ہیں، جن میں سے متعدد ہندوستان میں بھی مشہور و متداول رہی ہیں۔

لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے ساتھ ایرانیوں کا تعلق اس سے کہیں زیادہ گہرا ہونا چاہیے، اس کی ضرورت ہے کہ اس کا ذوق ہر ذوق پر غالب، اور اس کی روح جسم و جان میں ساری و جاری ہو، جس کا ایک نتیجہ کثرت تلاموت، اور حفاظت کی کثیر تعداد کی شکل میں ملک میں دیکھا جاسکے، اس کو ہر چیز پر ترجیح دی جائے، اس کو ہر مسئلہ میں رد و قبول کا معیار، اور فن و فنون کی میزان سمجھا جائے، وہی ہمارے علم و ادب عقیدہ و عمل، اور سیرت و اخلاق کا سدرۃ المنتہی ہو۔

مجھے اس میں شک نہیں، ہمارے ایرانی فضلا، اور مفکرین ان پیش کردہ حقائق میں سے بعض تحقیقوں کو محسوس کرتے ہیں، اور ان کی اشاعت و ترویج، اور تقویت کی ضرورت کا انہیں اعتراف ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الشان تجدیدی کام ہے، اور اس سے وہی بالکمال شخصیتیں عہدہ برآ ہو سکتی ہیں، جو اپنے علمی وقار و احترام کو دلوں پر لگادیں، اور اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں، لیکن اس کامیابی سے جو خوشی و مسرت حاصل ہوگی، اس سے بڑھ کر کوئی مسرت نہیں ہو سکتی، اس سے تاریخ ان کو جس عزت و احترام کے مقام پر رکھے گی، اس کی برابری کوئی عزت و مرتبہ نہیں کر سکتا، اسلام کی صاف شفاف پیشانی، اور اس کی حقیقت پر جو گرد و غبار اٹ گیا ہے، تاریخ کے لمبے نے جس طرح اس کے رخ زیبا کو چھپایا ہے، اور انکار و تقلید کی جو دبیز تہہ جم گئی ہے، اس کو ہٹانا، اور قرن اول میں دین کی جو حالت تھی، وہ حالت پھر سے پیدا کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہیں، بلکہ بہت بڑا جہاد، اور عظیم الشان تجدیدی کام ہے، توحید خالص، اور حقیقت دین کو اپنانے کے لئے قرآن کی دعوت صرف دوسرے مذاہب اور غیر مسلم اقوام ہی کو نہیں، امت کے تمام طبقوں اور گروہوں سے بھی ہے، وہ کسی عہد کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لئے یکساں ہے۔

تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
 لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا
 يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ
 او ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں
 کہ بندگی نہ کریں، مگر ہم اللہ کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں
 اس کا کسی کو، اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب
 (آل عمران ۶۴) سوال اللہ تعالیٰ کے۔

ہم اپنے ایرانی بھائیوں سے پھر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ معروضات محض خلوص حسرت
 اسلامی اتحاد کی زبردست خواہش اور ذمہ داری کے احساس کی بنا پر پیش کی گئی ہیں، اگر آپ کو
 بین السطور کوئی ایسی چیز نظر آئے جس سے آپ اتفاق نہ کر سکیں، یا حقیقت و واقعیت کے
 خلاف افراط و تفریط دیکھیں، تو ہم معذرت خواہ ہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، بے عیب
 ذات صرف خدا کی ہے۔

ایرانی دوستوں سے ایک سوال

ایرانی بھائیوں سے رخصت ہونے سے پہلے ہم ان کے سامنے ایک ایسا سوال رکھنا
 چاہتے ہیں، جو بہت سے دماغوں میں ابھرتا رہا ہے، وہ سوال یہ ہے کہ آخر ایران جیسا زرخیز
 و مروج خیز ملک جس نے گزشتہ دور میں بھی ہر علم و فن اور زندگی کے ہر میدان
 میں بڑی تعداد میں ایسے جینیس، اور عبقری انسانوں کو پیدا کیا، جو اپنی غیر معمولی ذہانت و
 صلاحیت میں عام سطح سے بلند نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ طبقات و تراجم اور سیرت و تاریخ
 کے مطالعہ کرنے والے کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے ایران میں بجز جینیس اور عبقری
 انسانوں کے اور کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا، اور لنکامیں ہر ایک باوقار گزہی کا ہوتا ہے، لیکن ایران
 کے دور آخر پر نظر رکھنے والا حیرت و تعجب سے سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس مروج خیز ملک میں

با کمال انسان پیدا ہونے کیوں بند ہو گئے، اسلامی علوم و فنون میں مہارت، ذہانت و ذکاوت علمی تحقیق، حتیٰ کہ ادب و شاعری کیسے انحطاط و زوال کا شکار کیوں ہیں، صدیاں بیت گئیں، نسلوں پر نسلیں گزر گئیں، اور کسی ایسے عالم، ادیب و شاعر، مصنف و محقق، ریاضی داں، فلسفی یا ایسے فائدہ ور نہ بنا کا نام تک نہیں سننے میں آتا، جو اپنے کارناموں سے دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے، اور زمانہ کی آنکھوں کو خیرہ کر دے، دسویں صدی ہجری کے بعد یہ خلا اس شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال جیسا ایرانی ادبیات کا گرویدہ، اور ایران کی تاریخ کا سچا طالب علم بھی شکایت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

نہ اٹھا پھر کوئی روی عجم کے لالہ زاروں سے

وہی آب و گل ایران، وہی تبریز ہے ساقی

ہم نے ایرانی علماء اور دانشوروں کے سامنے بھی یہ سوال پیش کیا، اور ان سے اس موضوع پر تبادلہ خیال بھی کیا، مگر کوئی تشفی بخش جواب ہمیں نہ مل سکا، یہ سوال ہمارے ذہنوں میں برابر گونج رہا ہے کہ ایران کے جمود و انحطاط کا کیا یہ سبب تھا کہ خیالات کی بلندی حوصلہ مندی، مادیت کے خلاف بغاوت، حقیقت کی جستجو، ساز و دل کو چھوڑنے اور روح کے سرچشموں کو جاری کرنے میں جس تصوف نے مرکزی اور بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس کا خاتمہ ہی انحطاط کا حقیقی سبب ہے، یا اس زوال و انحطاط کی وجہ وسائل کی فراوانی زندگی کی آسانی، اور عمومی فاسخ ابائی ہے، جس سے ایران کو مدت دراز سے متمتع ہونے کا موقع مل رہا ہے، اور جس کی وجہ سے طبیعتوں میں سہولت پسندی، اور عزائم میں انفسردگی اور سستی پیدا ہو گئی ہے، یا اس انحطاط و جمود کی علت یہ ہے کہ علم و مسلک کے بارے میں ایران میں عرصہ سے ایک مخصوص و محدود شکل پر انحصار کر لیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے مسلک

اور ہر نظام کو ملک سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی، اس طرح ایران صفویوں کے دور کے بعد سے ایک غول میں زندگی گزار رہا ہے، اور اس کو باہر کی علمی دنیا کے بھونکنے جو اس کے علمی و فکری قویٰ میں حرکت پیدا کریں، اور اس کے علمی و ادبی ذخیرے میں اضافہ کریں، نہیں پہنچنے پاتے، یا اس سے زیادہ کوئی اور عین وسیع سبب ہے جس کی طرف ہماری نظر نہیں پہنچ سکی۔

فلسفہ، تاریخ اور قوموں کے عروج و انقلاب سے اس سوال کا گہرا تعلق ہے، حقیقت تک رسائی اور علمی تحقیق کے لئے اس سوال کا تشفی بخش جواب ضروری ہے، ہم یہ جواب سی ایران سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، جس نے اپنی علمی و ادبی صلاحیت، و ذہانت سے ایک عرصہ تک پوری دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کر رکھا تھا، اس کو اس اہم اور نازک سوال کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اور اپنی گذشتہ شاندار تاریخ کو اسے پھر دہرا نا چاہئے، یہ بات ایران، عالم اسلام بلکہ انسانی دنیا کے مفاد میں ہے۔



آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفتہ ایران کو بیدار کر دیا

(یہ اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ۱۵ جون ۱۹۷۳ء کو
اس جلسہ استقبال میں کی گئی تھی جو آیت اللہ اعظمیٰ مرزا محمد علی کمرای کے دولت کد
واقع زرین نعل تہران میں منعقد کیا گیا تھا۔ ترجمہ مولوی اجمل اصلاحی ندوی کے قلم سے ہے)
حضرات! ابھی آپ کے سامنے قاری نے سورہ آل عمران کی مشہور آیت کی
تلاوت کی:-

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو	وَأَعْتَمِدُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا
اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم	تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام	إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءُ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس	فَأَصْبَحْتُمْ بِيَعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ
اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت	عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ
ڈال دی سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں	مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝
بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے

(آل عمران - ۱۰۳) گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ

نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ

تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتاتے رہتے

ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

ہمارے فاضل دوست استاد احمد محمد جہاں نے اس آیت کے پہلے حصہ بحث کی

ہے، میں اس کے دوسرے حصہ یعنی :-

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے

فَانْقَذَاكُمْ مِنْهَا، كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی

لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝
اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام

بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ

(آل عمران - ۱۰۳)

پر رہو۔

پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز اس پر غور و فکر کی دعوت دوں گا۔

حضرات! یہ آیت کریمہ ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے دلوں پر

نقش رہنی چاہئے، اس آیت میں اس عظیم نعمت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ

کو سرفراز فرمایا ہے، اور اے باشندگان ایران آپ ہی تنہا اس نعمت کے مالک نہیں ہیں،

بلکہ ہم برصغیر کے رہنے والے، بلکہ اس روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمان، بلکہ اس

جزیرۃ العرب کے باشندہ بھی جہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور ساری کائنات پر

چھا گئیں، اس عظیم نعمت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

ہم سب جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، نہ توحید و نبوت سے واقف تھے، نہ حشر و نشر کی خبر تھی، اخلاقی قدروں سے یکسر نا آشنا، اور صحیح مذہبی تعلیمات سے قطعاً بے بہرہ تھے، اوہام و خرافات میں گرفتار تھے، ظالم و جابر حکومتوں کے جوہر و اسبنداد کا شکار تھے، انسانیت ہر طرف پامال ہو رہی تھی۔

ایک طرف مطلق العنان حکمران، دوسری طرف علم و مذہب کے اجارہ دار علماء و مجتہد بنے بیٹھے تھے، عوام ان کی پرستش، اور اندھی اطاعت پر مجبور تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اتَّخَذُوا الْاَحْبَارَ هُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ۔ (التوبہ - ۳۱) کو (یا بقدر اطاعت کے) رب بنا رکھا ہے۔

اسلام آیا، اور اس کی ضیا پاشیوں نے روئے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کیا، اسلام کی نعمت ساری انسانیت کے لئے عام تھی، وہ اس بارش کی طرح تھی، جو پید و سیاہ اور بندہ و آفاکے درمیان امتیاز نہیں کرتی، وہ تو بادل تھا، جو پست و بلند، گلشن و صحرا، سب کو سیراب کر گیا، اور حق تو یہ تھا، کہ اسے عربی شاعر کے اس قول سے مخاطب کیا جائے۔

فاذهب مکاذھبت غوا دی مزنة

أشنى علیہا السهل ولا وعار

ایک فارسی شاعر کا قول ہے، جو زیادہ بلیغ ہے

پر تو مہر بویرانہ و آباد کیست

حسن چون تیغ کشد بند و آزاد کیست

اس نعمت سے عظیم تر کوئی نعمت نہیں، یہاں تک کہ زندگی بھی ایسی ہر لذت و مسرت کا

سرچشمہ ہے، اگر اسلام توحید خالص، اور ایمان کی نعمت نہ ہوتی، تو یہ زندگی ایک عذاب مسلسل ہوتی، اور اس کی حیثیت جہنم تک پہنچنے کے لئے ایک پل سے زیادہ نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے ہمیں نوازا، اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اور اس نعمت کے حصول میں ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی، اور آپ کی بعثت و رسالت، اور دعوت و جہاد کا ناقابل فراموش احسان ہے۔

اقبال کا یہ کتنا کسی طرح بے جا نہیں ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (علیہ السلام) توحید نہ ہوتے، اگر آپ کے اصحاب اور اہل بیت نہ ہوتے، اگر دعوت اسلامی کے وہ اولین داعی اور اس کی راہ میں جان کی بازی لگا دینے والے مجاہدین نہ ہوتے، تو نہ اسلامی ایران ہوتا، نہ اسلامی ہند، نہ اسلامی مصر، نہ اسلامی شام، کسی بھی اسلامی ملک کا وجود نہ ہوتا، یہاں تک کہ وہ جزیرۃ العرب بھی جو ہماری محبت و عقیدت کا مرکز ہے اور جس کی طرف ہم منکر تے ہیں موجود نہ ہوتا ہمارے اور آپ کے درمیان کبھی کبھی رشتہ نہ ہوتا، خصوصاً جبکہ ہم مشرق اقصیٰ کے باشندے ہیں اور آپ ایران کے حضور ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمام ملکوں اور قوموں کو ایک شیرازہ میں منسلک کیا، مختلف دلوں اور دماغوں کو ملنے کا موقع نصیب ہوا، افکار و خیالات کا اختلاط ہوا، نت نئے علوم و معارف نے جنم لیا، علم کا ایک چشمہ ہندوستان میں بہہ ہاتھا، تو دوسرا ایران میں، دونوں میں ایک طویل فاصلہ تھا، اسی طرح اور بھی نہ جانے کتنے چشمے ہزاروں سال پہلے اپنی تنگ راہوں میں رواں تھے، اسلام آیا تو اس نے ان کبھرے ہوئے بے شمار سوتوں کو ایک عظیم چشمہ صافی میں بدل دیا، اسے ایک بلند اور مشترک مقصد کی خاطر استعمال کیا، اور انسانیت کے لئے مفید اور نتیجہ خیز بنایا، اس طرح ہندوستانی و ایرانی اور عربی و عجمی افکار کا ایسا نفع بخش، اور خیر و برکت سے معمور امتزاج وجود میں آیا جس کی نظر

تمدن و ثقافت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ایرانیوں کے ذوق جمال، وسعت خیال، لطافت احساس اور عربی کی سلامتی طبع، بلند جوصلگی، حقیقت پسندی، اور اسلامی عقائد و اعمال کا ایسا سنگم چشم فلک نے کاہے کہ وہ دیکھا ہوگا۔

ایران اپنے خواب گراں سے بیدار ہوا، اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ملا، اس کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں، تو ایسا معلوم ہوا، گویا یہ سرزمین جنینیں اور کیتائے روزگار شخصیتوں ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے، گویا علم و ادب اس کے خمیر میں داخل ہے، ذوق جمال اس کی آب و ہوا میں بسا ہوا ہے، گویا اس میں عالم، ادیب، شاعر، فن کار، یا صوفی، مربی، مدرس اور مصنف کے سوا کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا، اگر کوئی فقہ و حدیث، شعر و ادب، اور تصنیف و تالیف کے میدان میں چوٹی کی شخصیات کو بھی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا، تذکرہ و تاریخ کی کتابیں ان کے حالات اور کارناموں سے بھری پڑی ہیں، خدا معلوم کتنے ممالک نے ہندوستان کی طرح ایران کے اس علمی و ادبی خوان لینما سے خوشہ چینی کی ہے، ہم سب ان کے علم و فضل کے بحر بیکراں سے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں، ان کے شعر و ادب سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں، اور ان کی تقلید و اتباع پر فخر کرتے ہیں۔

لیکن یہ تمام عبقری اور کیتائے روزگار شخصیات جن کے زبردست علمی کمالات، و ادبی معجز طرازیوں نے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا، اسلام ہی کے نو نہال، اور دعوت اسلام ہی کے پیداوار تھے، ان سب کو اس نئے دین نے جنم دیا تھا، جس کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اسلام اور اخوت اسلامی کے سایہ میں

آپ سے اس مبارک ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مشرق و مغرب کے سارے مسلمان اسی عالمگیر اسلامی اخوت کے لئے بے قرار ہیں، لیکن یاد رکھئے دنیا و آخرت کی ہر سعادت کا سرچشمہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت، ذلت کے بعد عزت، اور تنگ دستی کے بعد وسعت سے نوازا، اور جہل کے بعد علم، اور اختلاف و انتشار کے بعد اتحاد کی دولت سے الامال کیا۔ اسلامی تہذیب کے سوا کوئی ہماری تہذیب نہیں، اسلامی تاریخ کے سوا کوئی ہماری تاریخ نہیں، اسلام کے عطا کردہ عزت و سر بلندی کے علاوہ ہمارے لئے کوئی عزت و سر بلندی نہیں، ہم تمام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جی رہے ہیں۔

آپ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی، بنی آدم میں سے جس کو بھی سعادت و خیر کا کوئی ذرہ ملا، وہ خواہ امیر المومنین علی بن ابی طالب ہی کے مرتبہ کا کوئی شخص کیوں نہ ہو، سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہی سے نصب ہوا۔

اگر آپ نہ ہوتے تو کسی کو نہ دین میں کوئی فضیلت حاصل ہوتی نہ ایمان و یقین کا کوئی حصہ کسی کو نصیب ہوتا، اور نہ کسی کے یہ حیرت انگیز کارنامے سامنے آتے، جو تاریخ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں، اور جن پر مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے۔

اور آج بھی کسی شخص کو اگر اس سعادت کا کوئی حصہ ملا ہے تو وہ بھی اسی ذات گرامی کے طفیل حضراتِ باہر طرف ناکہ بندی ہے، ساری راہیں سدود، اور سارے دریچے بند ہیں صرف اسلام کا راستہ ہے، اور صرف ایک دریچہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ کھول رکھا ہے، ارشاد ہے:-

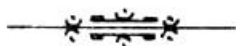
إِنَّ الْبَيْتَ عِنْدَ اللَّهِ الْأَشْمَلُ (آل عمران: ۹۶) بلاشبہ دین (حق و تقویٰ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم عرب و عجم سب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں، اور اپنا علمی، عقلی، فکری، تہذیبی، اور اعتقادی سلسلہ آپ ہی سے جوڑتے ہیں، ہر شخص نے آپ ہی کی شمع ہدایت کب نور کیا ہے، اور ہر شخص آپ ہی کی دانش گاہ کا فیض یافتہ ہے، شاعر نے خوب کہا ہے ۵

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آن
ہر کجای نگرم انجمنے ساختہ اند

امت اسلامیہ کے اندر جب تک اس حقیقت کا عرفان رہے گا، اور جب تک اس اصول کو وہ مضبوطی سے تھامے رہے گی بے راہ نہیں ہو سکتی، اور نہ مصائب و مشکلات کا شکار ہو سکتی ہے۔

انجیر میں آپ کے پر خلوص اعزاز، اور آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ایمان کی تکمیل، اور اس کی حفاظت فرمائے، خاتمہ بالخیر ہو، اور قیامت کے روز ہمارا نام ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست میں ہو جن کے چہرے دیکتے ہوں گے



مسئلہ صرف دین لادینیت کا ہے

(میں رابطہ کے وفد کی پذیرائی ایران کے مشہور عالم علامہ شریعتداری نے اپنے دولت کدہ پر کی، موصوف کے اشارہ و ایما سے ایک عالم شیخ سعید النعمانی نے ایک خیر مقدمی تقریر کی جس میں انھوں نے خیر مقدمی تمہید کے بعد اتھا و التفاق پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے اب بھی اختلاف و انتشار کے سیاہ صفحات کو ہمیشہ کے لئے نہ لپیٹ دیا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی، ہمیں اب اپنے سفر کا آغاز اسی طرح کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے سلف صالحین نے کیا تھا، اس راہ میں ہمیں غیر معمولی عزم و استقامت اور ایثار و قربانی سے کام لینا ہوگا، اس لئے کہ ہمارا سامنا ایسے دشمن سے ہے، جو مسلک و مذہب اور شیعہ سنی میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔

شیخ سعید کی تقریر کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ عرض کیا یہ اس تقریر کا خلاصہ ہے ترجمہ مولوی نذرا حفیظ مددوی کے قلم سے ہے)

حضرات! ابھی ایک فاضل مقرر نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں، اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل سرشت پر اور مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ جب بھڑوں کا ریوڑ انتشار پر لگندگی کا شکار ہو جاتا ہے تو ان کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ”بھڑیا اس بکری کو اپنا قلمہ بناتا ہے جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو“ اس لئے جنگل میں منتشر بھڑوں کو بھڑیوں کا قلمہ بننے سے بچانے کے لئے ان کے راعی و محافظ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اور اس کی سرکردگی و نگرانی میں اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنا ہوگا۔

حضرات! ہم ایک امت سے تعلق رکھتے ہیں، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری کتاب اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے معاصرین اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط تحریر فرماتے تھے تو قرآن مجید کی یہ آسمانی تبلیغ اور حکیمانہ آیت نحریر فرماتے تھے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ
إِلَّا اللَّهَ، وَلَا نَشْرِكُ لَهُمْ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ
بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ
فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ كَلَّمْنَا شَاهِدًا وَآيَاتِنَا
مُسْلِمُونَ۔ (آل عمران - ۶۴)

کہہ لے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو
ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ بجز
اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ
کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں کوئی کسی
دوسرے کو رب نہ قرار دے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بھڑا گروہ
وگلا عرض کریں تو ہم لوگ کہہ دو کہ تم کو اللہ ہی تمہارا رب ہے

اللہ تعالیٰ نے تفرق و انتشار، اختلاف و کمزوری اور ذلت و نکبت سے بچنے کے لئے اتحاد و اتفاق، طاقت و قوت اور عزت و سر بلندی کا راستہ بتلایا ہے، اور اس کو انبیاء و رسول اور ان کے نابین علماء کی ذمہ داری قرار دی ہے، اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا كَانَ لِشِرَارِ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَ وَالنُّبُوَّةَ، ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ
كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ،
وَكِن كُونُوا رَبَّائِيَ، بِمَا كُنتُمْ
تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ، وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ
وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ
وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا، أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ
بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔
(آل عمران ۸۰-۷۹)

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ
اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمادیں،
پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے
بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا کہ
تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم
کتاب سکھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو،
اور نہ یہ بات بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو
رب قرار دے لو، کیا وہ تم کو کفر کی بات بتلائے گا
بعد اس کے تم مسلمان ہو۔

میں اس بات سے مکمل اتفاق رائے کرتا ہوں کہ دشمن کسی دین و مذہب، اگر وہ اور
جماعت اور قومیت کے درمیان امتیاز نہیں کرتا، اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے میں یہ عرض
کروں گا کہ آج مذہب کا مقابلہ مذہب سے نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس وقت دین و
لادینیت کے درمیان ایک فیصلہ کن محرکہ درپیش ہے، اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ یا تو انسان
خدا و رسول، آخرت غیبی حقائق اور رسول کے لئے ہوئے پیغام پر یقین رکھے اور نجات کو
اسی دین پر منحصر سمجھے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے، یا پھر ان تمام غیبی حقائق کا میلہ نکار کر دے

اور تمام مذاہب سے اعراض کرے۔

حضرات! اس وقت صرف دین ولادینیت کا مسئلہ ہے، اگر آپ چاہیں تو اس کو کمینوزم کا نام دے سکتے ہیں، ورنہ ولادینیت تو کمینوزم سے زیادہ وسیع مفہوم پر حاوی ہے اس لئے کہ وہ تمام ادیان و مذاہب، غیبی حقائق، انبیاء کی تعلیمات اور تمام دینی و اخلاقی قدروں کی منکر و مخالف بلکہ ان کے خلاف صفت آرا ہے، دوسری طرف انبیاء اور ان کے نائبین کا کیمپ ہے جس کے ہم ادنیٰ خادم اور رضا کار ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور بے پایاں احسان سے ہمیں اس خدمت کے لئے نامور فرمایا ہے، اس میں ہماری کسی صلاحیت اور استحقاق کو دخل نہیں ہے، ہمارا فرض ہے کہ جو پریم محمدی ہمارے ہاتھ میں ہے ہم اس کو ہمیشہ سر بلند رکھیں، اور اس کے تلے جس ہو کر اتحاد و اتفاق سے اس دین کو تمام دنیا میں پھیلانے اور اس کو سر بلند رکھنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں، کوششوں اور جدوجہد کو بروئے کار لائیں۔



مشرق و مغرب کے سنگم لبنان میں

ترجمہ

مولوی محمد اجمال یو بصلاحی ہنڈی

اسلام کے داعیان اولین کے نقش قدم پر

افغانستان و ایران کے دورہ سے واپسی کے بعد پانچ مہینے ہم نے بیت الشہداء و بغداد کے سائے میں گزارے، ان ایام نے ہم کو اس ناقابل انکار حقیقت پر ایک نیا یقین و اعتماد بخشا کہ اسلام ہی قوموں کو متحد کرنے، دلوں کو جوڑنے، مسائل کو سلجھانے اور قافلہٴ حیات کی قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے، یہ نئے سفر کا نیا گوشہ تھا جس سفر کا آغاز گوارہٴ اسلام اور دعوتِ اسلامی کے مرکز سے ہونے والا تھا، اور جس کی منزل وہ ملک تھے جو اولین مرحلے میں اسلام کی روشنی سے فیضیاب ہوئے، خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی دعوت کو اپنایا، اور ساتویں صدی ہجری تک خلافت اسلامی کا مرکز بن کر اس کو سینے سے لگا کر رہے، انھیں ممالک سے اسلام کے سیلاب نے شمال مغرب میں کوہِ اطلس اور اندلس، اور جنوب مشرق میں کوہِ ہندو کش اور دریائے سندھ کی وادی کا رخ کیا، اور انھیں میں اسلامی علوم کا نشو و نما اور ارتقا ہوا، سیری مراد ملک شام (جس میں موجودہ سوريا، فلسطین، لبنان، شرق اردن شامل ہیں) اور عراق سے ہے، یہ ایک قدرتی لائن تھی جس کو اسلام کے مبلغین نے جزیرۃ العرب سے نکل کر اختیار کیا تھا۔

ہم بھی انھیں کے نقش قدم کی پیروی کر رہے تھے، اور انھیں کے راستہ پر گامزن تھے، بلاشبہ اگر وہ مبلغین نہ ہوتے، ان کا جہاد نہ ہوتا، ان کا ایمان و اخلاص نہ ہوتا، ان کی سچائی اور دیانت داری نہ ہوتی، ان کی بلند سمی اور اولو العزمی نہ ہوتی تو اس علاقہ میں یہین نہ پھیلتا جس کے نام پر ہم ملتے ہیں۔ نہ یہ اسلامی اخوت ہوتی جس کی برکتوں سے بہرہ مند ہو رہے ہیں، نہ یہ قرآنی عربی زبان ہوتی جو عرب اور عجم کے لئے افہام و تفہیم اور تبادلاً خیال کا وسیلہ ہے، اور جس کو وہ اپنی نسلی زبانوں پر فوقیت دیتے ہیں، نہ ان ملکوں کا علوم و فنون تہذیب و تمدن اور فکر انسانی کی تاریخ میں کوئی ایسا نمایاں اور تعمیری کردار ہوتا، جس کے بغیر انسانیت کی تاریخ نامکمل رہ جائے، نہ دمشق و بغداد ہوتے، نہ ولید و ہارون، نہ ابوتام اور بحرہی ہوتے نہ متنبی اور معری، نہ سیبویہ اور کسائی ہوتے نہ کوفہ اور بصرہ نہ رصافہ اور کرخی نہ ابو حنیفہ ہوتے نہ اوزاعی، نہ ابو یزید بسطامی نہ عبد القادر جیلانی، نہ مستنصریہ اور نہ نورانیہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو جزائے خیر دے، اسلام، عراق و شام، دین و عقیدہ، انسانیت تمدن اور علوم و فنون سب کی جانب سے۔

نئے وفد کی تشکیل

رابطہ کا وہ وفد جس نے افغانستان و ایران کا دورہ کیا تھا، اور اسی کو لبنان، شرق اردن، سوریا اور عراق کا دورہ کرنا تھا، دونوں سابق رفقاء، راقم سطور اور استاذ احمد محمد جمال پر مشتمل تھا، ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی اس وفد کے سکریٹری تھے، لیکن بعض لے امام ابو حنیفہ بغداد میں اور امام اوزاعی بیروت میں مدفون ہیں، لہٰذا دمشق میں مدفون ہیں لے بغداد میں زندگی گزار رہی اور وہیں کی خاک میں آسودہ ہیں۔ لے دو عظیم مدرسے جن میں پہلا بغداد میں تھا دوسرا دمشق میں۔

شدید مجبوریوں کی بنا پر کہیں ان کا قیام ضروری ہو گیا، تو رابطہ کے جنرل سکریٹریٹ نے رابطہ میں اسلامی تنظیموں کے سکریٹری اساذ عبداللہ باہری کو وفد کے سکریٹری کی حیثیت سے منتخب کیا، اساذ باہری ایک ادیب تعلیماتہ اور خوش مزاج نوجوان ہیں، حال ہی میں شمالی افریقہ کے دورہ سے واپس آئے تھے، جو سابق مفتی مصر شیخ حسین محمد مخلوف شیخ محمد محمود الصواف اور شیخ عبداللہ انصاری کی رفاقت میں ہوا تھا، مگر اس کے باوجود انھوں نے مشغولیت کو راحت پر ترجیح دی، انے وفد کی رفاقت منظور کر لی اور وفد کی تمام ذمہ داریوں کو پوری دیکھی، سرگرمی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

اپنی کمزوری صحت اور گوناگوں عوارض کے پیش نظر مجھے اس طویل سفر میں ایک ایسے رفیق کی ضرورت تھی، جو میرے مزاج و ضروریات سے واقف ہو اس بنا پر رابطہ نے ایک نئے رفیق اور میرے ذاتی معاون کا اضافہ کر دیا، وہ تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب عربی کے استاد، پندرہ روزہ 'الرائد' کے ایڈیٹر خواجہ زادہ عزیز مولوی محمد رابع حسنی مدظلہ جن کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو کہیں قیام کرنا پڑا، سفر کی مشکلات کی وجہ سے جن کا سامنا اس دور میں ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے، ان کو ہندوستان سے سعودی عرب پہنچنے میں خاصی تاخیر ہوئی، اگرچہ جدید تہذیب کے شیدائیوں کا کہنا ہے کہ اس دور میں سفر بہت آسان ہو گیا ہے، اس بنا پر سفر موخر ہوتا گیا، آخر کار جمادی الثانیہ کے اواخر میں ممکن ہو سکا

بیروت میں

اتوار کے روز جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ تھی (۲۹ جولائی ۱۴۰۷ھ) عصرِ وقت

ہندوستانی وقت ہم بچہ پیر ہم سعودی طیارہ پر سوار ہوئے، ہم کو رخصت کرنے کے لئے رابطہ کے معاون جنرل سکریٹری اساذیہ محمد صفوت سقا امینی جدہ میں رابطہ کے دفتر کے انچارج اسٹاف ظیل مٹانی، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، جدہ میں نور الدین گھرانے کے افراد اور دوسرے دوست و احباب تشریف لائے تھے، غروب آفتاب سے دو گھنٹے قبل ہم بیروت پہنچ گئے۔

ہوائی اڈہ پر دارالافتاء لبنان کے ناظم عمومی سید حسین قوتی اور جمہوریہ لبنان کے مفتی شیخ حسن خالد کے قائم مقام شیخ محمد علی جندوف مفتی جبل لبنان نے ہمارا استقبال کیا، ان کے ساتھ سعودی سفارتخانہ کے (قائم مقام سفیر) چارج ڈی فیرس عبدالرحمن سمان، لبنانی وزارت خارجہ کے ایک نمائندہ اور لبنان سے رابطہ عالم اسلامی کے رکن شیخ سعدی یاسین بھی تھے، ہوائی اڈہ پر بیروت میں رابطہ کے نمائندہ اساذ عبدالحکیم عابدیؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔

ہوائی اڈہ پر معلوم ہوا کہ شیخ حسن خالد مفتی لبنان نے پہلے سے جبل بحدون پر ایک شاندار ہوٹل اور بیروت کے ایک ہوٹل کے چند کمرے ریزرو کر لئے ہیں اور ہم کو اختیار ہے، جبل میں قیام کریں یا بیروت میں، موسم کا لحاظ کرتے ہوئے ہم نے جبل کو ترجیح دی، اسی سے ہم کو پتہ چلا کہ ہم مفتی لبنان کے مہمان ہیں، ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بحدون روانہ ہو گئے جہاں شرڈ ہوٹل (SHEPHERD) میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔

اے اساذ عبدالحکیم عابدیؒ! اخوان المسلمین اور دعوت اسلامی کے حلقہ کی معروف شخصیت ہیں، ایک طویل عرصہ تک مصر یا افغان کے ناظم رہے ہیں، امام حسن البنا شریذ کے بہنوئی ہیں، بیک وقت ایک ادیب، شاعر، مقرر اور وکیل ہیں۔

اسلامی اداروں اور بیروت کے مختلف علاقوں کا دورہ

دوسرے روز دوشنبہ یکم رجب ۱۴۰۳ھ (۳۱ جولائی ۱۹۸۲ء) کو ہم نے مفتی لبنان شیخ حسن خالد سے ان کے دفتر میں افتاء کے ناظم عمومی یحییٰ قوتلی کی موجودگی میں ملاقات کی لبنان میں مسلمانوں کے حالات، اسلامی اداروں کے ساتھ مادی اور اخلاقی تعاون کی ضرورت اور ان خطرات کے موضوع پر جن میں لبنانی مسلمان گھر سے ہوئے ہیں مفتی صاحب نے تقریباً پندرہ گھنٹہ تک وفد کے ساتھ بہت صفائی سے گفتگو کی پھر مفتی صاحب ہی کی معیت میں وفد ایک معلوماتی دورہ پروانہ ہوا جس کی پہلی منزل بیروت کی وہ دینی تعلیم گاہ تھی جس کا نام ازہر لبنان ہے، وفد نے ادارہ کے کتب خانہ اور اس کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا، موسم گرما کی تعطیل ہو چکی تھی، کتب خانہ کے ہال میں کچھ ریسرچ اسکالراں اپنی تحقیق اور ریسرچ میں مصروف تھے، وفد کے ساتھ ازہر لبنان کے ناظم شیخ فلیل بھی تھے، پھر وفد نے بیروت کے اسلامی یتیم خانہ کا رخ کیا جہاں یتیم خانہ کے ناظم استاد محمد برکات نے وفد کا استقبال کیا، وفد کو یتیم خانہ دکھایا اور اس کے مقاصد اور سرگرمیوں کی وضاحت کی، ہر چیز نظافت اور خوش سلیقگی کا پتہ دے رہی تھی، اور یتیم بچوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کو اپنی ذلت و کمزوری کے احساس سے بچانے کے لئے نفسیاتی طریقے اختیار کئے گئے تھے۔

شہر کے مختلف حصوں سے ہمارا گزر ہوا، بہت سے علاقوں کی دینی، اقتصادی اور اجتماعی سطح اور معیار ایک دوسرے سے بہت مختلف نظر آتا تھا، ساحل سمندر کی سیر کرتے ہوئے جب ہم اس علاقہ کی طرف جا رہے تھے، جو امام اوزاعی کے مدفن ہونے کی وجہ سے انھیں کے نام سے موسوم ہے، ہم فدائین کے مرکز سے گزے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے

درمیان معرکہ کا راز اگر کم ہوا تھا، اور ہم نے دیکھا کہ کس طرح مختلف مذہبی جذبات اور سیاسی
اعراض نے اس معرکہ میں حصہ دیا تھا، اور ملک کی زندگی اور مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر
کس طرح یہ جنگ اثر انداز ہوئی تھی، عمارتوں اور ملک کے باشندوں کے دلوں میں گولیوں اور
بمبوں کے اثرات کا مشاہدہ کیا، نیز پناہ گزینوں اور فلسطین کا مسئلہ جس پیچیدگی، جہام اور
تضاد کا شکار ہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنی مشکل ہے، اس کو سمجھنے
میں مدد ملی۔

اس علاقہ سے بھی ہمارا گزر ہوا جہاں فلسطینی پناہ گزین رہتے ہیں، اس علاقہ میں
افلاس، پسماندگی، گندگی، اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی، بے اعتمادی اور موجودہ حالات
سے بے گشتگی عام ہے، یہ تمام چیزیں اسی ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری عرب دنیا کے لئے ایک
چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ صورت حال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی، خواہ اس کے دور کرنے میں
کتنا ہی وقت لگے اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے۔
دوسری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے
اور ہر جگہ دولت کی ریل پیل ہے۔

بیروت پر ایک نظر

لبنان کے مشہور شہروں اور اسلامی مرکزوں، طرابلس اور صیدا کا رخ کرنے سے
پہلے جو ہمارے دورہ کے پروگرام میں شامل ہے، ہم بیروت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا چاہتے
ہیں، بیروت جو مشرق عربی کے لوگوں کا محبوب شہر اور تفریح گاہ ہے، جہاں وہ موسم گرما
گزارتے ہیں، اور جہاں ان کی دولت کا دریا امنڈنا نظر آتا ہے، عظیم عربی شاعر ابو تمام طائی کا

بیروت پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

دنیا معاش للفتی حتی اذا

حل الربیح فانما هی منظر

ترجمہ :- دنیا آدمی کے لئے کھانے کا گھر ہے، مگر جب بہار آتی ہے تو تفریح گاہ،

ہی تفریح گاہ ہے۔

بیروت ایک عظیم تجارتی مرکز ہے، مگر موسم گرما میں وہ صرف دل بہلانے کی جگہ اور نہشت گاہ ہے اگر کوئی شخص اس کا شاہدہ کرنا چاہتا ہے کہ مغربی تہذیب اور مادی فلسفوں نے کس طرح عربوں کی فطرت مسخ کر دی ہے، اور عرب کس حد تک عیش پسند اور ساری حدود و قیود خواہ مذہب و شریعت کے عائد کردہ ہوں، یا روایات اور عام انسانی اقدار کی سے آزاد ہو چکے ہیں، اور عرب دار الحکومتوں میں خرید و فروخت اور افراط زر کی سطح کیا ہے تو اس کو بیروت جانا چاہئے، اور لبنان میں موسم گرما گزارنے کے مقامات پر کچھ ایام گزارنے چاہئیں، اتفاق سے بہار دورہ گرمی کے سخت دنوں میں تھا جب بیروت کی رعنائی اور دلکشی عروج پر تھی، اس سے پہلے بھی گرمی اور سردی دونوں موسموں میں متعدد بار بیروت آنے کا موقع ملا تھا، مگر خاص مقصد کے تحت آنا ہوتا تھا جس کی وجہ سے نشر و اشاعت کے مرکروں، کتاب گھروں اور بعض اسلامی اداروں سے زیادہ کچھ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن اس آخری دورے میں اس شہر کے حالات و خصوصیات کے تفصیلی مطالعہ کا موقع ملا۔

مشہور لبنانی ادیب امین الریحانی نے اپنے ایک مضمون میں بیروت کا بہترین نقشہ

امین الریحانی ایک مشہور صاحب طرز لبنانی ادیب تھے جن کی کتابیں اور مقالات اس (باقی صفحہ ۱۳۶ پر)

کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”بیروت تمدن کی ایک نعمت بھی ہے، اور تمدن کی ایک نعمت بھی، بیروت ایک مشرقی مورتی ہے، جو تانبے کے مغربی طشت میں رکھا ہوا ہے، صبح کے وقت ملکہ مشرق کے پاؤں کا پایزب اور غروب کے وقت ملکہ مغرب کی کلائی کا لنگن، بیروت کچھ میں پڑا ہوا ایک درنا یاب ہے، جس پر کھلی کی کرنیں شرماتی ہوئی پڑتی ہیں، بیروت ایک مرجان ہے، جو ایک ایسے ساحل پر ہے، جس کا سوناریت میں اور جس کی چاندی کچھڑ میں مل گئی ہے۔“

بیروت پیرس کی ایک کنیز ہے، بیروت ایک ماہتاب ہے جس پر مغرب کی روشنی منعکس ہوتی ہے تو مشرق کو منور کرتا ہے، اور مغرب کی تاریکی بھی منعکس ہوتی ہے، جو مشرق کی تاریکی میں اضافہ کرتی ہے، بیروت علوم کا سرچشمہ اور خرافات کا گڑھ ہے۔“

یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ مضمون آج سے ۶۲ سال پہلے لکھا گیا تھا، جب پورا شام عثمانیہ سلطنت میں شامل تھا، اور یہ معلوم ہے کہ لبنان اور اس کے دارالحکومت بیروت پر چوتھائی صدی تک فرانس حکمران رہا ہے، فرانس یورپ کے ملکوں میں سب سے تمدن اور ترقی یافتہ ملک اور فرانسیسی معاشرہ یورپ کا سب سے زیادہ نازک مزاج، تنعم کیش اور ہرجیز میں آزادی کا دلدادہ رہا ہے، پھر حزب آزادی کا دور آیا تو خرابیوں میں اور اضافہ ہو گیا (باقی صفحہ ۱۳۷ کا) صدی کی پہلی چوتھائی میں بڑے بڑے تھکے، اکثر نموک عرب اور زعماء و قائدین سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا۔

لے مجلہ المراقب، ۲۵ شمارہ ۲۰، مئی ۱۹۶۰ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

ان تمام اسباب کی بنا پر بیروت کو مغربی تہذیب کی تقلید اور ہم کالی میں سب سے نمایاں درجہ حاصل ہے۔

اپنے سیاسی اور اقتصادی اغراض و مفادات کے ماتحت امریکانے اس شہر میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی پوری کوشش کی اس لئے کہ بیروت مشرق کا دروازہ، عالم عربی کا قدرتی منفذ اور وہ تنہا عربی شہر ہے، جس پر عیسائی چھاپ گہری ہے، چنانچہ امریکانے بیروت میں بڑے بڑے ادارے قائم کئے، زبردست منصوبے تیار کئے اور ان کو تکمیل کا جامہ پہنایا، بیروت کی امریکن یونیورسٹی (الجامعة الامریکیّة) آج بھی مشرق عربی کی عظیم ترین یونیورسٹی تصور کی جاتی ہے جس نے عربی فکر و ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے، اور عرب کے علمی حلقوں میں اس کے اساتذہ اور فضلا کو خاص رسوخ حاصل ہے۔

بیروت مشرق عربی کا سب سے بڑا سیاحتی شہر ہے، سیاحت اس کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ہے، جس پر اس کی معاشیات کا بڑی حد تک دار و مدار ہے، سیاحتی شہروں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے، ان شہروں میں تفریح اور لذت اندوزی کے لئے ہر طرح کی چھوٹ دے دی جاتی ہے، اور ان چیزوں میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا، جو اکثر معاشروں میں انسانیت اور شرافت کے منافی شمار ہوتی ہیں، چنانچہ جس وقت عرب راجدھانیاں بادِ سموم کے تندھوکوں کی لپیٹ میں ہوتی ہیں، بیروت رعنائی و جمال کے سمندر میں غرق اور دولت و ثروت کے جھولے میں جھولتا ہوتا ہے۔

متحدہ عرب ملکوں میں فوجی اور سیاسی انقلابات رونما ہوئے اور بہت سے زعماء اور مصلحین پر زمین تنگ ہو گئی تو انھوں نے لبنان میں پناہ لی اس کا خاکہ سے لبنان کو عالم عربی کا سوزر لینڈ کہہ سکتے ہیں، جہاں سیاسی پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد مقیم ہے، اور انھیں

تصنیف و تالیف اور اپنے خیالات کی تبلیغ و اشاعت کی مکمل آزادی حاصل ہے جو بہت سے عربی ملکوں میں اور خود ان کے اپنے وطن میں بھی ناپید ہے، انھوں نے اپنی جائیدادیں بیروت منتقل کر لیں اور ان کو کاروبار میں لگایا، تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے نشر و اشاعت کا میدان ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا، اس لئے اپنا سرمایہ اسی میدان میں لگایا، بیروت میں مشرق کے زبردست عربی پریس تھے، اس بنا پر ان دماغوں کا کام کرنے والے ہاتھوں اور اس کشمکش کے منتقل ہونے سے بیروت کو خاصا فائدہ ہوا، اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں کتب خانوں اور کتاب گھروں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔ مصنفین نے ہر سمت سے اس کا رخ کیا خصوصاً جب قاہرہ میں تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کا بازار سرد پڑا تو آخر میں اس پر پابندی عائد کی گئی تو بیروت نشر و اشاعت اور کتابوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہ بیروت پر ایک طائرانہ نظر ہے، طرابلس اور صیدا کے دور سے فارغ ہونے کے بعد ہم لبنان پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔

طرابلس میں

۲ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۷۳ء دو شنبہ کے روز ہم نے طرابلس کا رخ کیا طرابلس ایک حسین و جمیل اسلامی شہر ہے، بیروت سے ۸۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر آباد ہے، راقم سطور کو اس سے پہلے بھی ایک بار شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق اپریل ۱۹۵۶ء میں طرابلس کے مختصر دورہ کا موقع ملا تھا، اور طرابلس اسے بہت پسند آیا تھا، تمنا تھی کہ دوبارہ طرابلس جانے اور وہاں کچھ دن گزارنے کا موقع ملے خدا کا شکر ہے کہ ۷ سال بعد یہ موقع ہاتھ آیا، اور ۲۵ شنبہ کی صبح کو اتنا ذحیٰ القوتی کے ساتھ طرابلس روانہ ہو گئے، ہم سمندر کے ساحل پر جا رہے تھے

یہ راستہ ہمارے خیال میں مشرق کا خوبصورت ترین راستہ ہے، بحرِ روم ہمارے ساتھ ساتھ رواں تھا، اور بہت کم ہم سے جدا ہونا تھا، صاف سہری اور خوبصورت بستیوں اور دلکش و دلآویز مناظر قدرت سے لطف انداز ہوتے ہوئے ہم سرگرم سفر تھے۔

طرابلس پہنچے تو علماءِ شہر کی ایک جماعت اور محکمہٴ قضا و افتاء کے متعلقین نے ہمارا استقبال کیا، سب سے پہلے ہم محکمہٴ اوقاف کے صدر دفتر گئے اور اس عظیم مسجد کی زیارت کی جو ابھی تعمیر و تکمیل کے مرحلہ میں ہے، پھر اسلامی یم خانہ اور اسلامی شفا خانہ دیکھنے گئے، شفا خانہ کی مجلس انتظامیہ کے صدر شیخِ عدنان البحر نے ہم کو شفا خانہ کی عالی شان عمارت دکھائی جس کی ترتیب و تنظیم جدید طریقہ پر کی گئی ہے، وفد نے صدر کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ نرسوں کو اسلامی لباس اور اسلامی آداب کا پابند ہونا ضروری قرار دیا جائے تاکہ یہ تمام اسلامی شفا خانوں کا شعار اور ان کی خصوصیت بن جائے، ان سب اداروں میں عمدہ ذوق، باقاعدگی اور خوش سلسلگی نمایاں تھی جس کے لئے طرابلس مشہور ہے۔

پھر مدرسۃ الایمان دیکھنے گئے، جو ایک با مقصد مدرسہ ہے، وہاں اتفاق سے مولوی صبغة اللہ مجددی سے ملاقات ہوئی جن سے کابل میں ہم مل چکے تھے، وہ لیبیا کی ثقافتی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے، اور کابل واپس جا رہے تھے کہ اچانک ہوائی اڈہ پر افغانستان کے انقلاب کی خبری تو سفر ملتوی کر دیا، اور صورت حال واضح ہونے تک لبنان ہی میں مقیم رہنے کا فیصلہ کیا۔

پھر وفد طرابلس کے عظیم عالم شیخِ ندیم البحر کی ملاقات کے لئے گیا، جو طرابلس کے نامور اور جلیل القدر عالم شیخِ حسین البحر مصنف اللہ المحمدیہ کے فرزند ہیں، میں شیخ کی ایک کتاب "قصۃ الامان بین الفلسفۃ والعلم والقرآن" پڑھ چکا تھا، اور حیدر آباد

میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ پر مغز اور حقیقی کتاب یہی نظر آئی، ہم برصغیر کے باشندوں نے علامۃ الشام شیخ حسین البحر طرابلسی کو ان کی کتاب الرسالة المحمدیۃ کے ذریعہ جانا تھا جس کو اس صدی ہجری کے آغاز میں بہت مقبولیت و شہرت حاصل تھی، ہندوستان کے علماء اس کتاب کو بہت پسند کرتے تھے، ان کے نزدیک یہ کتاب مذہب اور اسلامی عقائد کا زبردست علمی دفاع ہے، شیخ ندیم البحر ان کے فرزند ان کے علم کے وارث اور طرابلس کے مفتی ہیں۔

ہمارا قافلہ سیر کی طرف روانہ ہوا جو لبنان میں گری گزرنے کا ایک لکش مقام ہے وہ سطح سمندر سے ۹۰۰ میٹر بلند ہے، شیخ ندیم البحر یہیں مقیم ہیں، یہاں شیخ کے دولت خانہ پر دینک شہست رہی، شیخ کی گفتگو کا موضوع وہ زیر تجویز فلم تھی جس میں سیرت نبوی کے واقعات اور صحابہ کرام کو دکھایا جائے گا، اور جس کی بعض عرب ملکوں نے منظوری دے دی ہے اس بدعت سے وہ بہت متفکر اور پریشان نظر آتے تھے، ان کا خیال ہے کہ ضعیف احادیث اور سیرت تفسیر کی وہ کتابیں جو سند و تحقیق کے اعلیٰ معیار پر نہیں ہیں متشرقین اور اسلام کے دشمنوں کے لئے بہترین مواد فراہم کریں گی جس کو وہ سیرت کا حسن بگاڑنے اور سیرت کو رومانی افسانوں کے روپ اور جذبات کو براہ نگینہ کرنے والے افسانوی اسلوب میں پیش کرنے کے لئے استعمال کریں گے اور پھر اس پر پابندی لگانا ناممکن ہو جائے گا

ظہرانہ میں میری تقریر

دوپہر کا کھانا ہم نے "سیر" میں مفتی صاحب طرابلسی کی ضیافت میں کھایا، علماء کی ایک بڑی جماعت شریک تھی، کھانے کے بعد وفد کے خیر مقدم اور تعارف میں ایک تقریر کی گئی،

راقم سطور نے اس خیر مقدمی تقریر کا جواب دیا، اور اہل طرابلس کی کریا نہ ضیافت اور گرجوشتی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”لبنان کے مسلم عوام ایک مخصوص اور نازک صورت حال سے دوچار ہیں جس میں ان کی ذہانت، قوت ارادی اور عقیدہ کی پختگی کا امتحان ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر پھر اپنے دین کی صلاحیت اور اپنی قوت ارادی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے لبنان کے مسلمانوں کو اس کا عظیم کاہل سمجھا اور اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے منتخب فرمایا، یہ پریشان ہونے اور گھبرانے کا موقع نہیں، صبر و شکر کا موقع ہے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو کبھی اپنی نصرت و حمایت سے محروم نہیں کرے گا، جس کی تعمیری اور تخلیقی صلاحیتیں ان اسلامی اداروں کی شکل میں جلوہ گر ہیں، جن کو دیکھنے اور جن سے واقفیت حاصل کرنے کا شرف ہم کو حاصل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے، جو کوشش کرتا ہے، دوزد حوچ کرتا ہے، زندہ رہنے کا استحقاق ثابت کرتا ہے، اور دشواریوں اور آزمائشوں میں بھی اپنا راستہ نکال لیتا ہے“

ملاقات اور تعارف

طرابلس کے دورہ کے اثناء میں وفد نے چند علماء سے ملاقات کی جن میں استاد فیصل مولوی، شیخ طہ صالحونجی، شیخ رشید میقاتی، استاد محمد علی ضاوی اور شیخ ناصر الصالح قابل ذکر ہیں، ان حضرات کے ساتھ مختلف اسلامی لاؤڈنہی موضوعات اور ملک کے سیاسی و اجتماعی حالات کے

گفتگو رہی اور وفد کو ان کی معلومات اور افکار و خیالات سے استفادہ کا موقع ملا۔ اس دورہ سے وفد کو بہت مسرت ہوئی اور وہ ان حضرات کا بہت مشکور تھا، جنہوں نے اس کا استقبال کیا، اور ملاقات، تعارف اور تبادلہ خیال کا موقع فراہم کیا، اس کے بعد وفد بمبئی و ن واپس آ گیا۔

صیدا میں

۳۱ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۷۳ء چار شنبہ کی صبح کو وفد نے لبنانی شہر "صیدا" کا رخ کیا جو اپنی آبادی اور مرکزیت کے لحاظ سے لبنان میں تیسرے نمبر کا شہر ہے، وفد کے ساتھ ازہر لبنان کے ناظم شیخ خلیل بھی تھے، راستہ بہت حسین اور سفر بڑا دلچسپ اور فرحت بخش تھا، صاف پتھر اور دلکش لبنانی شہروں اور دیہاتوں سے گزرتے ہوئے ہم صیدا پہنچے جو بیروت سے ۳۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

صیدا پہنچنے کے فوراً بعد وہاں کے محکمہ اوقاف کے مقامی دفتر گئے اور کچھ دیر مسرت رہی، اس موقع پر متعدد دینی شخصیتیں اور علماء موجود تھے، پھر وفداوقاف کے فاضل مدیر سلیم سورمان کے ساتھ صیدا کے مفتی شیخ محمد انیس حمود کی ملاقات کے لئے گیا، ملاقات بہت خوشگوار تھی، استقبالیہ کمرہ میں دیر تک ہم لوگ بیٹھے رہے، گفتگو ہوتی رہی اور پھر ایک مذاکرہ کا آغاز ہوا جس کا موضوع تھا "مسلمانوں کے اہم مسائل اور وہ عجیب و غریب فسون کا صورت حال جس سے اس دور کا مسلمان دوچار ہے" اور اس سے پہلے کی تاریخ میں جس کی مثال ملنی مشکل ہے، ہر شخص نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا، راقم سطور کی باری آئی، اس کی معروضات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

قوم میں علماء کا منصب و مقام اور عوام میں ان کے بے اثر ہونے کے اسباب

”گفتگو کا دائرہ بہت وسیع ہے، اگر ہم عالم اسلامی کے تمام طبقوں اور طبقوں

کا جائزہ لیں گے، اور اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے میں ان کی کوتاہی اور سہلوتی پر گفتگو کریں گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا، اور کسی نتیجہ تک رسائی مشکل ہوگی۔

تنہم داغ داغ ضد نیبہ کجا کجا نہم

اس لئے ہم اپنی گفتگو کو علماء کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں تک محدود

رکھیں گے یہ گفتگو مفید بھی ہے، اور عملی بھی، اس لئے کہ اس وقت بھی حضرات علماء ہی تشریف رکھتے ہیں، اور ہمارے سامنے انھیں کی طرف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قوم کی اصلاح اور درستگی کا دار و مدار علماء کی اصلاح

و درستگی پر ہے، علماء اگر صحیح راستہ پر ہوں گے تو قوم بھی صحیح راستہ پر ہوگی، اور اگر

علماء میں انحراف ہوگا، بے یقینی اور کمزوری ہوگی، اگر ان کے اندر مادی خواہشات

کے مقابلہ میں سپر اندازی اور حالات کے سامنے جھکنے کا رجحان ہوگا، ان کا معیار

زندگی بلند ہوگا، ان کے اندر سادگی اور قناعت کا فقدان ہوگا، وہ تنعم پسندی

اور راحت طلبی کے عادی ہوں گے تو اس کا اثر لازمی طور پر مسلم عوام پر بھی پڑے گا

اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے کہا تھا:

مژدہ باد لے مرگ ۱ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر ایسی چیز پر فریفتہ ہوتا ہے، جو اس کے

پاس موجود نہیں ہوتی، پہلے اسلامی معاشرہ علماء کا ادب کرتا تھا، اور ان کو

بڑے احترام اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، جبہ زہد و قناعت، بے نیازی و بلند نفسی اور کسی قدر تقشف و سادگی سے مالا مال تھے، یہاں تک کہ سلاطین و امرا ان سے ڈرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، اور ان کو اپنے سے بلند سمجھتے تھے۔

لیکن آج علماء کا یہ حال ہے کہ وہ بھی راحت طلبی کی دوڑ میں سب کے ساتھ مصروف ہیں، ادب ان کے درمیان اور ان کے ہم وطن و ہم نسل افراد کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہا، اس لئے معاشرہ بھی انہیں اسی نگاہ سے دیکھنے لگا جس نگاہ سے وہ عوام کو دیکھتا ہے، اور اب لوگوں کے دلوں میں علماء کی کسی نصیحت یا تنقید کی وقعت نہیں پیدا ہوتی۔

دعوت و تبلیغ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ علماء اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کریں، اپنا اعتبار اور اپنی دینی اور اجتماعی قیمت کا شعور پیدا کریں، اصلاح و تجدید کی تاریخ میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب بھی اسلام اور مسلمان کی عزت و بھران سے دوچار ہوئے ہیں، ہر طرف ناامیدی اور بے یقینی کے بادل چھا گئے ہیں، ایک عالم نمودار ہوا، اصلاح و جہاد کے میدان میں آیا، حالات کو چیلنج کیا اور تاریخ و واقعات کا رخ موڑ کر رکھ دیا، اسلامی عقائد کی سلامتی اور اسلامی شریعت کی عظمت کے تحفظ کا فرض انجام دیا، قوم کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دی اور اسے ایک نئی زندگی بخش دی، یہ عمل ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں، امام حسن بصری سے شیخ عبدالقادر جیلانی تک، ابن تیمیہ حرانی تک، شیخ احمد سرہندی اور اس صدی کے علماء ربانیین اور ائمہ مصلحین تک ہر زمانہ اور ہر مصلحت میں

یہ ہوتا آیا ہے، اور قیامت تک اس دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تذکرہ کے سلسلہ کو جاری رہنا چاہئے۔

اکثر حاضرین نے اس نکتہ کو تسلیم کیا اور اس کی تائید کی۔

صيدا کا دورہ

پھر ہم ”جمعیتہ رعایتیۃ الیقیم“ دیکھنے گئے جو ایک مسلم یتیم خانہ چلاتی ہے، یہ ایک وسیع و کشادہ عمارت ہے، کئی شعبے اور متعدد ہال ہیں، اس کے منتظمین اور قائم کرنے والوں نے اس کی تعمیر و تزئین میں بہت سابقہ مندی سے کام لیا ہے، اور تمام تکلفات کا محاذ رکھا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ موجودہ دور کے جدید ترین طرز کے فلاحی اداروں سے کسی طرح سے کم نہیں ہے، اور منتظمین نے اس ادارہ کو ”ترقی یافتہ“ بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، انھوں نے بعض ایسی سرگرمیاں بھی داخل کر دی ہیں، جو اسلامی شریعت و آداب کے خلاف ہیں، چنانچہ اس ادارہ کے متعلق ایک کتابچہ میں ایک تصویر ہے جس میں اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک مقامی رقص کی حالت میں دکھایا گیا ہے، طالبات کو خیاطی اور دوسری دستی صنعتوں کے سکھائے جانے پر فحش ہوئی۔

اس کے بعد ہم صیدا کے قاضی شریعت شیخ سلیم جلال الدین کے گھر گئے جو ایک خوبصورت ٹیلہ پر واقع ہے، یہ ٹیلہ کھیتوں اور باغات سے گھرا ہوا ہے، اس کے سامنے ایک وادی ہے، جس میں سرو قامت درخت کھڑے ہیں، اور رنگ برنگ کے پھولوں اور کلیوں سے بھری ہوئی ہے، اس وادی کا حسن اور ٹیلہ کا قدرتی محل وقوع بہت لطیف ہے رہا تھا، وہاں علماء اور دوسرے احباب سے ملاقات اور گفتگو رہی اور مناظر قدرت کے ساتھ ساتھ شیرینی گفتار حسن اخلاق اور

شرافت نفس کے جلوے دل و نگاہ کو مسح کر رہے تھے۔

پھر وفد نے سمندر کا تاریخی قلعہ دیکھا اور ساحل سمندر پر ایک شاندار ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا اور سرور محفوظ بچھرون واپس آگیا۔

مفتی امین اکیسینی کی میزبانی

اسی روز شام کو موتر عالم اسلامی "اور الہیۃ العربیۃ العلیا فلسطین" کے صدر مفتی امین اکیسینی نے وفد کے اعزاز میں منصوریۃ المتن میں اپنے دولت خانہ پر ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا جس میں علماء، عائدین شہر اور تحریک اسلامی سے دھپسی رکھنے والوں کی ایک تعداد شریک تھی۔

لبنانی مسلمانوں کی صور حال پر ایک نظر

اب وقت آگیا ہے کہ ہم لبنانی مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی صورت حال پر ایک نظر ڈالتے چلیں، یہ ایک پیچیدہ اور مخصوص صورت حال ہے جس کا اندازہ دوسرے ملکوں کے باخبریات سے بھی آسانی سے نہیں لگا سکتے، جس شخص نے لبنان کا دورہ نہ کیا ہو اور وہاں کے حالات پر وقت نظر سے غور کرنے کا موقع اس کو نہ ملا ہو تو وہ اس صورت حال کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔

مختصر یہ کہ لبنان کے مسلمان دولت عثمانیہ کے خلاف عربوں خصوصاً شامیوں کی بنیاد اتحادیوں کے وعدوں پر اعتماد اور خلافت عثمانیہ کے دائرہ سے خروج کی سزا اور سختی سے اٹھانے تک عہدہ برآ نہیں ہو سکے ہیں، وہ خلافت عثمانیہ جو اپنی تمام غلطیوں کو تباہیوں اور

کمزوریوں کے باوجود اسلامی قوت اور اسلامی اتحاد کا نشان اور مقامات مقدسہ کی محافظ بھٹی غالباً اس تاوان میں جو عربوں کو ادا کرنا پڑا ہے، اور آج بھی ادا کر رہے ہیں، لبنان کے مسلمانوں کا حصہ شام کے دوسرے باشندوں سے زیادہ ہے، لبنانی مسلمان آج بھی اس پیچیدہ مخصوص اور نرالی صورت حال کے دباؤ سے گرا رہے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جبل لبنان میں عیسائیوں کی اکثریت بھٹی، اس کے برخلاف ساحل اور بقاع میں مسلمان اکثریت میں تھے، پھر ۱۹۲۰ء میں بیروت، صیدا، جبلیک، بقاع، حاصبیا اور راشیا کا لبنان سے اسحاقی عمل میں آیا اور جبل لبنان کو نئی جمہوریہ کی اساس و بنیاد قرار دیا گیا، ۱۹۳۶ء میں فرانسیسی حکومت نے مردم شماری کرائی جو ۳۱ جنوری ۱۹۳۶ء کو عمل میں آئی، اس مردم شماری کے پیچھے سیاسی اغراض کا رہنا تھے، دراصل فرانس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے باشندوں کی تعداد میں ایک فرقہ کو دوسرے پر فوقیت دے دی جائے اسی کے ساتھ ساتھ ایک فواہ یہ بھی پھیل گئی کہ فرانس کا مقصد اپنی نوآبادیات میں فرانسیسی فوج میں جنگ کے لئے جبری بھرتی ہے، اور مسلمان اس سے بچتے تھے، مسئلہ کی پیچیدگی میں اس سے اور اضافہ ہو گیا کہ وہ سوریہ کی تقسیم کے مخالف تھے۔

ان تمام اسباب کی بنا پر مسلمانوں نے مردم شماری سے کلی فرار اختیار کیا، نتیجہ ظاہر تھا، چنانچہ اس پر فریب مردم شماری سے عیسائیوں کی اکثریت ثابت ہو گئی، لبنان کے اعلیٰ حکام نے دوسری صحیح اور مکمل مردم شماری کرانے سے انکار کر دیا، اور آج بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہیں، جبکہ پہلی مردم شماری پر چالیس برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اسی مردم شماری کی بنیاد پر قومی دستور مرتب کیا گیا، عہدوں اور پارلیمنٹ کی نشستوں کی تقسیم انجام پائی اور ہمیں سے اس عرب اسلامی ملک میں مسلمانوں کی حیثیت اور مستقبل کا تعین ہوا

اور وہ یہ کہ مسلمان تعداد میں اکثریت کے باوجود اپنے وطن میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے، معاملہ کی سنگینی اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ غیر مسلموں کو لبنانی قومیت پسندی فیاضی سے دی جا رہی ہے اور اس طرح ان کے سیاسی مستقبل کا تحفظ کیا جا رہا ہے۔

فرانس جب لبنان کو چھوڑا تھا تو اس نے حکومت مارونی فرقہ کے سپرد کی اور ایک ایسا دستور (CONSTITUTION) وضع کیا گیا جس کے رو سے ساری طاقت صدر جمہوریت کے قبضہ میں ہوتی ہے، اور وہ ہمیشہ عیسائی ہوتا ہے، اس کو سب سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں، وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوتا، اور وزیر اعظم کو جس کے متعلق دستور میں ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں میں سے منتخب کیا جائے گا، صدر جمہوریہ ہی مقرر کرتا ہے، وزیر اعظم پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، اور پارلیمنٹ جب چاہے، اس کے خلاف اور اس کے وزراء کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پاس کر سکتی ہے، وزیر اعظم کے پاس مخصوص اختیارات بھی کچھ نہیں ہوتے حقیقت یہ ہے کہ وہ صدر جمہوریہ کا ہیڈ کلرک ہوتا ہے اگرچہ علی طور پر عزت مآب صدر جمہوریہ کا محافظ اور ڈھال ہوتا ہے۔

یہ تو وہ دستور ہے، جو تحریری شکل میں ہے اور جو لبنانی مسلمانوں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتا، اس کے علاوہ وہاں ایک اور دستور بھی ہے، جو کہیں تحریری شکل میں نہیں ہے، وہ ہے وہ طریقہ جس کو لبنانی جمہوریہ اپنا رہے ہوئے ہے، ان دونوں دستوروں میں نمایاں تضاد پایا جاتا ہے، چنانچہ کلییدی جہدوں پر غیر مسلموں کی اجارہ داری ہے، ترقیاتی پروگراموں، مدارس، ادارے اور وظائف وغیرہ کے مستحق صرف غیر مسلم علاقے ہوتے ہیں، اخلاق و اقدار سے انحراف اور یکساں سول کوڈ کی دعوت مزید برآں جس کی اس ملک کی زندگی میں بہت اہمیت ہے، تعطیل کے ایام حکومت نے جموعہ کے بجائے سنیچر اور اتوار کو مقرر کیا ہے، حکومت

کی سفارشات میں سے ہے کہ ملازمت کی بنیاد فرقہ وارانہ نہ ہو، ان اسلامی علاقوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ترقی کے مواقع سے محروم رکھا جاتا ہے، اسی طرح جن مسلمانوں نے کسی وجہ سے لبنان چھوڑ دیا تھا، ان کو لبنانی قومیت حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے بلانہ اس صدمتِ حال کی ذمہ داری لبنانی مسلمانوں پر بھی ہے، اور بہت سی چیزوں کا تعلق ان کی کوتاہ بینی اور حالات کا صحیح اندازہ نہ لگانے سے ہے، کیونکہ لبنان کے سارے حالات غیر مسلموں کی جانب سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق رونما ہوئے، اس کے برعکس مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کسی منصوبہ بندی سے کام نہیں لیا، ایک سبب مسلم پارٹیوں کے لیڈروں کی انانیت اور سیاسی رہنماؤں کی خود غرضی اور نفس پرستی بھی ہے، جو ہر قیمت پر وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ کو قبول کرنے رہے، خواہ اس سلسلہ میں لبنان کے مسلمانوں کے مفادات اور مصالح کو قربان ہی کرنا کیوں نہ پڑے، ان لیڈروں نے کبھی لبنانی مسلمانوں کے ساتھ مساوات اور ان کے فطری اور شہری حقوق کا مطالبہ نہیں کیا، اور بعض اوقات وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ کو قبول کرنے کے لئے عزت مآب صدر کی دعوت پر فوراً البیک کہا خواہ اس کی مدت چند ہفتوں اور چند دنوں سے زیادہ نہ ہو۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ لبنان کے مسلمان عرب حکومتوں اور عرب دنیا سے بالکل علیحدہ اور الگ تھلگ رہتے ہیں، ان کو کسی عرب حکومت سے کوئی تعاون اور اپنے مسائل کے سلسلہ میں کسی قسم کی ہمدردی حاصل نہیں ہوتی، اس کے برخلاف عیسائی فرقہ کو تمام عیسائی یورپین قوموں، امریکا اور یونین سے ہر طرح کا تعاون ملتا ہے، پوری عیسائی دنیا اس کی لئے یہ حصہ استاد محمد علی انصاری الحمادی کی فاضلانہ کتاب "المسلمون فی لبنان واطنون لاعایا" کے مطالعہ اور مطالعہ پر مبنی ہے۔

پشت پناہی کرتی ہے، لیکن مسلمانوں کو عرب اور اسلامی دنیا سے کوئی مدد نہیں ملتی بعض حکومتیں اور بعض عرب ممالک کے دولت مند اور اصحاب خیر حضرات کچھ اسلامی اور فلاحی اداروں کے ساتھ تعاون ضرور کرتے ہیں، مگر اس سے لبنانی مسلمانوں کی موجودہ صورت حال اور ان کی آئندہ نسلوں کے مستقبل پر جو اس ملک سے وابستہ ہے کوئی اثر نہیں پڑتا، حالانکہ یہ ملک اپنے جغرافی اور سیاسی عمل وقوع کی بنا پر بہت اہمیت رکھتا ہے اور عرب ملکوں کے حالات اور مستقبل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

اوپر کے سطور میں یہ اشارہ گزر رہا ہے کہ غیر مسلم طاقتوں نے لبنان میں مسلم عرب اکثریت کو بے اثر و بے دخل بنانے اور سچی فرقہ کو اس علاقہ میں دائمی اقتدار عطا کرنے کے لئے منصوبہ بند طریقہ پر کام کیا، اور سب کچھ ایک مکمل و مرتب اسکیم کے ماتحت تھا، حسن اتفاق سے ابھی حال میں اس کا ایک دستاویزی ثبوت ملا، یہ ایک رازدارانہ تحریر ہے جو حکومت فرانس کی طرف سے عیسائی قائدین اور کارکنوں کی رہنمائی کے لئے مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی، یہاں اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

[یہ اس منشور کا عربی ترجمہ ہے، جو ۱۹۱۹ء میں اتفاق سے لبنان کے ایک کلیسیا میں

فرانسیسی زبان میں لکھا ہوا ملا تھا،]

”اور حکومت کی جانب سے اس کے مخلص فرزندوں کے نام۔

اے یسوع مسیح کے بیٹو!

اے وہ جنہوں نے اپنے عقائد کے تحفظ اور دفاع کے لئے صدیوں تک فتن و

رسوائی کو برداشت کیا، اے شرفاء اطہار! یہ دس نعمتیں ہمیشہ یاد رکھئے:

(۱) یہ وطن آپ ہی کے لئے وجود میں آیا ہے، تاکہ آپ اپنا شیرازہ اٹھا کر سکیں

اور تاریخی جنگ کے بعد اپنی آزادی سے متمتع ہو سکیں، آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ عیسائی کے معنی لبنانی ہیں، اور صحرا سے آنے والے عربوں کو صحرا واپس جانا چاہئے (۲) ہم نے آپ کے لئے وہ تمام اہم انتظامات کر دیئے ہیں جو اس علاقہ میں آپ کی خوشحال زندگی کے ضامن ہیں، مثلاً ملکیت اراضی، غیر ملکی ایجنسیاں، سیاسی صورتحال اور زر، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ان مفادات کا تحفظ کریں اور ان میں روز افزوں اضافہ کریں۔

(۳) تفریح گاہوں اور ریاضتی انتظامات پر قبضہ کرنے کی کوشش کیجئے اور جب آپ اکثریت میں ہو جائیں تو عربوں کو ان کی بستیوں سے نکال دیجئے، بیروت کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں جہاں مسلمان نہ ہوں ایک ریزر و بند گاہ کی تعمیر ہو، مرکز نہ بھولئے جس وقت بھی موقع ملے اور حالات سازگار ہوں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کیجئے۔

(۴) طاقت کے تمام ذرائع اختیار کیجئے، مثلاً جسمانی ورزش، اسلحہ اور نوواؤں کی تنظیمیں، فوج سے دہشتی لیجئے، اپنی بات پوشیدہ رکھئے، اپنے رفقاء پر اعتماد کیجئے اس لئے کہ دشمنوں کے ساتھ معرکہ بہت طویل اور سلسل ہے۔

(۵) ادبی قیادت کی زمام اپنے ہاتھ میں لیجئے، مثلاً کتابوں کی اشاعت اور تمام انجمنوں اور اکیڈمیوں پر آپ کا قبضہ ہو، ہرگز یہ تسلیم نہ کیجئے کہ آپ کی زبان کا سرمایہ تنہا مسلمانوں کی ملکیت ہے، اور بغیر کسی رو رعایت کے ان تمام افکار و اختصاص سے جنگ کیجئے جو آپ کے رجحانات کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۶) اپنے باہمی اختلافات کو نظری اور سطحی حد سے آگے نہ جانے دیجئے

کیونکہ آپ کی زندگی کا دار و مدار کا فردِ دشمن کے مقابلہ میں آپ کے اتحاد و کمیت پر ہے اور آپ تو اس یسوع کے فرزند ہیں جس نے ہم کو محبت کا درس دیا ہے۔

(۷) دوسروں کے منصوبوں کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہئے، اور ان کے ساتھ مل کر کام کیجئے تاکہ اندرونی باتوں کا علم ہو سکے، اور ضرورت کے وقت ان کی فطری تائید میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن کلیسا اور سرداروں سے ہر شخص کا رابطہ استوار ہونا چاہئے اور اپنے مخلص آبا کے احکام کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے۔

(۸) ہر بلند جگہ پر اپنے سروں کو اور اپنے شعائر کو بلند رکھئے اور یقین کیجئے کہ آزاد دنیا کی تمام عظیم طاقتیں بہت جلد آپ کے ساتھ ہوں گی لیکن اپنا کام اس طرح کیجئے کہ گویا آپ کو اس کا قطعاً علم نہیں ہے۔

(۹) طبی اور شخصی خدمات کے ذریعہ عرب بادشاہوں اور سربراہوں سے قریب ہونے کی کوشش کیجئے؟ یہ سہل ترین راستہ ہے، اس سے کام کا وسیع میدان ملے گا، بڑی دولت حاصل ہوگی اور ان ملکوں میں بھی گھسنے کا موقع ملے گا، جن میں آپ کا داخل ہونا دشوار ہے۔

(۱۰) لبنانی قومیت کا معرکہ بہت اہمیت رکھتا ہے، بڑی ہوشمندی اور باریک بینی سے کام لیجئے تاکہ اپنے اکثریتی حقوق کا تحفظ کر سکیں ورنہ تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

دارالافتاء میں ایک اعزازی تقریب

جمعرات کے روز ۲۷ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۷۳ء کو شیخ حسن خالد مفتی لدین

نے وفد کے اعزاز میں ایک نظرانہ دیا، جس میں لبنان کے موجودہ وزیر اعظم استاذ تقی الدین بصلح، سابق وزیر اعظم استاذ صائب سلام، متعدد وزراء مملکت، ممبران پارلیمنٹ، عاملین شہر، علماء و قضاة اور ارباب و مفکرین کی بڑی تعداد شریک تھی۔

لبنان یونیورسٹی اور بیروت کی عربی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر صبحی صانع نے تعارفی تقریر کی راقم سطور کی تصنیفات خصوصاً، العرب والاسلام اور تحریک ندوة العلماء کا تفصیل سے جائزہ لیا، پھر راقم سطور نے تقریر کی جس میں ان حضرات اور ان دوستوں کا شکریہ ادا کیا جن کی بدولت وفد کے قیام اور اس کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں سہولت ہوئی، اس کے بعد لبنانی مسلمانوں کے نازک موقع پر احتیاط سے روشنی ڈالی، جس ملک میں وہ زندگی گزار رہے ہیں اور جو مسائل ان کو درپیش ہیں ان میں لبنانی مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں اور اس سلسلہ میں اسلام کا ان سے کیا مطالبہ ہے، ان سب باتوں کی وضاحت کی، ذیل میں تقریر کا خلاصہ درج ہے، جو مقرر نے اپنے حافظہ کی مدد سے املا کرایا ہے۔

تہذیبوں کے سنگم اور عالمی ایج پر مسلم قوم کا کردار

میں اپنی جانب سے رابطہ عالم اسلامی کے وفد کے ارکان اور اپنے رفیق محترم، مشہور اسلامی مصنف، سعودی حکومت کی مجلس شوریٰ کے رکن، جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ کے استاذ اور وفد کے ممبر استاذ احمد محمد جال کی جانب سے حضرت مفتی اعظم کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہم کو لبنان کے قیام کے دوران اس اعزاز و اکرام سے نوازا، اور میں خاص طور پر حضرت مفتی محترم کا اس لئے بھی مشکور ہوں کہ آپ نے ہمارے لئے اتنی بڑی منتخب جماعت سے ملاقات،

تعارف اور گفتگو کرنے کا مبارک موقع فراہم کیا، جو لبنان کے مختلف طبقوں اور رجحانات کی نمائندگی کرتی ہے، اگر خود ہم ان تمام حضرات سے ملاقات کی کوشش کرتے تو کبھی کامیابی نہ ہوتی۔

محترم حضرات!

مجھے صورتحال کی نزاکت اور آپ کی عظیم ذمہ داری کا پورا احساس ہے، آپ ایک ایسے ملک میں زندگی گزار رہے ہیں جو مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور مختلف زبان و ادب کا سنگم ہے، آپ کی ذمہ داری بہت عظیم اور آپ کا کام بہت نازک ہے، اور بڑی ذہانت، دور اندیشی، بیدار مغزی ضروری سوچ بوجھ، پیش بینی اور معاملہ فہمی چاہتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ جس مذہب اور پیغام کے آپ نمائندہ ہیں، اس پر پختہ یقین و اعتماد اور جن غلط فکری دھاروں سے آپ کا سامنا ہے، ان کے مقابلہ میں پورے ثبات و استقلال کی ضرورت ہے، اس عالمی اسٹیج پر جس کی طرف ساری دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں آپ کو ایک تعلیم یافتہ مسلم اور حکیم و پختہ مومن کا کردار ادا کرنا ہے، آپ کا ہر عمل بہر قدم اور ہر رویہ ریکارڈ ہوتا ہے، اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں کی نمائندگی سمجھا جاتا ہے۔

حضرات! آپ دنیا کے سامنے ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام میں صلاحیت ہے، میں نہیں کہوں گا کہ باقی رہنے کی، میرے نزدیک زندہ رہنے کی صلاحیت اور بقا کے حق کی بھیک مانگنا کمتر درجے کی چیز ہے، نہیں، بلکہ اسلام میں صلاحیت ہے، قیادت کی، انسانیت کی گھریلانی کی، ان مسائل کو حل کرنے کی جن سے

دنیا کے سائے مفکرین اور قانون دان پریشان اور معاجز ہیں، اس طرح آپ اپنے دین کی ایسی خدمت انجام دیں گے، جو کوئی قوم اور عرب بلکہ سائے عالم اسلام میں کوئی ملک بھی انجام نہیں دے سکتا، اور حیران و مضطرب عرب دنیا اور عالم اسلام کے سامنے ایک قیادت پیش کر سکیں گے۔

حاضرین کرام!

آپ کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ آپ کو مغربی تہذیب اور عصر حاضر کے چیلنج کا رد و مقابلہ ہے، جو بہت سی دوسری عرب اور مسلم اقوام کو نہیں ہے، آپ مغربی تہذیب کے بھرپور موج میں ہیں، آپ ایک نازک آزمائش گاہ اور ایک علیاتی تجربہ گاہ میں ہیں اور سارا عالم اسلام اس تجربہ اور آزمائش میں آپ کی سر بلندی اور کامرانی کے لئے چشم براہ ہے۔

اگر اس روزمگاہ میں آپ فتیاب ہوئے اور اپنا راستہ نکال لیا تو آپ کے دوسرے ہمسایہ عرب اور اسلامی ملکوں کے لئے بھی راہ کھل جائے گی، بلاشبہ یہ ذہانت و ذکاوت کی آزمائش ہے، ایمان و یقین کی آزمائش ہے، بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی آزمائش ہے، اور جن صلاحیتوں اور طاقتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے، اور جو مواقع آپ کے لئے فراہم کئے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری امید ہے کہ اس امتحان میں آپ سرفرازی اور سر بلندی سے ہمکنار ہوں گے، لبنان میں جو شب و روز ہم نے گزارے ہیں، ان سے ہمارے حوصلوں کو بلندی اور امیدوں کو تازگی اور تقویت ملی ہے، اور جیسا کہ میں نے طرابلس میں کہا تھا، اس ملک میں آپ کے وجود کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو اس سیلاب کے روکنے، اسلام دشمن عناصر سے خبردار کرنا ہوئے اور اس عجیب و غریب ملک میں، اسلام کا علم بلند کرنے کا اہل اور حقیقی سزاوار سمجھا ہے آپ کو اس اعتماد اور اعزاز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے، آپ کو ہر مرحلہ پر ثابت قدم رکھے اور آپ کے دلوں کو اتحاد، اخوت اور یگانگت کے جذبات سے معمور فرمائے۔

حضرات! میں نے مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور انسانی معاشروں کا جو محدود مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ زمان و مکان اور ماحول و تعلقات سے قطع نظر، اسلامی تہذیب کو اگر مستثنیٰ کر دیا جائے تو مغربی تہذیب سے زیادہ طاقتور، زود اثر اور اس سے زیادہ نفوذ و رسوخ رکھنے والی کوئی تہذیب آج تک نہیں پائی گئی، مغربی تہذیب انسانی معاشرے کے ہر گوشہ میں داخل ہو گئی، خیالات و جذبات پر غالب آگئی، زندگی کی قدوس کو بدل ڈالا، سوچنے اور سمجھنے کے انداز پر اثر انداز ہوئی، غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہا، جس پر اس کا تسلط اور تصرف نہ ہو، وہ غریبوں کے خاندانوں میں بھی موجود ہے، اور امیروں کے نگارخانوں میں بھی۔

مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب دونوں چونکہ انسان اور انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، اور انسان کے مسائل و ضروریات سے بحث کرتی ہیں، اس لئے کچھ نقطوں پر ان کا اتصال ہوتا ہے، اور کچھ نقطوں پر ان کا افتراق، بعض مواقع پر دونوں کا راستہ ایک ہو جاتا ہے، اور بعض مواقع پر دونوں کے راستے مختلف

ہوجاتے ہیں۔

بحیثیت مفکر اور اسلام کے محرم راز کے، نیز چونکہ اس متضاد ملک میں آپ رہتے ہیں، آپ کا فرض ہے کہ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان ایک باریک اور واضح لائن کھینچ دیں جو فرق و امتیاز کا کام دے ان چیزوں کے درمیان جن کا اخذ کرنا مغربی تہذیب سے صحیح ہو اور جن کا اخذ کرنا صحیح نہ ہو بے حیائی، بے پردگی اور جاہلی زیب و زینت کے درمیان اور اس پردہ اور احتیاط کے درمیان جس کا اسلام نے حکم دیا ہے، لطف اندوزی اور کھیل کود کی اس حد کے درمیان جسے اسلام نے مباح قرار دیا ہے، اور حدود و قیود سے بالاتر ہو کر اس نفس پرستی شہوت رانی اور حیوانیت کے درمیان جو اسلام میں ممنوع قرار دی گئی ہے ایسی لائن جو باریک بھی ہو اور واضح بھی، اتنی باریک بھی نہ ہو کہ ظاہر نہ ہو اور اس کو کوئی دیکھ نہ سکے، ایسے باریک خط سے کوئی فائدہ نہیں جو لوگوں کو دکھائی نہ دے، اور یہ لائن اتنی موٹی اور بھدی بھی نہ ہو کہ لوگوں کو گراں گزے، زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں حائل ہو جائے اور دشواری پیدا کر دے، ایسی لائن جس پر ہر مسلمان جو اپنے دین پر ایمان رکھتا ہو، اور اپنی شریعت کا احترام کرتا ہو، آکر رک جائے اور اس کو پار کرنے کی جرأت نہ کرے، ایسی لائن کسی بھی اسلامی ملک میں جس کا مغربی تہذیب اور عہد حاضر کے فکری دھاروں سے مقابلہ درپیش ہے، موجود نہیں ہے، چنانچہ ایک انتشار پیدا ہو گیا ہے، مسلمان اس تہذیب کے طور طریق اور علوم و افکار سے استفادہ کرنے میں تمام حدود کو پھلانگ گئے ہیں اور تعلیم یافتہ نوجوان بلکہ ارباب علم و فکر کا

طبقہ بھی موجود صورت حال کے سامنے یکسر سہمنا نہ ہو گیا ہے، آپ کے لئے یہ خط کھینچنا زیادہ آسان اور زیادہ ممکن ہے، اس لئے کہ آپ ایسے ملک میں رہتے ہیں، جہاں مغربی تہذیب کا دور دورہ ہے، اور جو اس تہذیب کو اپنانے میں بہت آگے جا چکا ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ — اس وقت میں خطاب لبنانی دارالافتاء سے ہے — اسلامی روح اور اسلامی قانون کا وسیع اور عمیق علم رکھتے ہیں، میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور میری تمنا ہے کہ آپ اس کا عظیم کم بخوبی انجام دیں اس لئے کہ اس کام کا ہمارا زندگی اور مسلمانوں کے مستقبل پر بہت گہرا اور ہمہ گیر اثر ہوگا۔

حضرات علمائے کرام!

آپ کی تیسری ذمہ داری میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ جس معاشرہ میں زندگی گزار رہے ہیں، اس کے سامنے ایسی چیز پیش کیجئے جو اس کے پاس نہیں ہے، آپ اس خلا کو پر کیجئے، جو بہت دنوں سے پیدا ہو گیا ہے، علم و ثقافت، تہذیب و تمدن، اشکال و مظاہر اور عیش و طرب کی زیادتی نے اس معاشرہ کو مرضِ تھمہ میں مبتلا کر دیا ہے، اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ اس چیز کی قدر کرتا ہے، جو اس کے پاس موجود نہیں ہوتی اور اس شخص کو عورتِ احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس کے پاس یہ چیز ہوتی ہے، تو یہ ترقی یافتہ معاشرہ جو علم و تہذیب کے نقطہ عروج پر ہے، معلومات کی کثرت، علم کی زیادتی، طلاقت لسانی، زور خطابت اور آرائش و زیبائش سے زیر نہیں ہو سکتا، وہ زیر ہو سکتا ہے تو اسی چیز سے جو اس کے یہاں نایاب ہے،

جس میں وہ مفلس اور تلاش ہے، وہ قناعت، سادگی، زہد، ضبط نفس، جاہ و منصب کے سحر و طلسم سے آزاد ہونے اور زندگی کے رنگیں، خوشنما اور کھوکھلے مظاہر سے بے اعتنائی ہی سے زیر ہوگا۔

یہ معاشرہ اس میدان میں بالکل دیوالیہ ہو چکا ہے، وہ یہ ماننے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے، جو اس لذت و راحت کو ٹھکراتا، اور ان "بلند قدروں" کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جن پر ساری دنیا کا ایمان ہے، اور سارے لوگ جن کی پرستش کرتے ہیں۔

آج علم و عقل کا بحران نہیں ہے، مال و مادہ کا بحران نہیں، تہذیب و تمدن کا بحران نہیں ہے، بحران اس زندہ ضمیر کا ہے، جو خریدنا جاسکے جو کہیں کھو نہ جائے، جو کسی سودے بازی کو قبول نہ کرے، اس دل کا بحران ہے، جو زندگی اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو۔

آج دل و ضمیر کا یہ حال ہے کہ — میری مراد نہ کسی ایک ملک سے ہے نہ کسی ایک شخص سے — وہ سامان خرید و فروخت ہو گئے ہیں، جن کی سودا باز ہوتی ہے، جن کو خریدا اور بیچا جاتا ہے، مسئلہ سامان کا نہیں اس قیمت کا ہے جو ادا کی جاتی ہے، اور جس سے ضمیروں اور اصولوں کو خریدا جاتا ہے، آج سارے لیڈر اور قوم کے ناخدا حکومت کی کرسیوں اور پارٹی کی لیڈر شپ کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، خواہ اس کے حصول میں کوئی قیمت بھی ادا کرنی پڑے۔ بلاشبہ یہ دل و ضمیر اور شخصیت و اخلاق کا بحران ہے، جس نے اسلامی ملکوں میں صحیح اور مستقیم قیادت کے بحران کو جنم دیا ہے، اور ایسے بے شمار

مسائل پیدا کر دیئے ہیں، جن کا کوئی حل نہیں ہے، اور سارے لیڈروں اور قومی رہنماؤں کا اعتماد ختم ہو گیا۔

آپ جو اسلام کے علمبردار اور داعی اللہ الشریعہ کے عظیم منصب پر سرفراز ہیں، اس خلا کو پر اور اس شکاف کو بند کر سکتے ہیں، موجودہ معاشرہ اور موجودہ تہذیب کے سامنے زندگی، اخلاق اور شخصیت کا ایک نیا نمونہ پیش کر سکتے ہیں، اور اس طرح مذہب اپنا اعتماد اور علم اور ارباب علم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک بار پھر میں جمہوریہ لبنان کے مفتی شیخ حسن خالد اور ان کے شاگردوں اور دوستوں کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہماری عزت افزائی فرمائی اور لبنانی مسلمانوں سے ملنے، ان کی سرگرمیوں اور ان کے علمی و فلاحی اداروں سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔

جن مقامات کو ہم نہیں دیکھ سکے

شیخ مفتی حسن خالد کا بہت اصرار تھا کہ ہم "بقاع" کا دورہ بھی کریں جو ایک بڑا اسلامی علاقہ ہے، اس علاقہ کا ایک وفد بھی ہماری ملاقات کے لئے آیا تھا، اور وہاں آنے کی دعوت بھی دی تھی، اسی طرح بعلبک دیکھنے کا موقع بھی تھا، جو شہور تاریخی شہر ہے، اور جب ہم نوحی پہلی کتاب پڑھ رہے تھے، اسی وقت سے اس کا نام ہمارے کانوں میں گونجتا رہا ہے، مگر وقت کی تنگی کی بنا پر ہم کو معذرت کرنی پڑی، اور ۵ رجب ۱۳۹۳ھ (۳ اگست ۱۹۷۳ء) کو جمعہ کے روز دمشق جانے کے لئے طے کیا، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی چیز ہمیں دمشق جانے پر

مجبور کر رہی تھی، تاکہ وہاں ہم کو ایک نئے تجربہ سے دوچار ہونا پڑے اور ہم اس کا مقابلہ نہیں کر پارہے تھے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ملاقاتیں

اس دورہ کے اثناء میں جن قابل ذکر ملاقاتوں کا موقع ملان میں مجاہد عالم شیخ نصر الخطیب سے ملاقات تھی، یہ ہمارے دیرینہ دوست ہیں، ۱۹۵۸ء سے تعارف ہوئے، میرے دمشق میں قیام کے دوران وہ بھی وہیں مقیم تھے، اس وقت وہ بیروت میں جمعیتہ الرابطة الاسلامیہ کے صدر اور جمعیت کے تحت چلنے والے مدرسۃ الفتح الشافعیہ کے ناظم بھی ہیں، یہ لوگوں کا مدرسہ ہے ۱۹۶۶ء سے تعلیمی خدمت انجام دے رہا ہے، اس مدرسہ نے لبنان کے مسلم معاشرہ میں ایک بہت بڑے ظلم کو پر کیا ہے، اور صالح تعلیم یافتہ اور باشعور خواتین کی ایک نسل تیار کی ہے، اسلامی آداب اور اسلامی شعائر کی پابندی اور تبلیغ میں اس مدرسہ نے لائق تحسین کردار ادا کیا ہے۔

استاذ محمد مبارک سے بھی ملاقات ہوئی جو سوریہ کے سابق وزیر، دمشق میں کلیۃ الشریعہ کے سابق پرنسپل اور کلیۃ الشریعہ مکہ کے موجودہ استاذ ہیں، اسلامی مفکرین اور مصلحین کی صفِ اول کے آدمی ہیں۔

استاذ عمر واعق سے ملاقات ہوئی جو لبنان کی جماعت "عباد الرحمن" کے بانی ہیں اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں قائدانہ حصہ لیتے ہیں۔

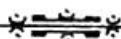
مکتب اسلامی بیروت کے مالک استاذ ہر شادیش سے ملاقات ہوئی جنھوں نے اسلامی مفکرین کی کثیر التعداد علمی اور فکری تصنیفات کو بڑی تحقیق اور اہتمام سے شائع کیا ہے، اسی طرح محب محترم استاذ علی حسن فدع سے بھی ملاقات ہوئی، جو جدہ کے میر رہ چکے ہیں، میری ملاقات

ان سے ۱۹۵۰ء سے ہے، جب وہ وزارت مالیہ میں ایک اچھے عہدہ پر فائز اور ریڈیو اور صحافت میں اول اول نمودار ہوئے تھے، انھوں نے بڑی وسعت داری اور شرافت کے ساتھ اس تعلق کو قائم رکھا ہے، اور وہ راقم سطور کے مخلص دوستوں میں ہیں۔

یہ لبنان کی تمام اسلامی تنظیموں اور انجمنوں کے تذکرہ اور ان کی جرح و تعدیل کا موقع نہیں ہے، اس کے لئے طویل قیام اور وسیع معلومات کی ضرورت ہے، لیکن بعض انجمنوں اور تنظیموں کی طرف اشارہ نامناسب نہ ہوگا جن کا وہاں کے مسلم معاشرہ پر اثر پڑا ہے مثلاً جمعیتہ المقاصد الاسلامیہ، جمعیتہ تعلیم بنار المسلمین فی القری، مؤسسۃ الخدمات الاجتماعیہ جمعیتہ المحافظہ علی القرآن الکریم، جمعیتہ الرابطة الاسلامیہ فی بیروت، الجماعۃ الاسلامیہ، یہ ان اداروں اور انجمنوں کے علاوہ ہیں، جن کا ذکر اس مختصر سرگزشت میں آیا ہے۔

سعودی سفارتخانہ کی جانب سے اعزازی تقریب

۴ رجب ۱۳۹۳ھ جمعرات کی شام کو سعودی سفارتخانہ تے وفد کو استقبال دیا جس میں خا ہزادہ امیر متعب بن عبدالعزیز (ملک فیصل کے بھائی) عرب اور مسلم حکومتوں کے سفراء، ڈپلومیٹ، عمائدین شہر اور صحافیوں کی بڑی تعداد شریک تھی، یہ وفد کے دورہ لبنان کی آخری کردی تھی، اور جمعہ کے روز ۵ رجب ۱۳۹۳ھ (۳ اگست ۱۹۷۴ء) کو دمشق کا سفر طے ہو چکا تھا۔



دودن
دمشق میں

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ

مولوی محمد اجمل یوسف اصلاحی ندوی

بیروت سے دمشق

بیروت کے سعودی سفارت خانہ نے دمشق کے سعودی سفارت خانہ سے رابطہ قائم کیا اور اسے اطلاع دی کہ وفد کی بیروت سے دمشق روانگی کا پروگرام جمعہ کے روزہ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۷۳ء کو ہے۔

ہم سویرے ہی سے سفر کے لئے تیار ہو گئے، ہماری خواہش تھی کہ روانگی صبح سویرے ہی ہو، کیونکہ جمعہ کا روز تھا، اور ہم کو لبنان اور شام کی سرحدوں سے گزرنا تھا، ان دنوں یہ سرحدیں بند تھیں، مگر ہمارا سفر رابطہ عالم اسلامی کے وفد کی حیثیت سے ہو رہا تھا، رابطہ عالم اسلامی نے پہلے جدہ اور دمشق کے سرکاری حلقوں سے رابطہ قائم کر لیا تھا، شام کی حکومت نے وفد کے استقبال اور اس کی میزبانی کے لئے آمادگی بھی ظاہر کی تھی۔

دمشق سے سعودی سفارت خانہ کا ایک نمائندہ بیروت آیا اور وفد کو اس نے اطمینان دلایا کہ حالات معمول کے مطابق ہیں، اور وہ خود سرکاری کارڈایوں کو مکمل کرنے کے لئے ہم سے پہلے ہی "شتورہ" پہنچ گیا، اس کے بعد ہم بھی پہنچے اور ضروری کاموں سے فرصت حاصل کی۔

دشق سے میرا دیرینہ تعلق

ہم دشق روانہ ہو گئے، دشق جہاں میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی زندگی کے خوشگوار ترین لمحات گزائے ہیں، حرمین شریفین کے بعد اگر کسی شہر کو میں اپنا محبوب ترین شہر کہہ سکتا ہوں تو وہ دشق ہی ہے، میں اس کے بہت سے محلوں، سڑکوں اور باغات و مناظر سے واقف ہوں، دشق میں میرے عزیز ترین احباب اور دوست تھے، جن سے خاص فکری اتحاد اور مناسبت تھی، اور دشق کا قیام ہمیشہ میرے لئے خوشگوار اور مسرت بخش ثابت ہوا، دل کو سکون اور روح کو راحت نصیب ہوئی، آب و ہوا اس آئی، میں جب شوقی کا یہ شعر پڑھتا تھا "تو اس میں کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا تھا:-

امنت بالله واستغثت جنتہ

دشق روح و جنات و ریحان

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ پر میرا ایمان ہے، میں اس کی جنت کو مستغنی قرار دے کر لکھتا ہوں

کہ دشق سراپا باغ و بہار اور روح و ریحان ہے۔

ہم دشق کی طرف بڑھ رہے تھے، باہر سے آنے والے کے لئے دشق کا راستہ دنیا کے حسین ترین راستوں میں ہے، معروف اور مانوس مقامات سے ہمارا گزر رہو رہا تھا، حماسی شاعر صمد بن عبداللہ کے یہ اشعار میری زبان پر تھے:-

بنفسی تلك الارض ما اطيب الزلى وما احسن المصطاف والمترجا

وليس عشايا الحمى برواجع عليك ولكن خل عينيك تد معا

ترجمہ:- اس سرزمین پر قربان جاؤں، اس کے ٹیلے کتنے خوشگوار و زرخیز اور

موسم بہار اور گرمی گزارنے کے مقامات کتنے خوبصورت ہیں۔

حمی کی شامیں اب واپس آنے والی نہیں ہیں، اس لئے آنکھوں کو جی بھر کر دیکھ لیں۔

میرادشقی کا پہلا سفر رمضان ذی القعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق جون اگست ۱۹۵۱ء

میں ہوا تھا، کرنل ادیب اششنگلی کا زمانہ تھا، ڈیڑھ مہینہ تک میرا قیام رہا، میں نے تاثرات اپنی ڈائری میں قلمبند بھی کئے تھے۔

دوسرا سفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں ہوا، اور تین مہینہ تک قیام رہا، یہ سفر

دشقی یونیورسٹی کے کلیہ الشریعت کی دعوت پر "وزٹینگ پروفیسر" کی حیثیت سے پیش آیا تھا، اس وقت شگری القوتلی بک صدر جمہوریہ تھے۔

گزشتہ شام کے معاشرہ کی چند جھلکیاں

شام کے معاشرہ اور اس کی عام زندگی کی ان خصوصیات میں جن میں وہ اپنے دوسرے

عرب اور پڑوسی ملکوں سے ممتاز تھا، ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ فرق و اختلافات سے قطع نظر

مذہب کو عوام کے دلوں میں اثر و رسوخ اور ایک خاص مقام حاصل تھا، معاشرہ علماء کا

احترام کرتا تھا، ملک میں بہت سے اسلامی اخلاق و آداب اور شرقی روایات رائج اور باقی

تھیں، پورے ملک پر ایک عربی اور اسلامی چھاپ تھی، بے پردگی پہلے دوڑیں شاذ و نادر اور

دوسرے میں کم تھی، اگرچہ وقت اور رجحانات کی تبدیلیوں کے آثار صاف نمایاں تھے، جن کو

دیکھنے اور محسوس کرنے کے لئے بصارت اور معمولی سوچ بوجھ کافی تھی، اس کے لئے بصیرت اور

غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔

۱۔ اس سفر کی تفصیلات کے لئے دیکھئے مصنف کی کتاب "ذکرات سامع فی الشرق العربی" ص ۲۱۸-۲۴۰

خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی، اور حالات کا تقاضا تھا کہ اسلام اور اس ملک کے مستقبل سے کچھ رکھنے والے مفکرین اور قائدین اس خطرے کی جانب فوراً اپنی توجہ مبذول کریں، مختلف سیاسی نظریات اور مختلف سیاسی پارٹیاں موجود تھیں، وزارتیں تیزی سے ٹوٹ رہی تھیں، حالات میں عدم استقرار اور بے یقینی کی کیفیت رہتی تھی، علما کے اندر اختلافات تھے، اور ایک کو دوسرے سے مختلف قسم کی شکایتیں تھیں، دینی جماعتوں اور تنظیموں میں اتحاد اور ہم آہنگی مفقود تھی۔

دوسری خصوصیت جس میں شام اپنے عرب پڑوسیوں سے ممتاز تھا، اور جسے باہر سے آنے والا ہر شخص محسوس کرتا تھا، وہ تھی وہاں کی خوشحالی، سکون اور دولت کی فراوانی، زمانہ قدیم ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی سرزمین کو زرخیز اور میوہ جات اور سبزیوں سے المالا کیا تھا، ہر طرف نہریں رواں اور شفاف و شیریں چشمے جاری تھے، باغات اور مزارعوں کی کثرت تھی، تجارت کو فروغ حاصل تھا، کسب حلال کے وہ ازے کھلے ہوئے تھے، نہ گزرائی تھی نہ اشار کی نایابی، نہ بے روزگاری تھی نہ کساد بازاری، بارشیں اپنے وقت پر ہوتی تھیں، پیداوار میں کوئی کمی نہیں تھی، ملک میں مشکل سے کوئی شخص بے کار، حالات سے بددل اور بے زار اور ناناہ کا شاکی نظر آتا تھا، سوائے اس کے کہ کسی شخص کی فطرت ہی شکایت اور ناشکری کی ہمد عوام زندگی کی آسائشوں اور راحتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، شب و روز بہت سکون اور آرام سے گزرتے تھے، داد و دہش اور خورد و نوش میں بڑی فراخ دلی اور وسعت نظر آتی تھی، گری گزارنے لوگ پہاڑوں پر (جو دمشق سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہیں)، حوطہ دمشق اور دوسری تفریح گاہوں پر جاتے تھے، اور وہاں دعوتوں اور تفریح طبع کی صحبتیں گرم ہوتی تھیں۔

۱۔ ایسے تفریحی سفروں کے لئے جمعی کو انگریزی میں پنک کہتے ہیں، جہاں قیلہ اور شام میں سیرانہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کو ہندوستان کے بعض علاقوں میں گولہ کہتے ہیں۔

میں جب شام کے باشندوں کو ان نعمتوں سے بہرہ مند اور ان راحتوں اور آسائشوں سے مستمع ہوتے دیکھتا تھا، تو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں شام کے باشندے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ان نعمتوں اور آسائشوں کی قدر شناسی میں کوتاہی نہ کریں اور ان نعمتوں کا پورا پورا حق اور شکر نہ ادا ہو پائے۔

اس خوشحال زندگی اور اس پرسکون اور نعمتوں سے بھرپور معاشرہ کی — جو کسی نہ کسی حد تک اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر ایمان رکھتا تھا، اور شرقی روایات کا پابند اور قدردان تھا۔ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ افراد کے اندر باہمی اعتماد، خیر خواہی اور ایشاء و اخوت کے نیک جذبات موجود تھے، اور اسی وجہ سے اس معاشرہ میں ایک روحانی سکون پایا جاتا تھا۔ ایک یورپین فاضل جو دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی وقفہ میں شام گئے تھے، اور عرصہ تک مقیم رہے تھے، اس سے خاصے متاثر اور کسی قدر متعجب ہوئے تھے۔

محمد اسد صفا (مابق LEO, POLD VEISS) اپنی مشہور کتاب (ROAD TO MECCA) میں دمشق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”اہل دمشق کی زندگی میں مجھے ایک روحانی سکون نظر آیا، باہم ایک دوسرے کے ساتھ ان کا جو رویہ اور معاملہ کرنے کا طریقہ تھا، اس میں یہ روحانی سکون اور باطنی طمانیت بخوبی دیکھی جاسکتی تھی۔“

آگے مختلف طریقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”دکان والوں کے باہمی معاملات کے طور طریق میں بھی یہ چیز نمایاں تھی چنانچہ چھوٹے تاجروں میں بھی جو فٹ پاتھ پر آواز لگاتے ہیں کسی طرح کے خوف و ہراس یا حسد و رقابت کے جذبات نہیں پائے جاتے تھے، اگر کسی دوکاندار کو کچھ دیر

کے لئے کہیں، باہر جانا ہوتا تو اپنی دکان اپنے پڑوسی اور ہمیشہ حرلیت کی ذمہ داری پر چھوڑ کر چلا جاتا تھا، بارہا میں نے دیکھا کہ خریدار ایک دکان کے سامنے کھڑا ہے، دکان کا مالک موجود نہیں ہے، خریدار شش و پنج میں ہے کہ دکاندار کی واپسی کا انتظار کرے یا پڑوس کی دکان پر جائے، اتنے میں پڑوس کا دکاندار جو غیر حاضر دکاندار کا ہمیشہ حرلیت ہے آتا ہے، خریدار کی ضرورت دریافت کرتا ہے، اور اس کا مطلوبہ سامان اپنی دکان سے نہیں بلکہ اپنے غیر حاضر پڑوسی کی دکان سے دیتا ہے اور قیمت اس کی نشست گاہ پر چھوڑ دیتا ہے، یورپ میں اس طرح کے نمونے کہاں نظر آتے ہیں؟^۱

بلاشبہ مشرقی ممالک میں بشمول مرکز اسلام زمانہ کی تبدیلیوں اور مغربی تہذیب اور مادی فلسفوں کے مسموم اثرات کے نتیجہ میں یہ باہمی اعتماد، بھائی چارہ، خیر سگالی اور اجتماعی خیر خواہی کی فضا بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے، جس کی بنا پر یہ باطنی سکون اور روحانی اطمینان بھی مفقود ہو گیا ہے۔

لیکن دونوں مرتبہ جب میں شام گیا تھا، تو وہاں کے معاشرہ میں یہ چیز کسی نہ کسی حد تک موجود تھی۔

اخیر دور میں شام کی زندگی اور حالات میں انقلاب

تیسری بار ۱۹۶۵ء کے موسم سرما کے آغاز میں شام جانا ہوا جب میں یورپ سے ہندوستان واپس آ رہا تھا، دمشق میں میرا قیام تین روز رہا، شام متعدد فوجی انقلابات سے

گزر چکا تھا، جنہوں نے زندگی کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا تھا، اور پورے معاشرہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، میں نے دیکھا کہ ان دلکش، جانفزا اور روح پرور مناظر میں سے اکثر غرقا ہو چکے تھے، شام گزشتہ خوشحالی اور فراوانی سے محروم ہو چکا تھا، باغات جو وہاں کی اہم ترین اقتصاد بنیاد تھے، پیداوار کی کمی کا شکار تھے، بارش کا سلسلہ اکثر منقطع رہتا تھا، ابلتے ہوئے چشتے خشک ہو چکے تھے، اور پانی کی مقدار بہت کم ہو گئی تھی۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ طبعی حالات و حوادث ہیں جن کا سیاست اور منصوبہ بندی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم اس سلسلہ میں کوئی بحث بھی نہیں کرنا چاہتے، لیکن افسوسناک بات یہ تھی کہ حکومتوں کی بے ثباتی، حکمرانوں کی تبدیلی اور بار بار ملک کی سیاست اور انتظام میں فوج کی دخل اندازی کی بنا پر عوام میں مستقبل سے بے اطمینانی، مایوسی اور بے یقینی پیدا ہو گئی تھی، اور یہ بے اطمینانی اور بے چینی زندگی کے ہر میدان میں نظر آتی تھی، خواہ وہ علمی اور تعلیمی میدان ہو یا فکری اور ادبی، سرکاری حلقے، خانگی زندگی، اجتماعی مواقع ہر جگہ یہ چیز نمایاں تھی، دوستوں کی گفتگو میں بھی ظاہر ہوتی تھی، اور ان کے چہروں پر بھی پڑھی جاسکتی تھی، تب مجھے ان انقلابات اور فوجی حکومتوں کے ہونا ک نتائج کا اندازہ ہوا، اور معلوم ہوا کہ اشتراکی قائدین ملک کو ترقی دینے، خوشحال بنانے، عزت نفس اور شرافت انسانی کے شعور کو فروغ دینے، امن و سکون پھیلانے اور آزادی خیال عطا کرنے کے جو بے شمار "سرخ" خواب دکھاتے تھے، وہ کس حد تک شرمندہ تعبیر ہوئے، ان مقاصد کو پورا کرنے کا ذکر ہی کیا جن کا نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، اور نہ جن سے انھیں دیکھی ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ ان مقاصد اور اقدار کی نفی بھی کرتے ہیں، اور اس کے خلاف برسرِ پکار ہو جاتے ہیں مثلاً مذہب، اخلاق اور روح وغیرہ۔

ان لیڈروں کا نعرہ تھا، روٹی بھوکے لئے ایک لقمہ، قوم کی بنیادی ضروریات کی فراہمی، فٹ پاتھ کے آدمی کی کفالت، اور ان کی تنگ و دو بھی انھیں مقاصد کے حصول کے لئے تھی، جب یہ مقاصد ہی حاصل نہ ہوئے تو اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ یہ فلسفے کوہ کندن کاہ براوردن کے مصداق ہیں، اور اشتراکیت، قومیت اور کمیونزم سب کے سب غیر عقلی اور غیر انسانی فلسفے اور نظامائے حیات ہیں، جو محض خوش عقیدگی، خوش فہمی اور جذباتیت پر مبنی ہیں، جن کو عقل، عمل، تجربہ اور نتائج کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا، یا سبھی اصول و مبادی ہیں، جن کا مقصد تخریب یا نظام سے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

اور اب یہ چوتھا سفر، برسوں کے وقفہ کے بعد پیش آیا، یہ وقفہ ماہ و سال کے حساب سے طویل نہیں تھا، لیکن حوادث سے پُر اور بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس وقفہ میں ملک متعدد انقلابات سے دوچار ہوا، بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں، کتنی حکومتیں آئیں اور گئیں، اسی وقفہ میں ۵ جون ۱۹۶۷ء کا رشح فرسا حادثہ پیش آیا، اور ان عرب ملکوں کے نقشہ میں جن کی سرحد اسرائیل سے ملتی ہے، اور جو عرب اسرائیل سلسلہ سے براہ راست دوچار ہیں، بڑی اہم اور عظیم تبدیلیاں وجود میں آئیں، گویا یہ وقفہ مسلم عرب قوم کی تاریخ میں فیصلہ کن وقفہ تھا جس کی جڑیں بہت گہری اور جس کے نتائج و اثرات بڑے دور رس تھے۔

ان قوموں کی زندگی اور حالات میں جن کے سروں پر تلوار لٹک رہی ہے، اور جن کو خطرے کا براہ راست سامنا ہے، میں ان تغیرات اور حادثات کے آثار تلاش کر رہا تھا، کہ میری نظر شامی سرحدوں پر ایک بورڈ پر پڑی جس پر جلی خط سے لکھا ہوا تھا:-

”بعث پارٹی ٹھکانوں سے باغی اور علاقائیت کی دشمن“۔

میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا: کیا صورت حال ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء میں بلکہ سامراجی دور میں بہتر تھی — خصوصاً سرحدوں کے سلسلہ میں — یا اس وقت جب میں شام جا رہا ہوں۔

دمشق میں

خدا کا نام لے کر دمشق میں داخل ہوئے، سعودی سفارت خانہ گئے، سعودی سفیر شیخ محمد مطلق نے ہمارا خیر مقدم کیا اور بتایا کہ ہمارا قیام ”فندق امیۃ الجدید“ میں رہے گا، ہوٹل پہنچنے پر معلوم ہوا کہ جمہوریہ شام کے مفتی شیخ احمد کفتارو وفد کے غیر مقدم کے لئے تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے، جامع البغایہ ان کی تقریر کا پروگرام تھا، اس لئے چلے گئے، اس سے فارغ ہو کر ہم سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں گے، ان کی جگہ پر شیخ بشیر البانی قاضی دمشق اور مفتی صاحب کے فرزند سید زاہر کفتارو موجود تھے، دونوں نے ہم کو خوش آمدید کہا اور شیخ کا سلام پہنچایا، کچھ دیر بعد شیخ احمد کفتارو بھی تشریف لائے، ۸ برس کے بعد ملاقات ہوئی، ان ایام کی یاد تازہ ہو گئی، جب ان سے اکثر ملاقات ہوتی تھی، اور وحی اکراذ میں ان کے گھر پر شیخ محی الدین میں اور غوطہ میں دیر تک ساتھ بیٹھتے تھے اور تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔

۱۷۳ عیسیٰ مکی حکمران پارٹی۔

۱۷۴ دمشق کا سب سے بڑا ہوٹل جس میں حکومت کے، ہان اور دوسرے ملکوں کے سرزحضر قیام کرتے ہیں۔
۱۷۵ دمشق کا ایک محلہ ہے، شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب ہے، شیخ اسی محلہ میں مدفون ہیں۔

جامع اموی میں

نماز جمعہ ادا کرنے کے جامع اموی گئے جس کا شدید اشتیاق تھا، اور اسی لئے ہم نے دمشق کے سفر کے لئے جمعہ کا روز طے کیا تھا، جامع اموی میں نماز جمعہ ادا کرنا ایک سعادت بھی ہے، اور اس سے ایک روحانی لذت بھی حاصل ہوتی ہے، میں جب مسجد میں داخل ہوا اور جمعہ کا خطبہ سنا تو شوقی کا دمشقی قصیدہ یاد آیا، اور پھر میری آنکھوں میں آنسو آگئے، جذبات کا ایک طوفان امنڈ آیا، اور ذہن کے پردے پر یاد ماضی کے نقوش ابھر آئے، شوقی اپنے قصیدہ میں کہتا ہے۔

وقفت بالمسجد المحزون أسأله هل في المصلى أو المحراب مروان
تغير المسجد المحزون واختلقت على المنابر أحرار وعبدان
فلا الأذان أذان في منارت إذا تعالى، ولا الأذان أذان

ترجمہ :- میں اس غمزدہ مسجد میں کچھ دیکھ رہا ہوں، اور دریافت کرنے لگا کہ کیا

مصلیٰ یا محراب میں مروان جیسا طاقتور حاکم موجود ہے ؟

اس حزن و غمگین مسجد نے زمانہ کی نیرنگی کا تماشا دیکھا، اس کے منبر پر بھی

آزاد انسانوں نے قدم رکھا کبھی غلاموں نے۔

اب نہ اذان کا وہ نغمہ ہے، جو کبھی اس کے میناروں سے بلند ہوتا تھا، اور

نہ وہ سننے والے ہیں، جو اس کو سن کر ترنم پ جاتے تھے۔

ملاقات

ہمارے دوستوں کو ایک طویل عرصہ کے بعد ہمارے دمشق آنے کی خبر ہو گئی، اللہ کے

بیشتر تو دمشق چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اب وہی حضرات رہ گئے ہیں، جو یا تو اپنی سپرانہ سالی سے مجبور ہیں، یا انھوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس ملک میں اسلام کی امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو سینے سے لگائے رہیں گے جس میں ملک شام کو ہمیشہ قیادت و رہنمائی کا مقام حاصل رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک شام کی فضیلت میں جتنی صحیح اور کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں، کسی ملک اور کسی شہر کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں بعض احباب ہماری ملاقات کے لئے خود تشریف لائے اور ہمارا ارادہ تھا کہ بقیہ احباب کے پاس ہم دوسرے دن حاضر ہوں گے۔

شام کی زندگی میں کچھ نئی تبدیلیاں

عصر کے بعد ہوٹل سے نکل کر جب ہم دمشق کی سڑکوں پر جا رہے تھے تو ہم کو دو نئی تبدیلیاں کا احساس ہوا، ایک تو یہ کہ لوگوں کی گفتگو میں رازداری اور بڑبڑی ہوئی احتیاط محسوس ہوئی جیسے ہر آدمی کو یقین ہو کہ اس پر پیرہ ہے، اور اس کی ہر بات ریکارڈ ہو رہی ہے، ہر شخص قرآن کریم کے اس قول کی تصویر نظر آ رہا تھا۔

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ ۝
وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔ (ق۔ ۱۸)

بعض قابل اعتناء حضرات نے ہم سے کہا کہ آپ یقین رکھئے، ہر جگہ جاسوس پھیلے ہوئے ہیں، جہاں بھی آپ کا قیام ہوگا، کچھ آنکھیں آپ کی نگرانی میں اور کچھ کان آپ کی گفتگو سننے میں مصروف ہوں گے، کوئی ہوٹل، کوئی بس، کوئی تفریح گاہ اور پارک اس سے مستثنیٰ نہیں ہے کسی سے بھی اپنے آپ کو مومن نہیں سمجھنا

تکسی ڈرائیور، نوکر

چاہئے۔

دوسری تبدیلی تھی اے مجاہد بے پردگی، وسیع پیمانے پر اور عجیب و غریب قسم کا جنسی اختلاط، راستوں اور سڑکوں پر ہر طرف فحش تصویریں اور جنسی جذبات کو براہِ نگہتہ کرنے والے اشتہارات چسپاں اور آویزاں تھے، ہرچی نوجوان بڑی تعداد میں موجود تھے، اور ہم کو اندازہ ہوا کہ جو شہر اپنی قدامت پسندی اور وضع داری کے لئے مشہور تھا، آزادی، بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط میں بہت آگے جا چکا ہے، یہ بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط اکثر حالات سے بددلی کا نتیجہ اور ناکامیوں اور شکستوں کا ردِ عمل ہوتا ہے جس میں قوم کے افراد جن کے دل زخمی اور احساس کمتری میں گرفتار ہوتے ہیں، ایک طرح کی تسکین پاتے ہیں، دوسری طرف خود حکومت کے ذمہ داروں اور قائدین کی طرف سے ایسی فضا پیدا کی جاتی ہے کہ لوگوں کو ان سے محاسبہ، صحیح اسباب کی تلاش اور تنقید کی فرصت ہی باقی نہ رہے، اور ساری قوم خود فراموش اور مست بن کر رہے، پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ میں یہ پیش آیا تھا، اور مصر میں ۵۶ رجوں کے حادثہ کے بعد یہی ہوا۔

ان دونوں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ جن کا تعلق زندگی کی اخلاقی اور معنوی قدوس سے ہے، ایک تیسری تبدیلی بھی نظر آئی، ملک اقتصادی پس ماندگی اور کسی قدر بد حالی کا شکار ہے آمدنی کے ذرائع تقریباً مفقود ہیں، شام اس خوشحالی سے محروم ہو چکا ہے جس میں گزشتہ عہد میں اسے امتیاز اور شہرت کا درجہ حاصل تھا، میں نے اس کی توجیہ یہ کی کہ شام اور لبنان کے درمیان سرحدیں بند ہیں، اس لئے ممکن ہے، یہ ایک ہنگامی صورت حال ہو، مگر پھر معلوم ہوا کہ معاملہ صرف اتنا ہی نہیں ہے، کیونکہ میں نے دیکھا کہ لوگ اس صورت حال سے بہت پریشان ہیں، ایک گھٹن محسوس کر رہے ہیں، اور ان کو گزشتہ خوشحالی کی خوشگوار یادیں ستاتی ہیں،

جب دولت کی فراوانی تھی، لوگ امن و سکون کی زندگی گزار رہے تھے، اور شام اس آیت کریمہ کی تصویر نظر آتا تھا:

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً آمِنَةً
مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا أَمِينٌ
كُلِّ مَكَانٍ - (النمل - ۱۱۲)

اللہ نے ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان
فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن و اطمینان میں
(رہتے) تھے (اور) ان کے کھانے پینے کی چیزیں
بڑی فراغت سے ہر چار طرف سے ان کے
پاس پہنچا کرتی تھیں۔

ماضی اور حال میں یہ نمایاں فرق مجھے ہر جگہ محسوس ہوا اور عام فضا اور عام احساس
یہی تھا، مگر میں نے اس کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی، میں نے کہا یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں
ہے، قوموں کی زندگی میں ایسے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، اگر ملک باعزت، مستحکم اور طاقتور ہو
اس کی سرحدیں محفوظ ہوں، اس کی طرف دشمن نگاہ اٹھانے اور اس پر دست درازی کرنے کی
جرات نہ کر سکتا ہو، اور اس کی زمین کا ایک ایک اپج اس کے باشندوں کے قبضے میں ہو تو پریشانی
کی کوئی بات نہیں ہے، بس اوقات ملکوں اور قوموں کو اس طرح کے ہنگامی حالات کا سامنا کرنا
پڑتا ہے، اور ایک طویل عرصہ تک کفایت شعاری اور تنگی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، لوگ صرف
سدرق کے لئے کھاتے اور تن ڈھانکنے کے لئے پہنتے ہیں، تفریح و تعلیش کے سامان (LUXURY)
سے محروم رہتے ہیں، مشرق اور مغرب کی بعض قوموں نے برسوں تک یہ زندگی گزاری ہے، اور
کسی طرح کی پریشانی اور اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا، آخر کار مشکلات و مصائب کے بادل
چھٹ گئے، بحران ختم ہو گیا، اور کشادگی و خوشحالی کے ایام واپس آ گئے، عرب اور مسلم اقوام کو تو
بدرجہ اولیٰ اس صبر و استقامت اور استقلال کا ثبوت دینا چاہیے کہ ان کا دین اسی کی تعلیم دیتا ہے

ان کے سامنے اسوۂ رسول اور صحابہ کرام کی زندگی کا نمونہ ہے، اور اس پر ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

لیکن توجیہ اور تاویل کی ساری عمارت زمین پر آرہی، جب میری نظر جولان (گولان) کی بلندیوں پر پڑی جن پر اسرائیل کا تسلط ہے جس کی وجہ سے شام اور خود دمشق ایک ایسی خطرہ سے دوچار ہے، اور اسی سے ملک کا مستقبل وابستہ ہے، جب تک گولان پر یہودیوں کا قبضہ ہے، شام کا وجود اسرائیل کے رحم و کرم پر موقوف ہے، معلوم ہوا کہ گولان پر اسرائیل کا استیلا، بغیر کسی جنگ یا کشمکش کے ہوا تھا، شام کے باشندوں اور خود محاذ جنگ پر برسرِ پیکار فوج کے لئے بھی یہ ایک خلاف توقع بات تھی، جو بالکل ڈرامائی انداز میں پیش آئی۔

ملاقاتیں

شیخ احمد کفزار کے ساتھ شارعِ مطار پران کے خوبصورت اور وسیع فام میں دھپ دھپ مجلس رہی تصویف اور تزکیہ نفس کی ضرورت، اگر ہی دینی تربیت اور موجودہ زمانہ میں دعوتِ تبلیغ کے اصول اور صحیح طریقہ کار کے موضوع پر تبادلہ خیال رہا، غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت اس کی نشاۃ ثانیہ اور مستقبل کے بارے میں شیخ بہت پر امید نظر آتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اگر مخلص و صاحبِ حکمت مبلغین اور داعی الی الترتیب رہو جائیں، جو صحیح داعیِ اسلام کے اوصاف سے متصف ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ دین کی طرف راغب نہ ہو، انھوں نے بڑی تفصیل سے اپنے دعوتی اور تبلیغی تجربات کا تذکرہ کیا، ان کو امریکا اور روس کے دوروں میں جو انھوں نے ابھی حال میں کئے تھے، جو خوش آئند تجربے ہوئے اور وہاں کے ذمہ داروں اور نوجوانوں نے جس توجہ سے ان کی بات سنی اس کا وہ دیر تک

تذکرہ کرتے رہے۔

صحیح بھی شیخ کی دعوت پر ہم لوگ ان کے فارم میں گئے اور دینک نشست ہوئی، طے ہوا کہ انوار کے دن وزیر اوقاف جناب عبدالستار السید سے ملاقات کریں گے، وہی ہمارے دورہ کا پروگرام مرتب کریں گے، پھر بعض تاریخی مقامات دیکھنے گئے اور بعض مسلم محلوں میں جانا ہوا، ہوٹل میں ہمارے پہنچنے کے دن ہی شام کو شام کے جلیل القدر عالم اور دینی پیشوا اور مربی شیخ حسن جنگلہ تشریف لائے اور انھوں نے اگلے دن ہم کو کھانے پر مدعو کیا، جس کو ہم نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا، اور ہفتہ کے روزانہ کی قیام گاہ پر دوپہر کا کھانا کھایا، اس موقع پر ان کے خاندان کے چند افراد اور شہر کے وہ علماء تھے جن کا ان سے شاگردانہ و نیاز مندانہ تعلق ہے، دوستانہ اور برادرانہ مجلس رہی گفتگو کا موضوع تھا، اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام اور وہ طبعی کمزوریاں اور خوبیاں جو عورت کی خصوصیت ہیں۔

دمشق کے سعودی سفارتخانہ نے طے کیا کہ انوار کو وفد کے اعزاز میں سفارتخانہ میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے گا جس میں وزراء، سفراء، علماء اور علماء دین شہر کو دعوت دی جائے گی، ہم نے طے کیا کہ دو شبہ کی صبح کو حلیہ جائیں گے، اور راستہ میں ایک دو گھنٹہ کے لئے رخصت اور حماۃ میں بھی ٹھہریں گے، اور پھر چار شبہ کو دمشق واپس آجائیں گے، دمشق میں دو دن قیام ہے

۱۔ شیخ حسن جبکہ اس وقت شام کے سب سے مقبول اور ہر دول عزیز عالم ہیں، وہ اپنی اصول پسندی حکومت سے بے نیازی اور پاکیزہ زندگی کی وجہ سے عوام و خواص میں یکساں طریقہ سے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، دمشق کے مشہور محلہ میدان میں جو ہمیشہ سے علماء کا مرکز رہا ہے، اور جس کی حیثیت دمشق میں تقریباً وہی ہے جو لکھنؤ میں فرنگی محل کی ہے، ان کا مکان اور آزاد دینی مدرسہ تھا، حکومت شام نے اس کو سرکاری انتظام میں لے لیا، اور ان کو بے دخل کر دیا، اب بھی وہ درس و تدریس اور وعظ و تذکرہ میں مشغول رہتے ہیں۔

اور اس اثناء میں مختلف جلسوں اور تقریبات میں شرکت کی جائے گی، ملاقاتوں وغیرہ کا پروگرام رہے گا، جسے مفتی صاحب اور وزیر اوقاف مشورہ سے مرتب کر لیں گے، پھر انشاء اللہ عثمان روانگی ہوگی۔

عصر کے بعد شیخ سید کی اہل کتانی سے ملاقات کے لئے دمشق کی گرمی گزرنے کی مشہور جگہ زبدانی گئے، شیخ عرصہ سے خانہ نشین اور صاحب فراش ہیں، چلنے پھرنے سے معذور ہیں دو سال سے رابطہ کے اجتماعات میں بھی شرکت نہیں کر سکے ہیں، کچھ دیر تک بڑے پرسکون اور خوشگوار ماحول میں ملاقات رہی ان کا خاندان قدیم زمانہ سے مذہبی اور علمی خاندانوں میں شمار ہوتا ہے، علم و دین کی خدمت اور علماء کی تنظیم میں شیخ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

خواب جو حقیقت تھا

۱۰۔ اچھے رات میں ہم ہوٹل واپس آئے، دمشق کے بعض دوستوں اور اپنے بعض شاگردوں کو جنہوں نے مدوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی ہے وقت دے چکے تھے، لبنان کی بعض تقریریں جو قلمبند نہیں ہو سکی تھیں، ان کو بھی ان دوستوں کی مدد سے قلمبند کرنے کا خیال تھا بعض عزیزوں کی معیت میں قدیم دوستوں اور دمشق کے بزرگوں کی ملاقات کے لئے جانا تھا لے سید کی کتانی شام کے مشہور عالم، شیخ طریقت اور رابطۃ العلماء یعنی شام کی جمعیتہ العلماء کے صدر اور رابطۃ عالم اسلامی کے ممتاز رکن تھے، ان کا خاندان خرب قصبی کا مشہور حسنی سادات کا خاندان ہے جو کتانی کے نام سے مغربی اور مشرقی ممالک میں مشہور ہے، اس خاندان میں بڑے بڑے محدث اور صوفی گزے ہیں سید کی کتانی کے والد سید جعفر کتانی جلیل القدر محدث اور شیخ طریقت تھے، انھوں نے مغرب سے آکر دمشق میں بود و باش عقیلاً کی، انوس ہے کہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں سید کی کتانی صاحب نے اس دار فانی سے رحلت کی رحلہ اللہ تعالیٰ وغفرلہ۔

جن سے شام کے گزشتہ سفر میں ایسے روابط قائم ہو گئے تھے، جن میں مرور ایام سے کوئی کمزوری نہیں آئی، جیسے علامۃ الشام شیخ محمد بیجۃ البیطار، سابق مفتی شام و ڈاکٹر ابوالیسر بن عابدینؒ، شیخ احمد الدفر صدر الجمعۃ الغفرۃؒ، اور شیخ زین العابدینؒ، ان حضرات میں بعض مرین رہتے ہیں اور بعض ضعیف ہو چکے ہیں، فحسب اللغۃ العربیۃ بھی جانے کا خیال تھا جس کا سال ۱۹۵۶ء سے میں رکن ہوں، اسی طرح صحابہ اکبرہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزارات کی زیارت کرنی تھی۔

ہم بستر پر دراز ہو گئے، ہر شخص تھکا ہوا تھا، حالات معمول پر تھے، کوئی نئی اور پریشان کن بات نہیں معلوم ہوتی تھی، میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں نے اپنے بھانجے مولوی محمد رابع سلمہ کو ہوٹل کے ایک ملازم سے ٹیلیفون پر گفتگو کرتے ہوئے سنا۔

”وہ نیچے ہیں یا اوپر چڑھ آئے ہیں؟“

”نہیں وہ اوپر پہنچ گئے ہیں، ہوٹل کے ذمہ دار نے جواب دیا۔“

اسے یہ بزرگ ردالمحتار جس کو عام طور پر شامی کہتے ہیں، کے مصنف علامہ ابن عابدین کے... پڑھتے ہیں، میڈلین کے ڈاکٹر تھے، لیکن اپنی دینی تعلیم، خاندانی ذوق اور ذاتی مطالعہ سے کئی سال تک منفی جمہوریہ کے اہم عہدہ پر فائز رہے، دینی حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

اسے شام کے مشہور شیخ طریقت اور اتاد و مرئی شیخ علی الدقر کے فرزند جو شام میں متعدد دینی مدارس کے بانی اور علماء کی ایک کثیر تعداد کے استاد و مرئی تھے۔

اسے شیخ زین العابدینؒ شیخ محمد انصر حسین تونسکی کے برادر اصغر جو مصر کی مشہور علمی و دینی شخصیت اور سابق شیخ الاسلام تھے، بہت معزز و بزرگ اور ذی استعداد عالم ہیں۔

اور پھر ہم نے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی، دروازہ کھول دیا گیا اور تین اشخاص جو شہری لباس میں تھے، کمرہ میں گھس آئے اور ہم سے کہا: "سامان باندھئے اور تشریف لے چلیے۔"

کہاں؟ ہم نے دریافت کیا۔

"معلوم نہیں" جواب ملا۔

اس کے بعد وہ استاذ احمد محمد جال اور استاذ عبدالشہر باہری سے ملے اور ہم کو ایک دوسرے سے ہٹنے سے روک دیا، ہم کو یقین ہو گیا کہ کسی نئی صورت حال سے ہم کو دوپٹا ہوتا ہے۔

استاذ احمد محمد جال نے سعودی سفیر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کو صورت حال سے آگاہ کریں مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی، استاذ نے اس غیر مذہب اور کدخت رویہ پر احتجاج کیا اور کہا کہ ہم کوئی بھیڑ بکری نہیں ہیں کہ ہم کو زبردستی بانکنے کی کوشش کی جائے، ہم سبب دریافت کرنا چاہتے ہیں، مگر احتجاج بے سود رہا۔

پھر ہم ایک کار میں سوار ہوئے جو ہٹل کے سامنے کھڑی تھی، ہمارے ساتھ وہ لوگ بھی سوار ہوئے، اور راستہ میں ہم کو پتہ چلا کہ ہم لبنانی سرحدوں کی سمت جا رہے ہیں، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں لے جائے جا رہے ہیں۔

ساری کارروائیاں بڑی تیزی سے انجام پائیں، ہم ایک لبنانی کار میں منتقل ہو گئے جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے اسی مقصد کے لئے وہاں موجود تھی، اور ہم نے بیروت کا رخ کیا، بیروت صبح سویرے پہنچے، بیروت میں دوستوں کو جنھوں نے دوروز پہلے ہم کو رخصت کیا تھا، دوبارہ بیروت اچانک واپسی پر بہت حیرت ہوئی، اسی طرح دمشق میں

ہمارے احباب کو نصف شب میں اچانک شہر چھوڑنے پر خاموشی اور حیرت ہوئی اور اس کی کوئی وجہ ان کو معلوم نہیں ہو سکی۔

یہ سب کچھ ایک ڈرامائی انداز پیش آیا جس کے سین بہت مختصر تھے، ہمارے لئے تو یہ ایک خواب تھا، جس کا آغاز بہت لذیذ اور جس کا انجام پریشان کن تھا، ہم گمان یقین کی درمیانی کیفیت میں مبتلا تھے، اور فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ یہ سب کچھ عالم خواب میں پیش آیا، یا عالم بیداری میں، اس میں ذمہ داروں کا اشارہ اور ارادہ شامل تھا، یا ان کی لاعلمی میں پیش آیا۔

قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

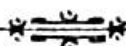
وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا. (القصاص - ۱۵)

موسیٰ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب شہر کے سب لوگ نیند اور غفلت میں تھے۔ ہمارا حال اس کے برعکس تھا، ہم شہر سے نکلے اس وقت جب سائے لوگ گری نیند سو رہے تھے، اور کسی کو ہماری خبر نہ تھی۔

اس طرح دمشق کا دورہ بہت مختصر رہا، اور کتنی خواہشیں اور آرزوئیں تھیں جو ناتمام ہی رہ گئیں۔

بیروت کے اخبار "الحیاء" نے اس واقعہ کی خبر ۹۳ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۷۳ء کو دو شنبہ کے روز شائع کی اور اس سے بیروت میں ہمارے دوستوں کو اس واقعہ کا علم ہوا، اسی روز بی بی سی لندن اور اسرائیل ریڈیو نے بھی یہ خبر نشر کی اور بیروت اور دوسرے عربی ممالک کے اخبارات نے اس واقعہ پر تبصرہ کیا، اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

بیروت میں سارے دوست و احباب ملاقات کے لئے آئے، واقعہ کی تفصیلات دریافت کرتے، مہجیرت ہوتے اور مسئلہ سے دلچسپی کا اظہار کرتے۔



ہارون رشید کے پایہ تخت
بغداد میں

ترجمہ

مولوی محمد اجمال یو بے صلاحی ندوی

اسلامی ثقافت و تاریخ میں بغداد کا مقام

اسلام کی سیاسی، ثقافتی اور تہذیبی تاریخ کا جتنا بڑا حصہ بغداد سے متعلق ہے، اتنا کسی دوسرے اسلامی شہر یا دارالسلطنت سے نہیں ہے، جتنے واقعات اور افسانے بغداد سے وابستہ ہیں، اتنے کسی دوسرے شہر سے وابستہ نہیں ہیں، بغداد اسلامی دور میں چمکا، پوری پانچ صدیوں تک عباسی حکومت کا دارالسلطنت رہا، زمانہ قدیم میں متمدن دنیا کے بیشتر حصہ پر حکمرانی کی ہر علم و فن کے امام پیدا کئے، دنیا کے گوشہ گوشہ سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین نے اس کا رخ کیا اور وہیں بود و باش اختیار کر لی، یہی وجہ ہے کہ ماہرین فن اور عظیم دانشوروں کی اتنی بڑی تعداد کا اجتماع کسی بھی دوسرے اسلامی شہر میں نہیں ہوا۔

بچپن میں دور دراز شہروں میں سے مکہ اور مدینہ کے بعد جس شہر کا نام سب سے پہلے کانوں میں پڑا، وہ بغداد ہی تھا، پہلی کتاب جس سے ہم نے حروف تہجی کی تعلیم حاصل کی وہ قاعدہ بغدادی تھی، یہ قاعدہ بغدادی ہی درحقیقت پورے اسلامی کتب خانہ کا دروازہ اور

قرآن و حدیث، اسلامی علوم و فنون اور اردو و فارسی زبانوں کی طرف سے جانے والا راستہ ہے۔

اسلامی تاریخ، صرف و نحو اور مینوں فقہی مکاتب فکر (حنفی، شافعی، حنبلی) کے مطالعہ میں جو راستہ اختیار کرتے تھے، وہ یا تو بغداد سے گزرتا یا بغداد ہی سے نکلتا یا بغداد ہی جاتا تھا، چنانچہ افکار و نظریات کے نشوونما، کوفہ و بصرہ، ہمتزلہ و اشاعرہ اور اسی طرح متکلمین و محدثین کے اختلافات کی جو تاریخ بھی لکھی جائے گی، اس میں بغداد کا حوالہ اور اس کی جانب اشارہ ضروری ہے۔

یہی مقام تھا، جہاں امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ابتلا پیش آیا تھا، جس میں آپ نے غیر معمولی صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا تھا، یہیں امام غزالی کے وہ حلقہائے درس قائم ہوتے تھے، جن پر خلفاء کی مجلسیں بھی رشک کرتی تھیں، یہیں علامہ ابن الجوزی کی وعظ و نصیحت کی مجلسیں گرم ہوتی تھیں، جن میں الشرح النیک اور صراح بندے کثرت سے شریک ہوتے تھے، یہیں شیخ عبدالقادر جیلانی کا وہ مدرسہ تھا، جو تعلیم و تزکیہ دونوں کا جامع تھا، یہیں زہد و تقویٰ اور عفت و پاکبازی کی وہ زندگی گزرتی تھی جس کی تصویر ہمیں ابو نعیم اصفہانی کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" اور ابن الجوزی کی "صفة الصفوة" میں نظر آتی ہے، اور یہیں ابو یوسف اور رقص و سرود کی وہ آزاد اور رنگین زندگی بھی بسر ہوئی ہے، جس کے نمونے ہمیں ابوالفرح اصفہانی کی کتاب "الافغانی" اور گنام مولفین کی مشہور کتاب "الف لیلة وليلة" میں ملتے ہیں، بغداد ان دنوں طرز کی زندگیوں اور دونوں قسم کے رجحانات میں قیادت و سربراہی کا مقام رکھتا تھا، مذکورہ کتابوں میں سے ہر کتاب بغداد کی اس متضاد زندگی کے ایک نمونہ کی نمائندگی اور تصویر کشی کرتی ہے، بغداد جہاں دولت و جلال و فرات کی طرح بہتی تھی، جہاں خیر و شر دونوں کے محرکات

موجود تھے، جہاں اصلاح اور افساد دونوں کی دھوتوں اور تحریکوں کے علمبردار موجود تھے، ہر بڑے شہر اور دار السلطنت چرس کی چھاپ تھی۔

— تو بغداد کا سفر ضروری ہے، خواہ کتنا ہی طویل ہو، اور ہمیں اندیشہ لاحق ہو کہ خدا نخواستہ یہاں بھی اسی حادثہ سے دوچار نہ ہونا پڑے جو دمشق میں پیش آیا تھا۔

بیروت سے بغداد

بغداد لے جانے والے طیارے کے انتظار میں ہم نے تین دن بیروت میں گزارے لبنانی طیارہ کا وقت دو شنبہ، ۳ اگست ۱۹۴۷ء تھا، بیروت کے سعودی سفارتخانہ نے بغداد کے سعودی سفارتخانہ سے رابطہ قائم کیا، اور بغداد کے سعودی سفیر نے سرکاری حلقوں سے رابطہ قائم کر کے ہمیں بتایا کہ عراقی حکومت وفد کو خوش آمدید کہتی ہے، اور ۵ دن تک وفد کی میزبانی کے لئے آمادہ ہے۔

دو شنبہ کے روز عشا کے وقت ہم خدا کا نام لیکر روانہ ہوئے، اور تقریباً نصف شب میں بغداد پہنچے، سعودی سفیر عزت آباد علی صقر، عراقی مجلس اوقاف کے نائب صدر عبد اللہ قیاض، علماء بغداد کی ایک جماعت اور سعودی سفارتخانہ کا عملہ ہمارے استقبال کے لئے ہوائی اڈہ پر موجود تھا، ایک گھنٹہ تک ہوائی اڈہ کے استقبالیہ ایوان میں رہے، جہاں حضرات علمائے کرام سے تعارف ہوا، جن میں سے بیشتر اوقاف سے متعلق نیز مجدد کے امام و خطیب اور اس کے اساتذہ تھے، پھر ہم نے امبیٹر ہوٹل کا رخ کیا، یہ دجلہ کے سامنے شارع ابو نواس پر ایک عظیم الشان ہوٹل ہے، بغداد میں شدید گرمی تھی، بادِ سموم کے تند جھونکے چل رہے تھے، لیکن ہوٹل ایر کنڈیشنڈ تھا، اس لئے رات بڑے سکون اور آرام سے گزری۔

سرکاری ملاقاتیں اور دورے

دوسرے روزہ، اگست ۱۹۷۷ء کو پھارشیہ کی صبح کو وفد کی سرگرمیاں شروع ہوئیں پہلے دیوان الاوقاف گئے، وہاں معلوم ہوا کہ ہمارا پروگرام جس کی روشنی میں ہم کو نقل و حرکت کرنا ہے، وزارت خارجہ مرتب کرے گی، وہی ملاقاتوں اور دوروں کا تاجان بھی کرے گی، وزارت خارجہ نے ہمارے لئے ایک رفیق سفر مقرر کیا، جو وزارت ہی کا ملازم تھا، اسی کی رفاقت افگرانی میں ہم کو چلنا پھرنا تھا، بعد میں محسوس ہوا کہ حکومت کی جانب سے دو اشخاص اور بھی متعین ہیں، جو ہمارے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، اور ہمہ وقت ہماری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔

دیوان الاوقاف سے قصر جمہوری گئے، جہاں "سجل التشریفات" میں اپنا نام مندرج کیا ہمارے سرکاری رفیق سفر نے بتایا کہ اس کا قوی امکان ہے کہ صدر جمہوریہ احمد حسن بکر ملاقات کے لئے ہم کو بلائیں اس لئے مناسب یہی ہے کہ بغداد سے باہر کہیں کا سفر نہ کیا جائے۔

سب سے پہلے ہم نے امام اعظم (ابو حنیفہ) کی مسجد کا زیارت کی، ظہر کی نماز ادا کی، امام صاحب کے وفادار اور لائق شاگرد اور حنفی مسلک کے اہم مفسرین امام ابو یوسف کی مسجد دیکھی عصر کے بعد سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کی مزار کی زیارت کے لئے "الحضرة القادریہ" گئے، آپ ہی کی مسجد میں نماز عصر ادا کی، سیدنا جیلانیؒ کی خانقاہ کے احاطہ میں ایک کتب خانہ بھی ہے اس کے دیکھا

۱۔ وہ رجب جس پر ملکوت میں آنے والے سبز مہمان دستخط کرتے ہیں، اور جو صدر جمہوریہ کے سامنے پیش ہوتا ہے، یہ ملکوتوں کی ایک خلقی رسم ہے، جو باہر سے آنے والے ممتاز اشخاص کو ادا کرنی پڑتی ہے۔

۲۔ وہ جگہ جہاں شیخ عبد القادر جیلانیؒ بغداد میں مدفون ہیں، "الحضرة القادریہ" یا "الحضرة الکیمانیہ" کے نام سے مشہور ہے۔

اور پھر کچھ دیر کے لئے کاظمیہ گئے۔

جمعرات کی صبح کو بعض وزراء کی ملاقات کے لئے منگلے جن کا نام سرکاری پروگرام میں درج تھا، ان میں ابتدائی ادہ، صنعتی تعلیم کے وزیر اسٹاذ احمد بخیری اور اعلیٰ تعلیم کے وزیر ڈاکٹر حسین الشاوی تھے، موخر الذکر وزیر حال ہی میں ہندوستان کے دورے سے واپس آئے تھے، گفتگو کا موضوع تھا: ایک عرب اسلامی ملک کے لئے صحیح تعلیمی پالیسی کیا ہے؟ مثلاً عراق میں جو اسلام کی دعوت و اشاعت کا مرکز رہا ہے، اور جسے پورے عالم اسلامی میں علمی و فکری قیادت کا مقام حاصل تھا، دونوں کی گفتگو محتاط اور شائستہ تھی، گفتگو میں نادانستہ طور پر چند لفظ ایسے بھی ٹپک پڑے تھے، جو اس قوم کی شخصیت اور اس عظیم علمی اور مذہبی ملک کے تابناک ماضی کے شعور کی غمازی کرتے تھے، احساسات و جذبات کو دبانے، ماضی کے اثرات کو ختم کرنے اور زندگی کے ٹھوس حقائق کو نظر انداز کرنے کی کوئی کوشش آج تک پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکی یہاں تک کہ روس میں بھی اس طرح کی کوششیں بار آور نہیں ہوئیں، اس لئے کہ یہ فطرت سے جبر آزمائی اور حقائق سے انکار ہے۔

دیوان الاوقاف کے اعزاز میں جلسہ میں

دیوان الاوقاف نے جس کے قائم مقام صدر شیخ عبدالرزاق فیاض تھے (صدر ماسکو کے دورہ پر گئے ہوئے تھے) وفد کے اعزاز میں جامع الشہداء میں ایک عشاءِ یادگار میں بلنداد کے علماء، مساجد کے ائمہ اور واعظین و مشائخ کی خاصی تعداد شریک تھی، اہم شخصیات میں لے امام موسیٰ کاظم اور ان کے پوتے محمد تقی ابجواد کا مدفن، یہ دونوں حضرات شیعہ کے نزدیک اثناعشری ائمہ میں شمار ہوتے ہیں، یہ مقام کاظمین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

سابق مفتی عراق شیخ نجم الدین واعظ اور مدرسہ عبد القادر جیلانی کے استاذ شیخ عبد الکریم موجود تھے، وقت کے بیشتر حصہ میں خاموشی چھائی رہی، اگر کسی نے کچھ کہا تو بس بقدر ضرورت، مگر ان کی خاموشی گنگو سے زیادہ بلند اور صورت حال کی عکاس تھی، ان کے روشن چہروں کی لکیریں اور ان کی ذہین آنکھوں کا چمک جیسے کہ رہی ہو مگر یہ پہرہ وار موجود نہ ہوتے جو ہماری سانسوں کو گھٹنے اور ہمارے الفاظ کو رکنا رکھتے ہیں، تو آپ کے ساتھ ہمارا رویہ کچھ اور ہوتا، گویا زبان حال کہتی تھی:

گنگو آئیں درویشی نہ بود

ورنہ باتو ماجرا باداشتیم

کچھ آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان اور کچھ سینوں میں الفاظ کا ہیجان نظر آیا زبان حال سے سب متنبی کا شعر پڑھ رہے تھے:

الحزن یقلق والتجمل یردع

والہ مع بینہما عصی طیع

ترجمہ: غم قلقل انگیز ہے اور صبر و وقار غناں گیر، اور آنسو ایک عجیب کشش

سے دوچار ہیں۔

یک حرف کا شکے ست کہ صد جانوشہ ایم

رہادی عراق کا ایک علمی اور دینی مرکز ہے، وہاں کے علماء کا ایک وفد ہماری ملاقات کے لئے آیا، اور مادی آنے کی دعوت دی تاکہ وہاں وہ اپنے اسلامی جذبات اور دینی احساسات کا بے تکلف اظہار کر سکیں اور ہمیں ان کی علمی و دینی سرگرمیوں سے واقفیت ہو، نیز اس شہر کی

زیارت کی سعادت بھی حاصل ہو جو بہت سے علماء و مشائخ کا مرکز رہا ہے، ہم نے ان کے اس پاکیزہ اور نیک جذبہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا، ہمارے لئے کوئی مانع نہیں ہے، بشرطیکہ وزارت خارجہ کی منظوری حاصل کر لی جائے جس نے ہمارا پروگرام مرتب کیا ہے۔ اندازہ ہوا کہ انھیں اپنے شہر میں ہم سے ملنے اور تبادلہ خیال کرنے کا شدید اشتیاق تھا، چنانچہ انھوں نے وزارت سے رابطہ قائم کیا اور درخواست کی کہ ان کو اپنے شہر میں اپنے علمی اور دینی بھائیوں اور رابطہ عالم اسلامی کے وفد کو — جس کے دورہ کی نوبت ایک طویل وقفہ کے بعد آئی ہے — دعوت دینے کا موقع دیا جائے، اپنی اس خواہش اور جذبہ کے جواز کے لئے اور سند کے طور پر انھوں نے ایک نظیر بھی پیش کی کہ جب ضیاء الدین بابا خانوف جو روس کے حلیل القدر علماء میں شمار ہوتے ہیں، عراق کے دورہ پر تشریف لائے تھے تو ان کو دعوت دی گئی تھی، اور حکومت نے اس کی اجازت بھی دے دی تھی، گویا، اس طرح وہ رابطہ کے وفد کو دعوت دینے کے سلسلہ میں اپنے موقف کے لئے دلیل پیش کر رہے تھے، اور ان ذمہ داروں کے لئے دلوں کو نرم کرنا چاہتے تھے جنہوں نے باہر کے ایک عالم کو دعوت دینے کی اجازت دیدی تھی، اس مثال سے بہت سے مضمرات کی جانب ہماری رہنمائی ہوئی، اور جس عجیب صورتحال سے ملک دوچار ہے، اس کو سمجھنے میں بہت مدد ملی جو کسی کتاب یا بیانیہ ترین عبارت سے سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ رادھی کے لوگ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے، اور وزارت خارجہ نے ان کی درخواست منظور نہیں کی۔

ہم نے نجف کی زیارت کی خواہش ظاہر کی جو عراق بلکہ شیعہ دنیا کا ایک اہم علمی و تعلیمی مرکز ہے، جہاں ہزاروں طلبہ جن کی بڑی تعداد ہندوستانی ہے، رہتے ہیں، اسی طرح کہ بلا اور کوفہ جانے کی بھی درخواست کی مگر جواب میں کہا گیا، اندیشہ ہے کہ صدر جمہوریہ ملاقات کے لئے

طلب کریں اور آپ حضرات اس وقت شہر میں موجود نہ ہوں، جب بھی بغداد سے باہر کسی جگہ جانے کی درخواست کی جاتی یہی جواب ملتا اور یہی عذر پیش کیا جاتا، البتہ سلمان پاکٹ اور مدائن کے تاریخی مقامات دیکھنے کا موقع ملا جو بغداد سے ۳۰ کیلو میٹر دور جنوب میں دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع ہیں، اگرچہ یہ دورہ بھی سرسری رہا۔

شیعہ علماء کی ایک جماعت نے ہٹول میں وفد سے ملاقات کی اور کچھ دیر تک ساتھ بیٹھے رہے، ہمسے دائیں اور بائیں کرائٹا کاتبین“ مسلط تھے، ان علماء نے نجات اور کربلا کی زیارت کا شوق دلایا، اور اس دورہ کی ضرورت اور علمی و دینی تصدیقیت کا بھی ذکر کیا نیز یہ کہ وہاں کے علماء ہماری ملاقات کے متشاق ہیں، ہم نے وہاں جلے اور وہاں کے علماء کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لئے کلی آبادی ظاہر کی لیکن ہم نے کہا کہ ہم اس ملک میں گھومنے پھرنے میں آزاد نہیں ہیں، اور بغداد سے باہر جانے کے سلسلہ میں وزارت کا عندیہ ہے کہ ممکن ہے، عزت مآب صدر اپنی ملاقات سے مشرف کرنے کے لئے ہم کو طلب کریں اور اس وقت ہم بغداد میں موجود نہ ہوں جس کے نتیجہ میں اس ملاقات کی سعادت سے محروم ہو جائیں۔

بغداد یونیورسٹی، المجمع العلمی العراقی اور المجمع العلمی الکردی میں

اس مختصر قیام کے دوران بغداد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سعد الرازی سے ملاقات ہوئی، یونیورسٹی کے مقاصد اور تعلیم کا موضوع زیر بحث رہا، ڈاکٹر صاحب بغداد یونیورسٹی کی ابتداء اس کی توسیع اور اس کے مختلف شعبوں پر گفتگو کرتے رہے یہ ہمارے سرکاری پروگرام کی مقرر کردہ آخری ملاقات تھی۔

لے وہ مقام جہاں حضرت سلمان فارسی مدفون ہیں، انھیں کے قریب ذوالفطر سے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

علی اور ادبی ذوق نے ہم کو مجبور کیا کہ اجماع علمی العراقی (عراق اکیمڈمی) اور اجماع علمی الکرودی (کرڈ اکیمڈمی) دیکھنے جائیں جن کی علمی اور تحقیقی کوششوں کی ہم قدر کرتے ہیں، اجماع علمی العراقی میں محقق عالم ڈاکٹر ناجی معروف جن کی تحقیقات، بلند پایہ علمی مضامین، تصنیفات سے استفادہ کا موقع بھی ہم کو ملا تھا، اجماع کے صدر عبدالرزاق محی الدین، استاذ یوسف عز الدین اس کے جنرل سکریٹری فاضل طائی اور ہمارے پرانے دوست اور عراق کے اسلامی شاعر ولید الاظمی نے ہمارا استقبال کیا، صدر مجمع اور ڈاکٹر ناجی معروف نے اجماع علمی الکرودی بھی دیکھنے کی فرمائش کی، دونوں اکیمڈمیوں نے اپنی بعض مطبوعات ہم کو بطور ہدیہ پیش کیں۔

نئے تجربے

شارع متنبی پر واقع ایک بڑے مکتبہ میں گئے اور اپنی بعض تصنیفات تلاش کیں مگر ایک تصنیف بھی نہ ملی، یہ مکتبہ ان اسلامی کتابوں سے خالی نظر آیا، جو اسلام کی سر بلندی کا پیام دیتی ہیں، ہم کو معلوم ہوا کہ اکثر وہ کتابیں یہاں منوع ہیں جو اس ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیاء کی دعوت دیتی ہیں، اور جن میں موجودہ حالات پر تنقید ہے، اس شہر میں جو مشرق عربی کا اہم ثقافتی مرکز ہے، اور جس پر ایک ترقی پسند پارٹی حکمران ہے، جو فکر و خیال اور عقیدہ و ضمیر کی آزادی کی قائل ہے، یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے۔

سعودی سفارتخانہ نے وفد کے اعزاز میں ایک عشاءِ بے دیا جس میں صرف سفارتخانہ کا عملہ اور دو حضرات شریک تھے، جو ہماری رفاقت کے لئے معذور کئے گئے تھے، یہی لوگ وزارت خارجہ عراقی حکومت کی نمائندگی کر رہے تھے، علماء دین میں کوئی شخص وفد کے ارکان

اور اپنے دینی علمی بھائیوں سے ملاقات کے اشتیاق کے باوجود شریک نہ ہو سکا۔

عراقی میوزیم — تاثرات

۱۰ اگست ۱۹۷۳ء جمعہ کے روز عراقی میوزیم دیکھنے گئے، ہماری رہنمائی کے لئے اس کے فاضل ڈائریکٹر موجود تھے، جو آثار قدیمہ کے ماہر ہیں، عراق کی تہذیب، تاریخ، معاشرہ اور حکومتیں ہزار سال قبل مسیح سے آج تک جن ادوار و مراحل سے گزری ہیں، ان کا مشاہدہ کرایا، مثلاً بابلی دور، کاشی دور، سلوٹی دور، فرشی دور وغیرہ، ہماری توجہ کامرکز اسلامی عہد اور اسلامی آثار رہے اگرچہ اسلامی آثار بہت کم ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ہم کوئی تاریخی قلم دیکھ رہے ہوں جس میں ایک حکمران آتا ہے، دوسرا جاتا ہے، ایک حکومت برسر اقتدار آتی ہے، دوسری زوال پذیر، ایک شہر آباد ہوتا ہے، دوسرا برباد، بلند اور پر شکوہ عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں، اور شہم زدن میں ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، یہ ساری چیزیں اس طرح گزر رہی تھیں، جیسے تاریخ کوئی ہزلیہ ڈراما (COMEDY) ہو جس میں حقیقت و واقعیت نام کو نہ ہو، جیسے چوکا ڈراما ہو جس میں کوئی بادشاہ کا کردار ادا کر رہا ہو کوئی وزیر کا، کوئی طاقتور کا، کوئی کمزور کا جیسے علی بابا یا الف لیلہ کے بعد ادا کے تاجر کا قصہ ہو، اور قصہ کے ماہر فن کار نے جس شخص کے حوالہ جو کر دیا ہے، وہ ادا کر رہا ہے، کوئی کردار اس کے حکم سے انحراف نہیں کرتا سب کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے، سب اس کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں، اور ہر شخص بھول جاتا ہے کہ وہ اپنے فعل میں مختار اور آزاد نہیں ہے، بلکہ مجبور اور پابند ہے، پھر آرزوؤں اور تمنائوں میں کھو جاتا، اور اپنے خیالی جزیروں میں گم ہو جاتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی کردار

اداکر رہے گا، اور اس کی طاقت و قوت اور حکومت و سلطنت کبھی زوال پذیر نہیں ہو سکتی۔
 ان تاریخی معلومات اور راہ و سال کی تیز رفتار تبدیلیوں سے میراجی اُوب گیا اور قوت
 و طاقت اور حکومت و دولت پر سے غواہ کتنی ہی وسیع، ہمہ گیر اور دیر پا نظر آئے میرا حقیر
 اعتماد جاتا رہا۔

ماضی کے کچھ نقوش اور یادیں

ہم نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مرقد کی زیارت کی اور شیخ کی مسجدیں ایک سے
 زیادہ مرتبہ نماز ادا کی شیخ کا شمار امت اسلامیہ کے ان چند شخصیات میں ہوتا ہے، جن کو
 اللہ تعالیٰ نے قبول عام اور بقاء دوام بخشا، ایسی شہرت و مقبولیت شاذ و نادر ہی کسی کو
 نصیب ہوتی ہے، میری نگاہوں کے سامنے شیخ کے وہ عظیم الشان کارنامے پھرنے لگے،
 جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت، معاصی کی روک تھام نفوس کے تزکیہ، طاغوت شکنی اور خدا ہی
 سے امید و بیم کا رشتہ استوار کرنے کی شکل میں ظاہر ہوئے، میں سوچنے لگا، شیخ کی مجالس حاضرین
 و سامعین سے کیسے کھچا کھچ بھری رہتی تھیں، یہود و نصاریٰ جو حق در بوق حلقہ بگوش اسلام
 لے میں نے اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول میں شیخ کے حالات اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔
 مگر لیکن بڑی ستم ظرفی ہے کہ جاہلوں نے آپ کی دین خالص اور صرف اللہ تعالیٰ سے بولنے کی دعوت اور
 سنت محمدیہؐ کی مداخلت سے کوئی سبق نہیں لیا اور آپ کی تعظیم میں ایسے طریقے اختیار کرنے لگے جو توحید
 اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں، مثلاً سجدہ کرتے ہیں، تبرکاً بوسہ لینے اور طواف کرتے ہیں، ہم کو ان غیر اسلامی
 مناظر سے سخت تکلیف ہوئی، ہم نے بعض ذمہ داروں کو توجہ دلائی کہ جاہلوں کو ان منکرات کے ارتکاب کا موقع
 نہ دیں، ہمارا خیال ہے کہ اگر وزارت اوقاف یا نقابت الاشراف اس کا عزم کرے تو کوئی مشکل کام نہیں ہے

ہوتے تھے، قاتل، رزبن اور عیار و شاطر افراد تو بہ کرتے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے تھے، کس طرح دلوں میں نرمی، جھکاؤ و خوشنوع و انابت کی کیفیات پیدا ہوتی تھیں، پتھر موم اور دشمن دوست بن جاتے تھے۔

شیخ اگر اس وقت ہوتے

شیخ کا دور عباسی خلافت کے عروج کا دور تھا، اسلام کا بول بالا تھا، ساری دنیا مسلمانوں کے زیر نگین تھی، لیکن اس کے باوجود شیخ بغداد اور عالم اسلام کی صورت حال سے مطمئن نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ اسلام میں ضعف اور مسلمانوں میں نفاق سرایت کر گیا ہے، اسلامی معاشرہ انھیں امراض میں مبتلا ہو گیا ہے، جو گزشتہ قوموں اور حکومتوں کی تباہی اور زوال کا سبب بنے، یعنی مادہ پرستی، بوالہوسی، حب جاہ، خود غرضی، غیر اللہ کی غلامی، فضائل اخلاق اور اصل دین سے بے پروائی اور غفلت، بادشاہوں اور امرار کی خوشامد وغیرہ۔

میں نے اپنے دل میں کہا، شیخ اگر اس وقت تشریف رکھتے اور آج کا بغداد دیکھتے تو ان کے قلب حساس و دودمند پر کیا گزرتی، وہ ملاحظہ فرماتے کہ اہل زمانہ اور ابنائے وطن کس طرح بتان لو کے پجاری اور حب دنیا کے زناری بن چکے ہیں، اسلام کی بجائے دوسری شریعتوں، دنیاوی مذاہب اور خود ساختہ نظامائے حیات سے رشتہ جوڑ لیا ہے، اور کئی طرح انھوں نے باہر سے زندگی کے طوطی حکومت کے انداز اور سیاسی و اقتصادی نظام درآمد کر لئے ہیں، شیخ جو حالی نسب ہاشمی خلیفہ کی بے راہ روی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور اس کے اخلاق و اعمال پر بے محابا تنقید فرماتے تھے، اس صورت حال کو کیسے گوارا کرتے کہ آج ایک عیسائی قائد یا ایڈریڈ جس کا اس ملک سے مذہب و نسب کا کوئی رشتہ نہیں ہے، ہارون رشید اور اے مکران! بعثت العزلی، پارلیمانی و مذہبی مخالفین کی طرف اشارہ ہے، جو مذہب عیسائی اور مومن قوم پرست اور مشرکی

اس کے فرزندوں کے تحت پر جلوہ افروز ہے ماضی میں مسلمانوں اور عربی النسل قوموں کو اپنے
ڈنڈے سے اس طرح ہانک رہا ہے، جیسے کوئی چرواہا بھیڑ بکریوں کے گلے کو ہانکتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر شیخ کا درد و کرب

مجھے یاد آیا کہ چھٹی صدی ہجری میں جب بغداد دعوت و اصلاح اور علم و ثقافت کا
مرکز اور اسلام ملک کے اعمد باہر ہر جگہ طاقتور ہو چکا تھا، شیخ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا،
”دین محمدی کی دیواریں منہدم ہو چکی ہیں، اسلام کی بنیاد کھوکھلی ہو رہی ہے
آؤ اے اہل زمین آؤ، جو حصہ کر گیا ہے، اس کو اٹھاؤ، اور مرتب کریں۔“

اے آفتاب و ماہتاب اور اے یل و نہار آؤ، لوگو! اسلام فریاد کر رہا
ہے، مدد کے لئے پکار رہا ہے، ان فاسق و فجار، گمراہ و بدعتی، ظالم اور فریب کار
لوگوں نے اسلام کو دل گرفتہ کر دیا ہے؛

یہ درد مندی اور بے قراری اس زمانہ میں شیخ کو ہو ہی تھی، جو بڑی خیر و برکت کا زمانہ
تھا تو آج اگر شیخ موجود ہوتے تو ان کی بے قراری کا کیا عالم ہوتا جب دیکھتے کہ مسلمان خود
اسلام پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں، مذہب کو کارگر حیات سے بے دخل اور بے تعلق کر دیا ہے حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو جو صحیح علم و حکیمانہ اور عادلانہ دستور زندگی، اور انھیں کی
زبان میں جو معجز کتاب عطا ہوئی تھی، اور آپ کی نبوت و قیادت کے سائے میں انھیں جس
شرف و سربلندی اور جس سرخروئی و ہر دلعزیزی سے نوازا گیا تھا، اس کی انھوں نے کوئی
قد نہ کی اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب و ادیان اور دوسرے فلسفوں اور نظماں کا حیات

سے رشتہ جوڑ لیا، ایک زمانہ وہ تھا، جب مسلمان یہاں سے آدھی دنیا پر حکومت کرتے تھے، دنیا و آخرت دونوں کی سعاد توں سے بہرہ اعموز ہوتے تھے، اور اجسام و قلوب سب پر ان کی حکمرانی تھی، لیکن جب مسلمانوں نے اسلام کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا، تو ذلت و خواری اور فلاح کے ادبار کے غار میں جا گرے۔

عراق انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد

اہم روزانہ شہر جاتے شارع رشید سے گزرتے جو ہمارے ہوٹل سے قریب ترین سڑک تھی، رصافہ اور کرخی کے درمیان چل قدمی کرتے اور ان مقامات سے وابستہ اشعار و واقعات یاد کرتے، اس جسر (پل) سے گزرتے جو ان دونوں علاقوں کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے، اور وہ غزلیہ اشعار یاد کرتے جو اس جسر (پل) کے بارے میں کہے گئے ہیں، بعد میں متعدد دنئے پل بھی تعمیر کئے گئے ہیں، جن کے ذریعہ دجلہ کو پار کرتے ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۵۶ء میں بغداد آنا ہوا تھا، جب شاہ فیصل بن غازی کی حکومت تھی، اور نوری السعید پاشا وزیر اعظم تھے، یہ صحیح ہے کہ وہ کوئی مثالی دور نہیں تھا، اور نہ حکومت اسلامی نظام کے مطابق تھی، حکومت کی پالیسی، ذمہ داروں کی مطلق العنانی اور اس وقت کے حالات پر شدید مکتہ چینی کی گنجائش ہے، عوام اور حکومت کے درمیان ایک خلیج مائل تھی، ظلم و استبداد تھا، بعنوانی اور مطلق العنانی تھی، عراقی حکومت برطانوی سیاست کے چشم و ابرو پر گھوم رہی تھی، یقیناً یہ صورتحالی غلط اور قابل تنقید تھی، اگر حکام کا رویہ درست ہوتا اور اسلامی شریعت اور اس کے منصفانہ اصولوں پر عمل کیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ ملک اس سے زیادہ مضبوط،

لے بغداد کا مغربی محلہ کرخی کے نام سے مشہور ہے جس کے بارے میں ابو العلاء معری کہتا ہے (باقی صفحہ پر)

مستحکم اور خوشحال ہوتا۔

لیکن جب میں بغداد کی سڑکوں پر ٹہلتا تھا، لوگوں کی باتوں کو سنتا اور ان کے چہروں کو پڑھتا نیز اپنے اس دورے کے بعض مخصوص تجربات کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عبدالکریم قاسم کے انقلاب سے پہلے ملک زیادہ خوشحال اور مستحکم تھا، قوم میں آج سے زیادہ آزادی، بے فکری اور اعتماد تھا، ۱۹۵۶ء میں جب میں بغداد آیا تھا، تو کسی طرح کے دباؤ، پابندی اور پھرہ کا احساس نہیں ہوا تھا، میں پوری آزادی سے بغداد اور بیرون بغداد گھومنا پھرتا تھا، جس سے چاہتا میں ملاقات کرتا اور جو چاہتا مجھ سے ملاقات کرتا اور کسی طرح کی باز پرس کا

(باقی صفحہ ۲۰۲ کا) فیما بقی لیس الکرخ داری واما

فہل خیل من ماء المعرة قطرة تغیث بها ظمان لیس بال

ترجمہ:- اسے برق اگرخ میرا وطن نہیں ہے، گروش ایام نے کچھ دنوں سے یہاں لاکھ چھوڑ دیا، کیا تیرے پاس معرہ کے پانی کی کوئی فوند نہیں ہے؟ جس سے تو ایک تشنہ کی پیاس بجھا کے؟

اگرخ بغداد کا قدیم محلہ ہے بشرقی علاقہ رصافہ کے نام سے مشہور ہے، یہ نام ہارون رشید نے رکھا تھا، اور اس میں ایک محل بھی تعمیر کیا تھا، رصافہ کے بارے میں ابن الجہم لکھتا ہے:

عیون المهایین الرصافة والجسر جلین اليهودی من حیث أدراکاً

اثرن لی الشوق القدیم ولم الکن سلوت ولكن زحج جبراً علی جہر

ترجمہ:- فراخ چشم حسینوں نے جو رصافہ اور جسر کے درمیان خوشخامی میں مصروف تھا، مجھے علوم و اہل علم طریقہ پر اپنی محبت کا اسیر بنایا۔

انھوں نے میرے قدیم شوق میں جو ابھی افسردہ نہیں ہوا تھا، ایک نئی تحریک پیدا کر دی اور اس شرارہ محبت کو ہوا دیکر اور فروزاں کر دیا۔

اندیشہ نہ ہوتا۔ "جمعیتہ النقاد فلسطین" کے مرکز میں میری ایک تقریر ہوئی تھی جو بعد میں "انتمہ ایمان و اخلاق" (ایمان و اخلاق کا بحران) کے نام سے شائع ہوئی، اس تقریر میں نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، میں نے پوری آزادی سے تقریر کی تھی، عراق اور عالم اسلامی کے اخلاقی انحطاط، موجودہ معاشرہ کے ایمانی اور اخلاقی بحران، باضمیر و با اصول افراد کے فقدان جیسے موضوع پر میں نے بے لاگ تبصرہ کیا تھا، مگر سیاسی حلقوں میں اس تقریر سے کوئی کھلبلی نہیں مچی اور مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور بغداد سے اسی طرح آزاد دہے فکر اور سرور و مطمئن آیا تھا، جس طرح بغداد میں داخل ہوا تھا انسان کی فطرت ہے کہ وہ نفع و نقصان، سود و زیاں اور کامیابی و ناکامی کے درمیان موازنہ کرتا ہے۔

تو آخر ان ملکوں کو ان ہولناک انقلابات سے کیا ملا جو حالات کو سدھارنے قوم کو ظلم و استبداد کے آہنی پنجے سے آزاد کرنے اور اس کی اس فطری حریت کو بحال کرنے کے لئے رونما ہوئے تھے۔

یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ہم ان تمام لوگوں سے چاہتے ہیں، جو حقیقت پسند و حق شناس ہیں اور جو عرب اسلامی ملکوں کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

جامع الشہداء میں خطاب

نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دیوان الاوقاف نے ہمارے لئے جامع الشہداء کا تعین کیا تھا جو بغداد سے کئی کلو میٹر دور ہے، اور اس شدید گرمی میں دوپہر کے وقت وہاں پہنچنے میں لوگوں کو بڑی دقت پیش آتی ہے، معلوم نہیں کیسے ہماری آمد کی خبر علماء و مسلم نوجوانوں تک

پہنچ گئی، جو اپنے دینی بھائیوں سے ملاقات کرنے اور ان کی باتیں سننے کے شائق تھے، چنانچہ مسجد نمازیوں سے بھر گئی، مجھ سے متعدد آدمیوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں نماز بوقت تقریر کروں، میں نے ہر چند معذرت کی مگر بے سود آخر کار میں نے معاملہ ذمہ داروں پر ٹال دیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ خدا نخواستہ کوئی ناخوشگوار بات پیش آجائے اور اس کا اثر ان دوستوں پر پڑے جنہوں نے تقریر کی خواہش کی تھی، اور اسی لئے جامع مسجد میں تشریف لائے تھے، ذمہ داروں نے منظوری دے دی۔

میں سوچنے لگا کہ میری آرزو کی تقریر کا موضوع کیا ہو، مجھے محسوس ہوا کہ گفتگو کا دائرہ تنگ اور موقع نازک ہے، ایسے وقت میں قرآن نے میری دستگیری کی اور قرآن ہمیشہ ہی متحیر اور پریشان آدمی کی دستگیری... اور رہنمائی کرتا ہے، اسے خدا کا امام اور اس کی توفیق کہئے کہ اسناد عبد الرزاق فیاض نے اپنی شیریں اور گونجنے والی آواز میں نماز سے پہلے سورہ انبیاء کی تلاوت کی تھی، میں نے اسی سورہ کی ایک آیت لُفَّذْنَا اَنْفُکُمْ کِتَابًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، کو لے لیا اور اس آیت کریمہ نے گفتگو کا ایک وسیع میدان میرے سامنے کر دیا، ایسی گفتگو جو دلوں کو چھوتی تھی، زندگی سے جس کا گہرا تعلق تھا، اور جو صورت حال پر منطبق بھی ہوتی تھی، میں نے کہا:

قرآن ایک ضامن آئینہ ہے جس میں افراد اور قومیں
اپنا چہرہ دکھتی اور اپنا مقام پہچانتی ہیں

”حضرات!

میں نے ایک عزیز دوست سے سورۃ الانبیاء کی تلاوت سنی تو اس کی ایک عبارت

آیت نے میرے ذہن میں بے شمار معانی کے دریچے کھول دیئے۔ ارشاد باری ہے
 لَقَدْ اُنزِلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
 ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب
 نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے
 (الانبیاء۔ ۱۰)

یہ آیت ہمیں... بتاتی ہے کہ قرآن ایک صاف شفا، سچا، وفادار و دیانتدار
 آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے خدو خال دیکھ سکتا ہے، معاشرہ میں اپنا مقام
 پہچان سکتا ہے، اور خدا کے نزدیک اپنا مرتبہ معلوم کر سکتا ہے، کیونکہ قرآن انسانوں
 کے اخلاق و صفات بیان کرتا ہے، اور اس میں انسانیت کے اعلیٰ اور ادنیٰ
 ہر طرح کے نمونہ کی تصویریں موجود ہیں۔ ”فِيْهِ ذِكْرُكُمْ“ یعنی اس کتاب میں
 تمہارا بیان ہے، تمہارے حالات و اوصاف مذکور ہیں، جیسا کہ بہت سے علماء
 نے سمجھا ہے، سلف قرآن کو ایک زندہ، بولنے والی اور زندگی سے برتر کتاب
 تصور کرتے تھے، ان کے نزدیک قرآن کوئی تاریخی اور آثار قدیمہ کی چیز نہیں تھی جو
 صرف ماضی اور اگلے وقتوں کے لوگوں سے بحث کرتی ہو اور جس کا زندہ لوگوں سے
 بدلتی ہوئی انسانی زندگی اور انسانیت کے ان بے شمار ولا محدود نمونوں سے
 جو ہر زمان و مکان میں موجود رہتے ہیں کوئی تعلق نہ ہو۔

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق و اوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے
 ہر چیز ان کے سامنے روشن اور عیاں ہوتی تھی، وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل
 کرتے تھے، اسی عجیب و غریب کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق و
 اطوار کی سچی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے، اور بہت آسانی سے خود کو اس کتاب میں

پا جاتے تھے، اور پہچان لیتے تھے، اگر ذکر خیر موتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور کچھ اور دیتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔

اس آیت کی تلاوت پر مجھے سیدنا احنف بن قیس کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت احنف بن قیس کبار تابعین میں سے ہیں، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مخصوص ترین اصحاب میں ان کا شمار ہے، حلم میں ضربا مثل تھے، مگر اس کے باوجود جب غصہ ہو جاتے تو ان کی غیرت و ہیبت میں جوش آجاتا، لوگ کہتے تھے کہ جب احنف کو غصہ آتا ہے، تو ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں غضبناک ہو جاتی ہیں، یہ واقعہ میں نے ابو عبد اللہ محمد بن النصر المروزی (متوفی ۲۷۵ھ) کی تصنیف "قیام اللیل" میں پڑھا ہے، مصنف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور گمان غالب ہے کہ اس کتاب کی تالیف آپ ہی کے شہر بغداد میں ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت احنف بن قیس تشریف فرما تھے کہ انھوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو چونک پڑے اور فرمایا، ذرا قرآن مجید لانا میں اپنا ذکر تلاش کروں، اور معلوم کروں کہ میں کس کے ساتھ ہوں اور کس سے مشابہ ہوں۔

قرآن مجید کھولا تو اس آیت پر نظر پڑی جس میں کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد

۱۰۶-

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّذِينَ
مَادَّحَجُوعُونَ ۝ وَلَا تَحْزَنُوا
رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے
تھے، اور اوقات سحر میں بخش مانگا

یَسْتَغْفِرُونَ ۝ وَفِي أَمْوَالِهِمْ
حَقٌّ لِلَّذِينَ السَّائِلِينَ وَالْمَحْرُومِينَ ۝
(الذاریات - ۱۷-۱۹)

کرتے تھے، اور ان کے مال میں مانگنے
والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا
حق ہوتا تھا۔

پھر یہ آیت گزری:-

تَتَجَافَىٰ جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۝
مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝
(السجدہ - ۱۶)

ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے
ہیں، (اور) وہ اپنے پروردگار کو
خوف و امید سے پکارتے ہیں، اور جو
مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے

خرچ کرتے ہیں۔

پھر ان کے سامنے ایک گروہ آیا جس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ
سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝
(الفرقان - ۶۴)

اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ
کر کے عجز و ادب سے کھڑے رہ کر راتیں
بسر کرتے ہیں۔

پھر ان کا گزرا ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ
وَالضَّرَّاءِ وَالْكَالِمِ سِينِينَ
الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۝
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
(آل عمران - ۱۳۴)

جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا
کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور
غصہ کو روکتے ہیں، اور لوگوں کے
قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا
نیکی کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

پھر ان کے سامنے کچھ نمونے آئے جن کا تعارف اس طرح کر لیا گیا ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُوقِ شَمِّ نَفْسِهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم
رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج
ہی ہو، اور جو شخص جس نفس سے
بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے
والے ہیں۔ (الحشر - ۹)

پھر یہ آیت سامنے آئی:-

وَالَّذِينَ يُجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ
وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا
يَعْفُونَ ۝ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا
لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝

اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی
کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، اور
جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے
ہیں، اور جو اپنے پروردگار کا فرمان
قبول کرتے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں اور
اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے
ہیں، اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا
ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(الشوریٰ - ۳۷-۳۸)

پھر رک گئے اور فرمایا، اے الشریہاں تو میں اپنے آپ کو نہیں یاد ہا ہوں اور
دوسری جگہ تلاش کرنا شروع کیا تو ایک جماعت کا تذکرہ دیکھا:

إِنَّهُمْ كَاذِبُونَ ۖ إِذَا قِيلَ لَهُمْ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۖ

ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا
تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو

وَيَقُولُونَ أَإِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا
لشَاعِرٍ تَجْنُونِ ۝
(الشُّفُت - ۳۵ - ۳۶)

غزور کرتے تھے اور کہتے تھے بھلا ہم
ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں
اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔

پھر ان کا ذکر گزرا:

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ
أَشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا
ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا
هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ (الزمر - ۲۵)

اور جب تنها خدا کا ذکر کیا جاتا ہے،
تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے
ان کے دل منتقبض ہو جاتے ہیں اور
جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا
جاتا ہے، خوش ہو جاتے ہیں۔

پھر ان حضرات کا تذکرہ سامنے آیا جن سے سوال کیا جائے گا:

مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرِهِ قَالُوا
لَمْ نَكُ مِنَ الْمُضِلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ
نُطْعِمِ الْمُسْكِينِ ۝ وَكُنَّا نَحْمِلُ
مَعَ الْخَالِئِينَ ۝ وَكُنَّا نَكْذِبُ
يَوْمَ الدِّينِ حَتَّى آتَانَا الْيَقِينَ ۝
(المدثر - ۴۲ - ۴۷)

(سوال ہوگا) تم دوزخ میں کیوں
پڑے، وہ جواب دیں گے کہ ہم گمراہ
نہیں پڑھتے تھے، اور نہ فقیروں کو
کھانا کھلاتے تھے، اور اہل باطل کی
ہاں میں ہاں ملاتے تھے، اور حق پر
کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں
موت آگئی۔

پھر ٹھہر گئے اور فرمایا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے برائت ظاہر کرتا
ہوں، اس کے بعد ورق الٹتے رہے، اور تلاش کرتے رہے مگر کلا وجب تک نہیں پڑھ سکا

وَأَخْرَجُوا عَنْهَا نَارًا وَأَخْرَجُوا مِنْهَا شَرًّا ۖ
 خَلَطُوا مَعِ اللَّاحِقِ الْأَخْرَجُوا ۖ
 عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَكُونَ رَءُوفًا ۖ
 إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝
 (التوبہ - ۱۰۲)

اور کچھ امد لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا
 اقرار کرنے میں، انھوں نے اچھا اور
 برے عملوں کو ملا دیا تھا، قریب
 ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توبہ فرمائے
 بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

تو فرمانے لگے: خداوند! میں انھیں لوگوں میں سے ہوں!

آئیے ہم بھی اپنا ذکر اور اپنی تصویر پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے قرآن
 میں تلاش کریں قرآن بشیر بھی ہے اور نذیر بھی، صاحبین کے ساتھ کفار و مشرکین کا
 بھی تذکرہ اس میں موجود ہے، قرآن افراد اور جماعتوں دونوں کی تصویر کشی کرتا ہے
 ارشاد ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجُزُ
 قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُهْدُ
 اللَّهُ عَلَىٰ قَلْبِهِ وَهُوَ
 الَّذِي أَخْضَعَ ۖ وَإِذْ أَتَىٰ
 سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا
 وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۚ

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو
 دنیا کی زندگی میں تم کو دل کش معلوم
 ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر
 خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ
 سخت جھگڑا لو ہے اور جب پٹید پھیر کر
 پاتا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے

۱۔ آیات کا ترجمہ مولانا فتح محمد صاحب کے ترجمہ قرآن سے برائے نام فرق کے ساتھ منقول ہے۔

۲۔ کتاب قیام اللیل طبع لٹان ۱۳۲۸ھ صفحہ ۱۳۔

۳۔ بعض لوگوں نے "توتی" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ جب اس کو حکومت اور اقتدار حاصل ہوتا ہے

وَإِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ
وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ
أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ
فَحَسْبُ جَهَنَّمَ وَلَيْسَى
الْمُهَادَى

(البقرة - ۲۰۴-۲۰۶)

تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور
کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں
اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے
اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا
اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا
سے خوف کرو، تو غور داس کو گناہ
میں پھنسا دیتا ہے، اسو ایسے کو جہنم
سزاوار ہے، اور وہ بہت برا
ٹھکانہ ہے۔

پھر اس کے بعد ارشاد ہے:-
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي
نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ
(البقرہ - ۲۰۷)

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی
خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی
جان بیچ ڈالتا ہے، اور خدا بندوں
پر بہت مہربان ہے۔

ایک جماعت کا ذکر اس طرح ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ
مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَكُمُ
بِقَوْمٍ يَخِيضُونَ فِيكُمْ وَخُبِرَتْ أَدِلَّةُ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ عُقُوبَةُ عَلَى الْكَافِرِينَ

اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے
دین سے پھر جائیگا، تو خدا ایسے لوگ
پیدا کرے گا جن کو وہ دوست رکھے
اور جسے وہ دوست رکھیں، اور جو

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَلَا يَخَافُونَ تَوَمَّةً وَلَا يَمُوتُ
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن
يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
(المائدہ - ۵۴)

مومنوں کے حق میں نرمی کریں، اور
کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا
کی راہ میں جہاد کریں، اور کسی ملامت
کرنے والے سے نہ ڈریں، یہ خدا کا
فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا
ہے، اور خدا بڑی کثالتش والا اور
جاننے والا ہے۔

ایک دوسری جماعت کا تذکرہ اس طرح ہے:-

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا
مَا عَاهَدُوا وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ فِيمَنَّهُمْ
مَنْ قَضَىٰ غَنَابَةً وَمِنْهُمْ مَنْ
يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا بَدْلًا
(الاحزاب - ۲۳)

مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں،
جو اقرار انھوں نے خدا سے کیا تھا،
اس کو سچ کر دکھایا، تو ان میں بعض ایسے
ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے
اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے
ہیں، اور انھوں نے (اپنے قول کو)

ذرا بھی نہیں بدلا۔

شکر اور احسان شناسی کی ترغیب دلاتے ہوئے قرآن انبیاء اور ان کے تابعین
کا ذکر کرتا ہے، اور ناشکری، احسان فراموشی، غرور اور حسن سلوک کا جواب بدسلوکی
سے دینے کی مذمت کرتے ہوئے، اور اس کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے فرماتا
ہے:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي يَبْدُلُ سُوَا
نِعْمَةِ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحْسَبُوْا
يَا قَوْمِ هُمْ دَارُ الْبَوَارِ ۝
(ابراہیم - ۲۸)

اور اس کی مثال ایک بستی سے دیتا ہے جس نے خدا کی نعمتوں کو فراموش کر دیا۔
اور جس کے افراد اپنی خوشحالی پر اتارنے لگے، ارشاد ہوتا ہے:-

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرِيبًا
كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاتِيهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاذْقَهَا
اللّٰهُ لِبَاسٍ الْجُوعِ وَالنَّوْظِ
بِمَا كَانُوا يَصْنَعُوْنَ ۝
(النحل - ۱۱۳)

کا) مزہ چکھا دیا۔

یہ انسانی اور اخلاقی نمونے جو قرآن نے مختلف ناموں سے پیش کئے ہیں
کہیں کسی مطلق العنان فرمانروا کے نام سے مثلاً فرعون کہیں کسی سرکش وزیر
یا امیر کے نام سے مثلاً ہامان کہیں کسی متکبر اور خجیل سرمایہ دار کے نام سے
مثلاً قارون کہیں کسی ظالم و جابر قوم کے نام سے مثلاً عاد کہیں کسی مشہور اور
ماہر صنعت قوم کے نام سے مثلاً ثمود یہ تمام لازوال انسانی نمونے ہیں جو کسی

زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، اور یہ تمام نمونے انسانی فطرت کے مختلف کمزور پہلوؤں اور گوشوں کی ناسمجدی کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان افراد اور جماعتوں کے انجام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صفائی کے ساتھ کہا ہے کہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا اور ان کو اپنا رہنما اور قائد تسلیم کرے گا، اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان افراد اور جماعتوں کا ہوا۔

مَنْ خَلَعَ فِي اللَّهِ فِي الْيَوْمِ خَلَعَ مِنْ قَبْلُ مَا
جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی خدا کا یہی

وَكَانَ أَمْرًا شَدِيدًا رَافِقًا دُرًا
دستور رہا ہے، اور خدا کا حکم مقرر ہو چکا ہے
(ان جزا اب - ۳۸)

تقریر ختم ہونے کے بعد حاضرین مصافحہ و معانفہ کے لئے پل پڑے اور ایک نے میرے کان میں چپکے سے کہا: 'ہجوم دس گنا ہوتا اور پورا بغداد امنڈ آتا، اگر حالات معمول پر ہوتے اور لوگوں کو آزادی حاصل ہوتی؛

بصرہ نہ دیکھنے کا افسوس

ہم نے بصرہ جانے کی درخواست کی جو قدیم تاریخ میں علم، زہد اور دعوت اسلامی کا اہم مرکز، اموی دور میں دمشق کے بعد سب سے بڑا شہر اور سیدائتا لعین جن بصری کا وطن رہا ہے، لیکن وہی پرانا جواب ملا کہ ہو سکتا ہے، صدر جمہوریہ آپ کو طلب کریں، اور آپ لے گئے نہیں، کویت جاتے وقت ارادہ تھا کہ بصرہ میں رک کر وہاں سے عمان جائیں گے مگر موقع نہ مل سکا

بغداد سے روانگی

اتوار کی شام کو بغداد سے روانہ ہوئے، دل میں اس کی یاد اور اس کی محبت

چٹکی ے رہی تھی، اود زبان حال گویا تھی ے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے



شہیدوں اور پاسبانوں کی نثریں
اردن میں

ترجمہ

مولوی محمد اجمل ایوب اصلاحی ندوی

بغداد سے عمان

چار عرب اسلامی ملکوں کے اس دورہ کی آخری منزل شرق اردن تھا، اور غالباً یہ اچھا ہی ہوا، کیونکہ انہما خیال کی جتنی آزادی اور جتنا موقع وہاں حاصل ہوا وہ ان ملکوں میں قطعاً حاصل نہیں ہوا، جہاں کی حکومتیں جمہوریت و قومیت کی علمبردار ہیں، اور جو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ان پر کوئی ایک فرد یا کوئی مخصوص خاندان حکمرانی کرے، ان کے نزدیک یہ رجعت پرستی اور پسماندگی کی علامت ہے، جس کی اس آزاداؤں ترقی یافتہ دور میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اتوار ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء رات کو تقریباً ۹ بجے ہم بغداد سے روانہ ہوئے، ہم کو رخصت کرنے کے لئے سعودی سفیر اور بغداد کے بعض اساتذہ جو سعودی عرب میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، تشریف لائے تھے، بصرہ کے ہوائی اڈہ پر ایک گھنٹہ کے لئے اترے اس عظیم علمی اور تاریخی شہر کی زیارت کی اجازت نہیں مل سکی تھی، جو دین، علم اور ادب و نحو کا ایک مستقل مکتب فکر تھا، ہوائی اڈہ پر اچانک سعودی قونصل سے ملاقات ہوئی، انھوں نے

بہت اصرار کیا کہ ہم بصرہ میں ان کی میزبانی میں کچھ وقت گزاریں، اور اس تاریخی شہر کی سیر کریں اس غیر متوقع ملاقات سے ہم سب کو بہت مسرت ہوئی، پھر کویت کے لئے طیارہ پر سوار ہو گئے، رات کویت میں گزاری، شیرمن (SHERATON) ہوٹل میں قیام کیا، جہاں شیخ عبدالرزاق صالح، ہمارے دوست ڈاکٹر عبداللطیف خاں اور برادر عزیز ابیہم حسنی ملاقات کے لئے آئے اور کچھ دیر ساتھ بیٹھنے کے بعد ہم کو آرام کرنے کے لئے چھوڑ گئے۔

دو ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ کو صبح کو ہم نے عمان کا رخ کیا، اور ظہر سے پہلے پہنچے، ہوائی اڈہ

پر ہمارے استقبال کے لئے وزارت اوقاف کے سکریٹری استاد عبدخلف، پاکستان میں اردن کے سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن سید کامل الشریف، سعودی مدارالمہام استاد محمد میس اور دوسرے حضرات موجود تھے، ہوائی اڈہ سے اردن کے مشہور ہوٹل "انٹرکونٹیننٹل اردن ہوٹل" گئے، راستہ میں سید کامل الشریف نے ہم کو بتایا کہ شاہ حسین کو جب وفد کے دورہ اردن کی اطلاع ملی تو انھوں نے مسرت کا اظہار کیا، اور خوش آمدید کہا، اور توقع ہے کہ وہ کسی وقت وفد کو ملاقات کے لئے یاد فرمائیں، ہم نے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا جس کا اظہار اس شریف خاندان سے کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے

وزارت اوقاف کی میزبانی

اوقاف اور اسلامی امور کی وزارت کی میزبانی میں ہم نے ہوٹل میں قیام کیا، جس کے نگران اور ذمہ دار ڈاکٹر اسحاق فرحان ہیں۔ وزارت اوقاف کی طرف سے ہر سال ایک تعلیمی و ثقافتی پروگرام چلایا جاتا ہے جس اتفاق سے ہمارا آنا اسی زمانہ میں ہوا جب اسلامی ثقافت کی اشاعت اور اسلامی شعور بیدار کرنے کے لئے مختلف علمی جلسوں منعقد کی جا رہی تھیں،

لکچرز کے پروگرام تیار کئے جا رہے تھے، جب ہم دمشق میں تھے، اسی وقت وزارت کے سکریٹری نے ہم سے ان ثقافتی تقریبات میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تھی، اور محترم ذریعہ نے ہندوستان میں راقم سطور کی قیام گاہ پر دعوت نامہ بھی ارسال کیا تھا، وفد کے دورہ اردن کے موقع کو وزارت نے غنیمت جانا، اور وفد کو اپنا مہمان بنایا، خطبات، ملاقاتوں اور دوروں کا پروگرام مرتب کیا، اور اسے شائع کیا۔

محترم وزیر اوقاف نے ہٹل میں ہم سے ملاقات کی، آپ مشرق عربی کی گنی جنی تعلیمی و تربیتی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں اور اسلامی فکر اور اسلامی ذہن رکھتے ہیں، اس لیے تعلیم و اوقاف کی ایک ہی وزارت تھی، بعد میں دو مستقل وزارتیں بنا دی گئیں، ہم نے ڈاکٹر صاحب کو ان کے اسلامی مضامین کے ذریعہ جانا، اسلامی ملکوں میں تعلیم و تربیت کے انداز کے موضوع پر ان کے بعض مقالات ہمارے نزدیک بڑے فکر انگیز ہیں، وزارت میں ان کا وجود ملک کے لئے ایک گراں مایہ نعمت سے کم نہیں، اگرچہ ان کا قدرتی اور صحیح مقام وزارت تعلیم میں ہے، اسی طرح اطلاعات و نشریات کے ڈائریکٹر تاذ علی فریج، ڈاکٹر عبداللہ عزام۔ جو وفد کے رفیق مقرر ہوئے اور اس دورہ میں جس کا آغاز کابل اور جس کی آخری منزل عمان تھا، جن دونوں سے تعارف حاصل ہوا، ان میں دینداری تقویٰ، غیرت و حمیت اور چستی و سرگرمی ہر اعتبار سے بہت ممتاز تھے۔ نیز وزارت کے ڈائریکٹر جنرل اساذعز الدین خطیب اور مفتی وار اللہ وار کے ایڈیٹر اساذ حسن اقل نے شرف ملاقات بخشا۔

محترم وزیر اوقاف اور ان کے رفقاء کے ساتھ

وفد نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز شنبہ کے روز ۱۴ اگست ۱۹۷۷ء کو بجمع اوقاف

اسلامی امور کے وزیر سے ان کے فخر میں ملاقات سے کیا، دو گھنٹے کی ملاقات رہی، وزیر موصوف نے وزارت اوقاف کی سرگرمیوں، اس کے میدان کار اور اخیر دور میں اس کے ارتقار اور تبدیلیوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے وزارت اوقاف کی سرگرمیوں کا میدان فوت شدہ اشخاص کے مسائل تھے، اب اس نے زندگی اور زندہ لوگوں کے مسائل کو بھی اپنے دائرہ عمل میں شامل کر لیا ہے، اور مذہبی تعلیمات اور اسلامی ثقافت سے ان کا رشتہ استوار کر رہی ہے، ان کی گفتگو میں چنگی اور بیدار مغزئی نمایاں تھی، وہ اسلام اور علم کے پیغام کا فہم اور روح عصر کا شعور رکھتے ہیں، ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ وقف کے فقہی احکام و مسائل میں بچک پائی جاتی ہے، وہ زمانہ کا ساتھ دے سکتے ہیں، اور کتاب و سنت اور وسیع فقہ اسلامی کی روشنی میں مسلمانوں کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں، پھر وزیر نے اپنی گفتگو میں وزارت کے انتظامی ڈھانچہ اور وزارت کے تحت چلنے والے اداروں کا مکمل اور تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا جس سے مختصر وقت میں ہم کو خاصی معلومات حاصل ہوئیں اور اس وزارت کے متعلق ایک واضح اور مرتب نقشہ سامنے آیا جو قدیم اسلامی سرمایہ کے تحفظ اور جدید سرمایہ میں اضافہ کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

گیارہ بجے "مہمد شرعی" دیکھنے گئے اور اس کے ناظم شیخ محمد ابراہیم شقرہ سے ملاقات کی جن کا شمار اس اسلامی ملک کے ممتاز علماء اور اہل فکر میں ہوتا ہے، وہ عقائد کی چنگی کے ساتھ ایک روشن خیال عالم، اور ایک خوش بیان مقرر بھی ہیں، مدینہ یونیورسٹی میں عرصہ تک معلم رہ چکے ہیں، مہمد شرعی سے ملحق "مدرسۃ القرآن" دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔

شاہ حسین سے ملاقات

اس کے بعد اسلامی ثقافتی مرکز — عورتوں کی شاخ — جانا تھا، نظر کا وقت ہو چکا تھا، ہم محدث شرعی سے ملی ہوئی مسجد میں نماز ظہر ادا کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک شاہ حسین نے فوری طور پر قصر شاہی میں ملاقات کے لئے طلب کیا، ہم نے نماز ظہر ادا کی پھر وزیر اوقاف کے دفتر گئے جہاں سے سید کامل الشریف کی معیت میں — جن کو قصر تک وفد کے رفیق اور رہنما کی حیثیت سے جانا تھا — قصر شاہی کا رخ کیا۔

محل میں داخل ہوئے تو وہاں سعودی عرب میں اردن کے سفیر شیخ محمد امین الشنقیطی سے ملاقات ہوئی جو حال ہی میں شاہ سے ملاقات اور دار الحکومت کے دورے پر آئے ہوئے تھے، ان کی موجودگی سے ہم کو موجودہ شاہ کے دادا ملک عبداللہ بن حسین مرحوم سے اپنی پہلی ملاقات جو ۲۲ سال پہلے بغداد کے محل میں دو شنبہ کے روز ۶ شوال ۱۳۸۷ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی تھی، اور دوسری ملاقات کی — جو ۹ شوال ۱۳۸۷ء مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی — یاد تازہ ہو گئی۔ اور آج ہم ان کے نامور پوتے سے ملاقات کر رہے تھے، لیکن آج اور کل کے درمیان کتنا گہرا اور عظیم فرق ہے؟

۲۲ سال کا وقفہ ریاضی کے اعتبار سے ایک مختصر وقفہ ہے، اور اشخاص، قوموں، خاندانوں اور حکومتوں کی زندگی اور تاریخ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، تھوڑی سی مدت میں کبھی کبھی کئی نسلیں گزر جاتی ہیں، حکومتیں تبدیل ہو جاتی ہیں، اگر حوادث و انقلابات، سود و زیاں اور دنیا خصوصاً اس ملک کے سیاسی اور جغرافیائی نقشہ کی تبدیلیوں کے نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو یہ ایک طویل وقفہ نظر آتا ہے۔

شاہ حسین کو اپنے جد امجد سے وراثت میں ایک ایسی مملکت ملی ہے جس کو بہت سے ایسے چیلنج، مسائل اور تضادات کا سامنا ہے جن سے اس دور میں شاہی حکومت اور مملکت کو واسطہ ہو، ان کے حصہ میں قیادت و سربراہی کے لئے بہت نازک اور پیچیدہ وقت آیا ہے، یہ بارگراں غیر معمولی سوچ بوجھ اور زبردست فہم و بصیرت رکھنے والے لیڈر ہی اٹھا سکتے ہیں، جب میں استقبال کے کمرہ سے انتظار کے کمرہ اور وہاں سے شاہ کے دفتر میں جا رہا تھا، تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں کوئی ڈراما یا خواب دیکھ رہا ہوں، انسان کی بے بسی، زندگی کی بے ثباتی اور زمانہ کی نیرنگیوں پر یقین بڑھتا جا رہا تھا، اس سے پہلے جب میں اردن آیا تھا، تو اپنے معزز میزبان شیخ قاسم المعری تاجر عمان کے گھر میں دسترخوان پر تھا کہ اچانک شاہ عبداللہ کا فوری پیغام پہنچا اور مجھ سے کہا گیا: "سیدنا آپ کو بلا رہے ہیں" میں نے فوراً شاہ کی دعوت پر لبیک کہا، پھر دوسری بار جامع مسجد میں جس میں شاہ نے نماز ادا کی تھی اچانک شاہ کا پیغام پہنچا اور کہا گیا کہ: "سیدنا آپ کو بلا رہے ہیں" اور آج ان کے نامور پوتے کا اچانک پیغام پہنچا اور ہم سے کہا گیا: "سیدنا آپ کا انتظار کر رہے ہیں" آج اور کل میں کتنی مشابہت ہے، مگر ماضی اور حال میں کتنا زبردست اور نمایاں فرق ہو چکا ہے۔ ہم شاہ کے دفتر میں داخل ہوئے تو وہ چند قدم ہمارے استقبال کے لئے بڑھے، دروازہ کھولا، بہت تواضع اور انکساری سے پیش آئے اور معذرت کی کہ وہ ہم سے اسی پوشاک میں مل رہے ہیں، جس میں وہ تھے، پھر بالکل بے تکلفی سے ہم بیٹھے اور پریکٹیکل اور صفائی کے ساتھ گفتگو کی، شاہی رسوم و آداب کا دور دورہ تک پتہ نہ تھا، گفتگو ملک کی لہ اردن کے لوگ اپنے شاہ کو اسی لفظ سے مخاطب کرتے ہیں، جس کو انھوں نے حجان سے اخذ کیا ہے اور یہی لفظ رائج ہو گیا ہے۔

اس نازک سچیدہ اور پریشان کن صورت حال تک پہنچی جس میں ذہانت دور اندیشی، پختہ ایمان اور سچے اور آہنی عزم کا امتحان ہے، اور جس کی بہترین تصویر یہ آیت کریمہ پیش کرتی ہے

حَتَّىٰ إِذَا صَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَصَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَلَمُوا أَنَّهُ لَا مَجَاءَ مِنْ اللَّهِ إِلَّا الْيُسُفُ (التوبہ - ۱۱۸)

یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان کو دیکھ کر ہو گئیں اور انہوں نے یہ جان لیا کہ خدا کے ہاتھ سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عملی طور پر تجربہ بھی کیا کہ مسلمانوں اور عربوں خصوصاً اس ملک کے لئے جو شیر کے جبرٹوں یا چکی کے دوپاٹوں کے درمیان واقع ہے، اور نوک شمشیر و سان پر زندگی گزار رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ملجا و مادی ادا کوئی ناصرد مددگار نہیں ہے، اگر اس کے لئے کوئی راہ نجات ہو سکتی ہے تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ دلوں میں ایمان بالشر ہو، اسلام کے لئے اخلاص ہو، اس حقیقت پر غیر متزلزل یقین و اعتماد ہو کہ اسلام ہی زندہ رہنے اور انسانیت کی رہنمائی کرنے کا اہل ہے، زندگی ان تمام آلائشوں اور خرابیوں سے پاک ہو جو اسلام کی سرلہ بی اور سرخروئی کی راہ میں رکاوٹ اور اس کے زوال و انحطاط کا باعث ہوں، اسلام کو غیر مشروط طور پر زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں میں اسی طرح نافذ اور جاری و ساری کیا جائے جیسا کہ قرآن حکم دیتا ہے، خدا اور اس کے رسول کو دعوت مبارزت ندی جائے، اور اس آیت کریمہ پر ایمان لایا جائے :

وَكُنْ تَرَضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ
حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی

میں نے شاہ حسین کو وہ عظیم ذمہ داری یاد دلانی جو فلسطینی پناہ گزینوں، ان کے اور ان کی آئندہ نسلوں کے عقائد کے بارے میں شاہ پر عائد ہوتی ہے، کیسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ فلسطینیوں کو عیسائی مبلغین اور رفیوجی ریلیف کمیٹیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جو ان کی زبوں حالی اور بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں، میں نے کہا:۔

”یہ عظیم ترین ذمہ داری ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ہم سب ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے کئے جائیں گے، اور ان مصیبت زدہ اور قابل رحم لوگوں کے بارے میں ہم سے باز پرس ہوگی جو اپنے وطن سے صرف اس بنا پر نکالے گئے کہ انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار تو بس اللہ ہے“ اسی کے ساتھ میں نے شاہ کے بعض جرأت مندانہ اور دانشمندانہ اقدامات کا اعتراف کیا، اور بعض مواقع پر ان کی بے نظیر شجاعت و جرأت کو سراہا۔

میں نے شاہ سے کہا: ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس صرف ایک ہی دعا ہوتی جسے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازتا تو وہ دعا میں حاکم شہر کے لئے کرتا، اس لئے کہ اگر وہ صاخر ہے تو سارا شہر صاخر ہوگا، لیکن اگر اس میں خرابی ہے تو سارا شہر خراب ہو جائے گا میں اگرچہ اس مرتبہ پر نہیں ہوں، لیکن میں بھی بات شاہ سے کہنے کی جسارت کرتا ہوں“

شاہ خاموشی اور انکساری سے باتیں سنتے رہے۔ گفتگو میں رفیق محترم استاذ احمد محمد جمال اور سید کامل الشریف بھی شریک تھے، اساذ احمد محمد جمال نے کہا: میں نے بہت سے موقعوں پر کہا ہے کہ ہماری تمام ترامیدیں شاہ فیصل اور شاہ حسین سے وابستہ ہیں“

جلسہ درخواست ہوئی تو شاہ ہم کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دور آئے پھر ہم نے سلام کیا اور ہوٹل میں اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

شہر کے اسلامی اداروں کا دورہ

۱۵ اگست ۱۹۷۳ء کو چار شنبہ کے روز صبح ۹ بجے نکلے اور اس عظیم فلاحی اسلامی اسپتال کی عمارت دیکھنے گئے جو عمان میں فلاحی اسلامی مرکز کی انجن کی جانب سے قائم ہو رہا ہے۔ یہ ایک زبردست منصوبہ ہے، اگر مکمل ہو گیا تو یہ اسپتال اس عرب اسلامی علاقہ کا عظیم ترین اسپتال ہوگا، اور اس شہر کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرے گا، جہاں ہر طرف عیسائی مشنریاں اور مغربی عیسائی ادارے اسپتال قائم کرنے اور طبی امداد فراہم کرنے میں سرگرم عمل ہیں، اور جو عیسائی تبلیغ کا اہم مرکز رہا ہے، جہاں ایک نازک اور حساس گوشہ سے دلوں میں گھر کرنے اور ذہنوں کو مائل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، یعنی مریض پر شفقت اس کی دیکھو، اس کی تکلیفوں کا ازالہ یا کم سے کم ان میں تخفیف اور لطیف و شیریں انداز گفتگو جو دلوں کو چھوٹا ہوا اور مسکرا کر لیتا ہوا، بلاشبہ یہ انسان کی زندگی کا کمزور ترین اور نازک ترین گوشہ ہے۔

یہ اسپتال تعمیر و ترمیم کے اکثر مراحل سے گزر چکا ہے، استاذ محمد عبدالرحمن خلیفہ اور ان کے معاون استاذ مشہور حسن محمود، جو اسپتال کے پلان اور انجن کے جنرل ڈائریکٹر ہیں، اسپتال کے مختلف حصوں میں ہم کو لے گئے، اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا کہ کس طرح یہ منصوبہ کامیاب ہوا، اور کس طرح ماہر فن معماروں اور عالمی شہرت کے مالک اطباء کی خدمات حاصل کی گئیں، اسپتال جدید ترین طرز پر تعمیر کیا جا رہا ہے، ترقی یافتہ ترین ساز و سامان فراہم کئے جا رہے ہیں، اسی سے ملحق ایک بڑی مسجد، کلچرل سنٹر، بکپوس کے نئے ہال، اسلامی لائبریری، نرسوں کے لئے کوارٹر اور نرسوں اور قابلات کی تربیت کا سینٹر بھی ہوگا

اس سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے اردن یونیورسٹی کی مسجد دیکھی جو اگرچہ اچھی تعمیر
تکمیل کے مرحلہ میں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد شاندار اور اس اہم مرکز کے شانِ شان
ہوگی جس میں اثر قبول کرنے کی بہت صلاحیت ہے، عمان کے ادارہ اوقاف بھی گئے اور
اہم ذمہ داروں کے ساتھ کچھ وقت گزارا، مکتبۃ المسجد الاقصیٰ دیکھا، اس دورہ میں جن بڑے
مکتبوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے ایک یہ بھی ہے، اسلامی کتابوں سے بھرا ہوا ہے،
ہماری اکثر تصنیفات جو بیروت و قاہرہ میں شائع ہوئی ہیں، اس کتب خانہ میں موجود تھیں۔
اسی طرح مسجد احمد قارہ کی زیارت کی جو دارالحکومت کی مرکزی مسجدوں میں
شمار ہوتی ہے، نماز کے پانچوں اوقات میں اس ایک مسجد سے اذان نشر کی جاتی ہے یہ خیال
ہے جو کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا، یہ اقدام بحث و تنقید کی بڑی گنجائش رکھتا ہے، کیونکہ
اگر اتفاق سے کسی وقت اس مسجد کا مالک بیکار ہو جائے، یا مؤذن سو جائے تو سارے شہر کے
لوگ اذان سے محروم رہ جائیں گے، مزید برآں اذان کی جو فضیلت ہے، اور اذان دینے پر
عند اللہ جو ثواب ہے اس سے شہر کی باقی مسجدیں محروم ہو جاتی ہیں، اس مسجد کے مختلف حصوں
کو دیکھا، اس کی لائبریری بھی دیکھی، جو جدید طرز پر مرتب کی گئی ہے، عمارت کی دلکشی اور
نظم و نسق کی خوش سلیقگی سے مسرت ہوئی۔

یتیم خانہ کے منصوبہ کے لئے جو زمین تجویز کی گئی ہے، وہ بھی دیکھی اسی کے پاس
قصبات اور دیہاتوں سے آنے والے حاجیوں کے استقبال اور ٹھہرنے کا مرکز بھی ہے۔

فلسطینی پناہ گزنیوں پر ایک نظر

راستہ میں ایک فلسطینی کیمپ سے گزر رہا، ہم نے دیکھا کہ فلسطینی بچے کبے آبار و اجڈ

کا اسلامی فتوحات اور دعوت اسلامی کی تاریخ میں نمایاں کردار رہا ہے، اخلاص اور بد حالی کا شکار ہیں، ان کی حالت کو دیکھ کر گلیجہ منہ کو آتا ہے، اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، ہر مہینہ شری "شلمز" کا مرکز دیکھا جو دفاتر، فرسٹ ایڈ غذا کی سپلائی اور تعلیم و تربیت کے مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، ہم نے کہا: اب بھڑیوں اور بھڑیوں کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہے، دونوں کو قسمت کے حوالہ کر دیا گیا ہے، بھلا بھوک، لاغر اور مسکین بھڑیں، اس طاقتور، فربہ اور خوں آشام بھڑیے کے سامنے کیسے زندہ رہ سکتی ہیں، جبکہ دونوں اپنی اپنی فطرت پر ہیں۔

مرکز اسلامی کے استقبالیہ جلسہ میں

شام کو مرکز اسلامی کی فلاحی انجمن دیکھنے گئے، جو درحقیقت انخوان المسلمین اور ان کے بچے کچھ داعیوں کی سرگرمیوں کا مرکز ہے، اس کے نگراں ہمارے دیرینہ دوست اردن کے مجاہد لیڈر استاد محمد عبدالرحمن خلیفہ ہیں، اس صدی کی پانچویں دہائی میں دعوت اسلامی کے جن اہم کارکنوں سے ہمارا تعارف ہوا، ان میں ایک استاد خلیفہ بھی ہیں، ہماری ان سے پہلی ملاقات دمشق میں ۱۹۵۷ء میں ہوئی تھی، وہ موثر اسلامی میں شرکت کے لئے دمشق آئے تھے جس کی دعوت ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر سعید رمضان نے دی تھی، وہ ہمارے کو محاذ کی بستیوں اور اردن میں فلسطین پناہ گزینیوں کے کیمپوں میں لے جاتے تھے، پھر وہ ہندوستان بھی ہمارے پاس آئے تھے، ہمارا چھوٹا سا گروں جو دائرہ شاہ علم الشریعہ بریلی کے نام سے معروف ہے، ان کے قدم سے مشرف ہوا، وہ مجھے موثر اسلامی کی شرکت کی دعوت دینے آئے تھے، جو چند ہی دنوں بعد عمان میں منعقد ہونے والی تھی، اس مرتبہ انھوں نے ہمارے اعزاز میں پہلی کی اور انجمن کے مرکز میں ایک اعزازی اور تعارفی جلسہ

منعقد کیا جس میں وزیر اوقاف ڈاکٹر اسحاق فرحان، سید کامل الشریف، علماء، علماء شیعہ تعلیم یافتہ طبقہ اور دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کی ایک معتد بہ تعداد نے شرکت کی، سب سے پہلے استاذ محمد عبدالرحمن خلیفہ نے ایک پر جوش تقریر کی جس میں وفد کو خوش آمدید کہا، اور حاضرین سے وفد کے ارکان کا تعارف کرایا، وفد کے بعض ارکان سے اپنے دیرینہ روابط کا ذکر کیا، اور اس شہر کا جو مقام اور عالم اسلامی اور عالم عربی میں اسکی جونا زک حیثیت ہے اس کی وضاحت کی۔

ایک سرحدی اور برسر پیکار اسلامی ملک کی ذمہ داری

استاد خلیفہ کے بعد میں کھڑا ہوا اور میں نے ایک تقریر کی جس کی روح اور خلاصہ حسب ذیل ہے۔

”الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد! میں استاذ محمد عبدالرحمن خلیفہ کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور یہ میرے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایک بھائی کے دوسرے بھائی، اور ایک دوست کے دوسرے دوست کے..... بارے میں، اظہار خیال سے جن میں جذبات و احساسات کی ہم آہنگی ہے، جو ہم عقیدہ اور ہم خیال ہیں، جو ہم نوا اور ہم آواز ہیں، خاص طور پر میں اس لئے اپنے فاضل دوست کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے اہل فکر و اہل دعوت کی اس منتخب اور نمائندہ جماعت سے تعارف، اور بنیادِ خیال کا موقع فراہم کیا، یہی اس طویل سفر کا حاصل، اور اس کی حقیقی قدر و قیمت ہے،

ہم نے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی سیر کے لئے یہ سفر نہیں کیا ہے، بلکہ ہماری
سفر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کریں، ان سے گفتگو اور
بتاؤں اور خیال کریں۔

دوستو! اپنے عرب بھائیوں سے جو اس ملک میں رہتے ہیں، توقع تو یہ تھی کہ
وہ اسلام کی روشنی کو دور دراز ملکوں تک پہنچائیں گے، اور بلاشبہ انھوں نے
عہد اول میں اپنا فرض ادا کیا، اور ہم برصغیر کے باشندے ان کے مرمون منت
ہیں، کیونکہ انھیں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام کی نعمت سے بہرہ مند
فرمایا، آپ کا ملک ہمیشہ دعوت اسلام کا مرکز اور سرچشمہ رہا ہے، اور اس ملک
کی تاریخ نے، جو فتوحات کی تاریخ ہے، جہد و جہاد کی تاریخ ہے، اسلامی
شجاعت و بہادری کی تاریخ ہے، ہم کو ہمیشہ ایمان و یقین، اسلام پر فخر و اعتنا
اسلام پر وقتاً فوقتاً ہونے والے علموں، اور اسلام دشمن تحریکوں کا مقابلہ کرنے
کی طاقت، اور اس راہ میں ثابت قدمی، بلکہ مصائب و حوادث پر صبر کرنے کا
حوصلہ بخشا ہے، ہماری مصیبتوں میں اس تاریخ نے ہمارے لئے سامان تسلی فراہم
کیا ہے، چنانچہ فتوح الشام "وہ تنہا تاریخ ہے جس میں مسلمان نازک گھڑیوں
میں پناہ لیتے تھے، اور اس سے ایمان، حوصلہ، اور مصائب و حوادث کے لئے
مقاومت کی طاقت حاصل کرتے تھے، مجھے اپنے بچپن کا زمانہ اب تک
یاد ہے، جب ہمارے خاندان کی خواتین اکٹھا ہوتی تھیں، اور ان میں سے
ایک اردو میں "فتوح الشام" کا منظوم ترجمہ سناتیں، یہ عظیم اسلامی رزمیہ
جس کو فتوح الشام سے نقل کر کے ہمارے خاندان کے ایک بزرگ

(مید عبدالرزاق کلانی) نے اردو نظم کا جامہ پہنایا تھا، ۲۸ ہزار اشعار پر مشتمل تھا ہم ان مجلسوں میں کسی ضرورت سے داخل ہوتے، اور آپ کو معلوم ہے، بچوں کی ضرورتیں کتنی اور کیسی کیسی ہوتی ہیں۔ اور اپنی ماؤں اور بہنوں کے پاس جاتے تو دیکھتے کہ آنکھیں اشکبار، اور آنسو رواں ہیں، اور ان صاحبہ پاک نفس و پاکباز خواتین کے سروں پر ایمان و سکینت کا بادل منڈلا رہا ہے وہ ان جگہوں کے واقعات و حالات سنتی ہیں جن میں صحابہ اور تابعین شریک ہوتے تھے، کثرت سے شہید اور زخمی ہوتے تھے، سرکٹ کٹ کر گرتے اور خون کی ندی بہہ جاتی تھی، اور مسلمانوں کے قریب ترین و محبوب ترین امراء و اقا رب ان سے جدا ہو جاتے تھے، تو وہ ان عام اسلامی واقعات کے سامنے اپنی مصیبتیں بھول جاتی تھیں، اور ان کے دلوں میں مذہبی ہوش، دیدار الہی کا شوق، اور مصائب کو بھیلنے کے جذبات موجزن ہو جاتے تھے اسی طرح مرگیدہ نذیبہ پڑھتے اور بہت ذوق و شوق سے سنتے تھے، اور ان کی رگوں میں شجاعت، ایمان، اور شوق شہادت کی بجلی دوڑ جاتی تھی، اس وقت کے اکثر مشرف مسلم گھرانوں اور خاندانوں میں اس کا رواج تھا۔ میں کہہ رہا تھا کہ ان تجربوں کی روشنی میں، اور اس قابل فخر، اور روشن و تابناک تاریخ میں توقع اور امید تو یہ تھی کہ اس ملک میں — جہاں سے محمد مصطفیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے مبلغین کا رواں درکار رواں منکھلے تھے — ہمارے

اس منظم ترجمہ کا نام ”مصاص الاسلام“ ہے، اور وہ انھیں کی زندگی میں مطبع نوکشور لکھنؤ سے چھپ کر مقبول ہو چکی تھی۔

عرب بھائی اٹھ کھڑے ہوتے اور اس عالمگیر پیغام کو ان گوشوں تک پہنچاتے جو اسلام سے بے بہرہ ہیں، اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے، لیکن رنج و افسوس کا مقام ہے، اور زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ آج آپ نے درخواست کی جا رہی ہے کہ آپ مسرزمین کا تحفظ کریں گے، جو اسلام کی پونجی اور راس المال ہے، سارا عالم اسلامی اسی اسلامی مرکز کی توسیع اور اس اصل کا سایہ ہے، آپ متن ہیں، ہم اور سارے مسلمان اس کا حاشیہ ہیں، ہم آپ سے طاقت، اعتماد، فخر اور عزت حاصل کرتے ہیں، ہرزوہ کمزوری جو یہاں ہوتی ہے، عالم اسلامی کے شہروں اور دارالحکومتوں میں، محکم اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اگر آپ کسی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے ہیں تو دہلی، کراچی، جا کارتا اور دوسرے شہروں میں مسلمانوں کے سر جھک جاتے ہیں۔

حضرات! آپ سب کو معلوم ہے کہ اسلامی فتوحات سے پہلے یہ علاقہ بازنطینی سلطنت کی قلمرو میں تھا، عیسائیت اس علاقہ کا سرکاری اور عام مذہب تھی، یہ بازنطینی سلطنت کا محبوب ترین، اور زرخیز ترین علاقہ تھا، اس میں ان کے مقدس مقامات، حضرت مسیح کی جائے پیدائش، اور یروشلم تھا، بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا اقتضا ہوا کہ یہاں اسلام کا بول بالا ہو، اور یہ علاقہ مسلمانوں کی سرپرستی اور نگرانی میں داخل ہو، چنانچہ عربوں نے اس کو فتح کیا اور اس میں اسلام کو پھیلایا، اور ان کی زبان و تہذیب کو فروغ ملا، اور وہ ایک اسلامی اور عربی ملک ہو گیا، قدرتی بات تھی کہ عیسائی یورپ اس سے دل چسپی لے، چنانچہ میرا خیال ہے کہ یورپ کی بڑی طاقتوں کا اس علاقے سے دلچسپی لینا کوئی عارضی چیز

اور ان کی تاریخ اور ذہن کی کوئی نئی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ہمیشہ اس علاقہ کی جانب ہلچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی ہیں کسی لمحہ بھی ان کا ذہن اس سے خالی نہیں رہا ہے، متعدد بار اس علاقہ کی بازیابی اور اس پر تسلط حاصل کرنے کی کوششیں بھی ہوتی رہی ہیں، صلیبی جنگیں جن سے آپ سب لوگ واقف ہیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی، اس مقصد کے حصول کے لئے یورپ اپنے تمام وسائل و ذرائع استعمال کرتا رہا ہے، لیکن اس کی تمام کوششیں رائیگاں اور بے سود ثابت ہوئیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو اس ملک پر حکمرانی کرنے اور اس کا تحفظ کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا، وہ طاقتور امانت دار اور وفادار تھے، اور ہر سوسے بازی، دست برداری، سپراندازی اور ہر قسم کے وفائی اور غداری سے دور اور بالاتر تھے، مثال کے طور پر میں صلاح الدین ایوبی کا ذکر کرتا ہوں جس نے صلیبیوں کو شکست فاش دی، اور مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا مقام عطا کیا، اس ملک کے مسلمان حکمران اور لیڈر۔۔۔ اپنی کمزوریوں اور رجحانات کے اختلاف کے باوجود۔۔۔ اس ملک کے تقدس اور وقار کے باب میں وفادار اور امین تھے، اور میں تو کہتا ہوں کہ عثمانی ترک حکمران بھی ان اسلامی مقدس مقامات کے سلسلے میں بہت غیور تھے، چنانچہ پوری پانچ صدیوں تک انھوں نے اس ملک کی حفاظت کی، میرا ان کوئی رشتہ نہیں ہے، نہ نسب کا، نہ قومیت و طینت کا، اور نہ زبان و تہذیب کا، لیکن حق کی شہادت، تاریخ کے ساتھ انصاف، اور اعتراف حقیقت کا جذبہ یہ کہنے پر مجھے مجبور کرتا ہے، چنانچہ دشمنوں کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں، اس پر تاریخی شواہد موجود ہیں کہ یہودی کافر فرس کا صدر ڈاکٹر ہرٹزل نے

جسے بہت سے لوگ صیہونیت کا پیغمبر کہتے ہیں، سلطان عبد الحمید خاں سے ملاقات کی، اور درخواست کی کہ وہ عثمانی سلطنت کے زیر سایہ یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن قائم کرنے کی اجازت دے دیں، اس کے عوض اس نے عثمانی حکومت کے قرضوں کی ادائیگی (یہ قرضے بہت تھے) اور حکومت کے لئے ایک بحری بیڑہ — جس کے اخراجات یہود برداشت کریں گے — تیار کرنے کا وعدہ کیا، اسی کے ساتھ ساتھ عثمانی حکومت کے استحکام اور ترقی کے لئے مالی تعاون کی پیشکش کی، اس کے علاوہ وہ ذات ہمالیونی یعنی سلطان عبد الحمید خاں کی خدمت میں جو قیمتی تحائف پیش کریں گے وہ مزید برآں، سلطان عبد الحمید خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب باتوں کے جواب میں کہا: یہ دولت اپنے ہی پاس رکھو تمہارے کام آئے گی، میرے نزدیک تو دنیا کے سارے یہودیوں کی دولت بیت المقدس کی ٹھنی بھر مٹی کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ یہودیوں نے سلطان عبد الحمید خاں کا تختہ الٹ دیا، اور ان پر جیل میں طرح طرح کے مظالم ڈھائے، عثمانی سلطنت اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود اسلامی طاقت کا عظیم اور عظیم قلعہ تھی جس سے اغیار خوف کھاتے تھے، وہ اس لکڑی کی مانند تھی جسے کسان اپنے کھیت میں کھرا کر تلہے، اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا ہے، تو پڑیا سمجھتی ہے کہ کوئی آدمی کھرا ہے، یا کوئی ڈراونی شکل موجود ہے، اور کھیت سے قریب نہیں ہوتی، مگر جب یہ لکڑی گر جاتی ہے، یا کوئی سیانہ کو اس سمجھ جاتا ہے کہ یہ لکڑی ہے

لہٰذا یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلطان عبد الحمید خاں کی معزولی یہودیوں کے اشارے اور سازش سے عمل میں آئی، ان کے پاس معزولی کا فرمان لے کر جو گیا وہ بھی ایک یہودی تھا۔

یا اسے زمین پر پڑی ہوئی دیکھتا ہے، تو چڑیاں اس کھیت پر پل پڑتی ہیں اور فصل کو تباہ کر دیتی ہیں، یہی اس ملک کا قصہ ہے جس پر عثمانی سلطنت حکومت کرتی تھی، دشمن اس سے ڈرتے تھے، اور قریب آنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، لیکن جب یہ قلعہ مسمار ہو گیا، اور یہ ڈراؤنی لکڑی گر گئی، تو اس پر پل پڑے اور اس کی تنکا بولی کر دی۔

عثمانی سلطنت کے زوال اور پہلی جنگ عظیم کے بعد اس ملک میں جن لیڈروں سے یورپ کو سابقہ پیش آیا، وہ مادہ پرستی اور مغربی تہذیب سے غیر معمولی حد تک متاثر تھے، جدید مغربی نظام تعلیم کے مہلک اثرات نے ان کو اس طرح کھوکھلا کر دیا تھا، جس طرح دیکھ لکڑی کو کھوکھلا کر دیتی ہے، یہ لیڈر بے ضمیر، وعدہ شکن، غیرت دینی سے محروم، اور سچی وطن دوستی، اور وفاداری سے عاری تھے، یورپ نے یہ دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا، اور اسے یقین ہو گیا کہ ضمیر کی سودے بازی، اور اس علاقہ پر تسلط حاصل کرنے کا وقت آگیا ہے، وہ علاقہ جو اسے ہر دور میں محبوب رہا ہے، چنانچہ ہمارے لیڈروں نے ایسی مادہ پرستی اور ضمیر فروشگی کا ثبوت دیا جس کی نظیر مٹنی مشکل ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی ناپائیداری کے باب میں ان کا زاویہ نگاہ یکسر بدل چکا تھا، ارشاد الہی:-

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا	اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل
الَّذِينَ هُمْ وَلِلَّهِ الدَّارُ	اور تماشا ہے، اور (ہیشکی) زندگی
الْآخِرَةُ ۚ هِيَ الْمَحْشُورُ	(کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے،

لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ (النکوت ۶۴) کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔

اعْلَمُوا أَنَّهَا نِجَاةُ الدُّنْيَا
لِحُبِّ وَلَهُمْ وَرِثَةٌ وَتَفَاحُشُ
بَيْنَكُمْ وَتَكَثُرُ فِي الْأَمْوَالِ
وَالْأَوْلَادِ «كُنْتَ حَيْثُ أُحِبُّ
الْكَفَّارِ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهْجِجُ فَتَرَاهُ
مُصْنَعًا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا
وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ»

ہے، اور پھر وہ خوب زور پڑاتی ہے (احمدیہ - ۲۰)

پھر اسے دیکھنے والے تو اس کو دیکھتا
ہے کہ یک کر زرد پڑ جاتی ہے، پھر
چوراہہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں
کافروں کے لئے عذاب شدید ہے۔

اور ارشاد نبوی:-

اللهم لا عيش ولا عيش
الآخرة۔ لے آخرت کی زندگی کے سوا
کوئی زندگی نہیں۔

خدا پر سے لوگوں کا یقین اٹھ گیا، اور دنیاوی عزت، اور جاہ و منصب کے
حصول کے لئے اس طرح تنگ و دو کرنے لگے، جیسے یہی چیزیں زندگی کا حقیقی
نصب العین ہوں، اقتدار کی راہ میں اصول و اقدار، عزت و ناموس،

اخلاق و دروہایات ہر چیز کو بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار ہو گئے۔

دوستو! اولین معرکہ میدان جنگ سے پہلے انسان کے دل و ضمیر میں برپا ہوتا ہے، اور جب انسان دل و ضمیر کے داخلی معرکہ میں فتح یاب ہو جاتا ہے، تو خارجی معرکوں میں اس کی کامیابی اور فتح یقینی اور لازمی بن جاتی ہے، ضمیر کا معرکہ جنگی معرکوں سے پیشتر اور بیشتر دوسرے لفظوں میں مقدم اور زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ہم ضمیر کے معرکہ میں شکست کھا چکے ہیں، ہمارے دل و ضمیر بکاؤال سامان خرید و فروخت بن چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دشمن کے ناپاک اور تو مسیح پسندانہ عزائم کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی، اور ہر اجنبی کے لئے راہ ہموار ہو گئی، جب دشمن کا تسلط ان ملکوں پر ہو جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہے خرد برو کرتا ہے۔ اپنے تمام عزائم اور منصوبوں کو تکمیل کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے، اور ملک اس کے سامنے لے بس اور مجبور ہوتا ہے، وہ تو پتا ہے، مگر دشمن کا ہاتھ کپڑہ نہیں سکتا، اس کا سبب یہ ہے کہ قوم کے ساتھ بے وفائی، اور وطن کے ساتھ غداری سے روکنے والی چیزیں دو ہی ہو سکتی ہیں، پہلی چیز طاقتور عقیدہ ہے، اور یقیناً عقیدہ ہی سب سے قابل اعتماد اور مضبوط ترین شے ہے، دوسری چیز سچی حب الوطنی ہے، جس نے مغربی، اور بعض مشرقی قوتوں کے لیڈروں کو اس شرم ناک جرم کے از نکاب سے محفوظ رکھا، لیکن ہمارے سربراہوں اور لیڈروں کے لئے کون سا جذبہ مانع ہو سکتا ہے، جن کے پاس نہ عقیدہ ہے، اور نہ سچی حب الوطنی، یہی وجہ ہے کہ اکثر ہم سنے ہیں کہ فلاں رہنما اور پارٹی لیڈر نے عرب اسلامی وطن کے بعض اہم اور جنگی علاقے دشمن کو

فروخت کر دیئے، یا فلاں لیڈر دشمن کا آلہ کار اور ایجنٹ ہے، اور بسا اوقات ایسا نظر آتا ہے کہ اسکو خود دشمن سے زیادہ اس کے مفادات سے دل چسپی ہے گویا مدد سست گواہ چست کا معاملہ ہے۔

حضرات! آپ اسلام کے نازک ترین محاذ، اور مسلمانوں کے آخری قلعہ میں رہتے ہیں، سیلاب شہر کی فصیلوں تک پہنچ چکا ہے، اگر سیلاب فصیلوں کو پار کر گیا، تو کوئی بند اس کو روک نہیں سکے گا، آپ آخری دفاعی لائن پر تعینات ہیں، اگر یہ لائن دشمن نے پار کر لی تو سارا عالم اسلامی اس کے پیروں تلے ہوگا، سامنے مسلمانوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں آپ ہی ان کی سر بلندی و سرخروئی کا حشریہ اور ای کی طاقت و عزت کا بیرونی مظہر ہیں، میں نہیں کہتا کہ آپ اپنے در اپنے ملک کی عزت و سر بلندی کے بارے میں ناخداستے بیٹے ہیں تو آپ سے یہ مسئلہ مل گیا آپ خدا سے ڈریے مسلمانوں کی عزت و ناموس اور اسلام کی سر بلندی و سرخروئی کے بارے میں خدا سے ڈریئے ان علم توہم کے بارے میں جو آپ کو اولین مسلمانوں اور اسلام کے اولین علمبرداروں کا نمونہ سمجھتی ہیں خدا سے ڈریئے ان حصوم و روجوں کے بارے میں جنھوں نے ابھی عالم اجسام میں تھم نہیں دکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گی، اور آپ کی منون ہوں گی، اگر آپ نے ان کی مقدس اور قابل احترام چیزوں کی حفاظت کی، اور انھیں ایک تابناک ماضی عطا کیا جو ان کے لئے باعث افتخار ہو، جس پر وہ ناز کر سکیں، ورنہ بارگاہ خداوندی میں فریاد کریں گی، کہ آپ نے ان کے مقامات مقدسہ کو کھودیا، ان کے ماضی کو داغدار کر دیا، اور ان کے لئے ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔

اس اجتماع اور اس مبارک موقعہ نے میرے دل میں غمنوں کا ایک طوفان

برپا کر دیا ہے، میرے زخموں کو تازہ کر دیا ہے، کیونکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مسئلہ کو ایک مسئلہ سمجھتا ہوں، میں پورے عالم اسلام کو ایک ملک سمجھتا ہوں میرے نزدیک مسلمانوں کو پیش آنے والا ہر حادثہ، اور عالم اسلامی کی ایک نچ زمین پر بھی دشمن کا قبضہ دردناک المیہ ہے، مجھے ہر جگہ مسئلہ فلسطین نظر آتا ہے اور جہاں بھی جاتا ہوں، باچشم نم کھڑا عربی شاعر متمم بن نویرہ کے اشعار پڑھنے لگتا ہوں۔

لقد لامني عند القبور على البكا
رفيقي لتذرا فالدموع السوافدا
وقال ابكي كل قبر راء بينه
لقبر ثوى بين اللوى والدكلا
فقلت له ان الشجا يبعث الشجا
فدعني فهد اكله قبر مالكا
ترجمہ :- قبروں کے پاس یل انک بہانے پر میرے رفیق سفر نے مجھے ملامت کی۔
اور اس نے کہا، کیا تم صرف اس قبر کی وجہ سے جو لوی اور دکا دک کے درمیان واقع ہے، جس قبر کو بھی دیکھتے ہو اسو بہانے لگتے ہو۔
تو میں نے کہا ایک غم دوسرے غم کو تازہ کر دیتا ہے، میرے لئے یہ تمام
قبریں مالک ہی کی ہیں؟

میری تقریر کے بعد استاد یوسف العظم کھڑے ہوئے، اور وفد کا استقبال کرتے ہوئے ایک مؤثر تقریر کی، اور مسلمانوں کو خصوصاً اس ملک کے مسلمانوں کو جس کر دی آزمائش صبر آزا اور ہمت شکن حالات کا سامنا ہے، اور جس ذہنی و نفسیاتی کشمکش سے وہ دوچار ہیں اس پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالی۔

اے ملک شاعر کا بھائی تھا، جو جنگ ارتداد میں مقتول ہوا تھا، انتم ساری عمر اس کو روتا رہا۔

مہوتمرا سلامی کے مرکز میں

شام کو، بجے موتمرا سلامی کے دفتر گئے جس کے صدر استاذ کامل الشریف ہیں، وہاں موتمر کے ممبران اور متعلقین سے تعارف ہوا۔

وزیر اوقاف کی جانب سے عشائیہ

وزیر اوقاف نے مہمان وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا، جس میں شہر کے سربراہ اور وہ حضرات اور فضلا، بڑی تعداد میں شریک تھے، انھیں میں ہمارے پرانے دوست بزرگ، برگزیدہ عالم شیخ مصطفیٰ احمد زرقا بھی تھے، جو آج کل عمان میں کلیۃ الشریعہ میں استاذ ہیں اور اسلامی شہری قانون ترتیب دے رہے ہیں، امید ہے کہ یہ قانون ملک میں نافذ کیا جائے گا۔

ملاقاتیں

جمعرات کے روز ۱۶ اگست ۱۹۷۳ء کو متعدد علماء اور تعلیم یافتہ حضرات نے اپنی ملاقات سے نوازا مثلاً رابطۃ العلوم الاسلامیہ کے صدر استاذ تیسیر ظہیان، سعودیہ میں اردن کے سفیر شیخ محمد امین الشنقیطی اور کردی مجاہد شیخ امین بروسک، شیخ امین بروسک سے ہماری پہلی ملاقات ۱۹۵۱ء میں ہوئی تھی، ہم کو ان کا ایک شعر بھی یاد تھا، جو انھوں نے اس وقت کے ایرانی وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق کے پاس تار میں لکھا تھا، جنھوں نے ایران میں اپنے جرات مندانہ اقدامات کے ذریعہ خصوصاً پٹرول کو قومیا کر ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

لَقِفْتَ عَصَاكَ عَصِيَّهُمْ فَتَصَامِحُوا

لا مَحْرَبَ بَعْدَ الْيَوْمِ اَنْتَ مُصَدِّقٌ

ترجمہ :- تمہاری لاشیں ان کی لاشیوں کو نگل گئی، اور وہ چیخ پڑے، اب کوئی

جادوچل نہیں سکتا، بلاشبہ تم اسم باسمیٰ مصدق [ؑ] ہو۔

وفد جب تک عمان میں مقیم رہا شیخ امین بروسک برابر ملاقات کے لئے آتے رہتے

اور ان کے اشعار جہاد کے واقعات اور ان کی دلچسپ گفتگو سے لطف اندوز ہونے کا

موقع ملتا رہتا۔

سلط میں تقریر

آج سلط میں راقم سطور کی تقریر کا پروگرام تھا، چنانچہ عصر کے وقت ۴ بجے

ہم سلط روانہ ہو گئے، پہاڑوں اور وادیوں کے مناظر بیچ و خم کھاتے ہوئے راستوں کو

دیکھ کر ان عرب فاتحین کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا اندازہ ہو رہا تھا، جنہوں نے

ان تمام مشکلات کے باوجود اس ملک کو فتح کیا، اور اسلام سے روشناس کیا، مجھے خیال

ہوا کہ آج کی گفتگو ان اولین عرب مسلمانوں پر ہونی چاہیے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت

عطا کی جس نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی، ان کو ایک نئی زندگی سے ہم کن رکھا،

اور ساری دنیا سے الگ تھلک جس محدود ماحول اور جس تنگ و تنگ قفس میں وہ زندگی گزار

رہے تھے، اسے نکال کر اسلام نے ان کو کھلی فضا اور وسیع تر زندگی سے آشنا کیا، میں نے

جاہلیت اور اسلام کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے عربوں اور سارے عالم کی نشاۃ ثانیہ

لے یعنی تم واجب تصدیق ہو۔

کے سلسلہ میں اسلام کے ناقابل فراموش احسانِ عظیم پر تفصیل سے روشنی ڈالی، تقریریں خاصاً مجمع تھا، جلسہ گاہ حاضرین سے کچھ کچھ بھری ہوئی تھی، تقریر کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

استاذِ کامل الشریف کے دولت کدہ پر

سفیر محترم سید کامل الشریف نے وفد کے اعزاز میں اپنے دولت کدہ پر عشاءِ دیا

عمان سے اربد

۱۷ اگست ۱۹۷۷ء جمعہ کا روز اربد کے دورہ کے لئے مقرر تھا، اربد عمان کے بعد اردن کا وہ مرکزی شہر سمجھا جاتا ہے جس پر اسلامی چھاپ ہے، اور اپنی دینی غیرت اور اسلامی جذبات کے لئے مشہور ہے، یہ شہر اردن کی شمالی سرحدوں پر واقع ہے، اربد کا سفر بہت تاریخی اور دلچسپ رہا، مختلف تاریخی آثار و مقامات اور یہاں کی قدیم تہذیب کے نشانات دیکھنے کا موقع ملا، عمان سے چلے تو بقیع نامی ایک میدان سے گزر ہوا، جہاں فلسطینی پناہ گزینوں کا ایک کیمپ نظر آیا، جو چند ٹوٹے پھوٹے گھروں پر مشتمل تھا، کچھ گھرائینٹ کی پتلی دیواروں سے بنائے گئے تھے، اور کچھ سیمنٹ کی پلٹیوں سے بستی میں بازار اور دوکانیں بھی تھیں، افلاس اور بد حالی کا تاریک سایہ ہر طرف اپنے پر پھیلائے ہوئے تھا، بستی کے قریب بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مشن اسکول تھا۔

بقعہ کے بعد جرش میں ٹھہرے، جرش کا شمار قدیم رومی کھنڈرات میں ہوتا ہے جو زبان حال سے رومیوں کی ترقی یافتہ تہذیب اور تمدنی عروج و صناعی کی شہادت

دے رہے ہیں، یہ باقی ماندہ آثار ان کے ورزشی اور مردانہ کھیلوں سے غیر معمولی پچھی کا بھی پتہ دیتے ہیں، جو (یورپ کی تاریخ تہذیب و اخلاق کے بیان کے مطابق) سنگدلی، بربریت اور ایدارسانی سے لطف اندوز ہونے کی حد تک پہنچ گئی تھی، اس وقت کے ایک اسٹیڈیم کے واضح نشانات بھی بچتے نشست گاہوں اور بلند ستونوں کی شکل میں موجود ہیں، شہر سے اسٹیڈیم تک پختہ سڑکیں ہیں، جو ڈسپلن اور فن تعمیر کے عمدہ ذوق کا پتہ دیتی ہیں۔

جرش کے بعد ایک دوسرا علاقہ آیا، اس میں "سوف" نامی فلسطینی سپاہ گزنیوں کا ایک کیمپ ہے، اردب پہنچنے سے پہلے ایک اور کیمپ سے بھی گزر رہا جو "مخبات الحسن" کے نام سے مشہور ہے۔

شمالی سرحدوں پر — تاثرات

اردب کو ایک طرف چھوڑ کر ہم نے شمالی سرحدوں کی سمت اپنا سفر جاری رکھا، آخر کار پہاڑی علاقہ میں پہنچے اور ام القیس نامی بستی میں ٹھہرے، گولان کی پہاڑیاں — جن کا نام محل وقوع کی جنگی اہمیت کی بنا پر جنگ کے دنوں میں ساری دنیا میں گونج رہا تھا — ہمارے سامنے کھڑی تھیں، ہمارے اور ان کے درمیان ایک گہری وادی تھی جس میں دریائے یرموک سانپ کی طرح مڑتا، پھٹتا اور بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا۔ حافظہ کے پرچے پر یرموک کا واقعہ ابھر آیا، اور پھر یادیں تازہ ہو گئیں، اور زخم ہرے ہو گئے اور اندلسی شاعر صالح بن شریف الرندی کے یہ اشعار ہماری زبان پر تھے۔

حتی المہاریب تنکی وہی جامدة حتی المنا برتنی وہی عیدان

محرابیں بھی آہ و بکا کر رہی ہیں، حالانکہ وہ جامد ہیں، منبر بھی مرثیہ خواں ہیں، حالانکہ وہ بے جان لکڑیوں کے سوا کچھ نہیں۔

اس طرح کا منظر دیکھ کر دل گھٹنے لگتا ہے بشرطیکہ دل میں ایمان و یقین کی چٹکائی

موجود ہو۔

مثل هذا یذوب القلب من مکد

إن کان فی القلب اسلام وایمان

اس وادی میں دو آب و بستیاں موجود ہیں، ایک دریا کے جنوب میں دوسری شمال میں، دریا کے شمالی جانب اور گولان کی پہاڑیوں سے دوزنک کا علاقہ شام کے قبضہ میں تھا، اور جنوبی حصہ پر اردن کی حکمرانی تھی، جواب بھی باقی ہے، مگر سترہ کی جنگ میں شمالی علاقہ شام کے ہاتھ سے جاتا رہا، اور گولان پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

گولان کی پہاڑیوں کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد حقیقت کا جتنا صحیح علم اور صورت حال کا جتنا صحیح اندازہ ہوا وہ پچاس کتابیں پڑھنے کے بعد بھی نہیں ہو سکتا تھا ان قدرتی انتظامات و تحفظات کو دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو دشمنوں سے بالکل محفوظ کر دیا ہے، یہ پہاڑیاں صرف پہاڑیاں نہیں ہیں بلکہ نہایت مضبوط قلعے ہیں، جن کو فتح کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، اس ملک کی جانب جس پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں کوئی دشمن اسی وقت آنکھ اٹھانے کی جرأت کر سکتا ہے، جب اس کے باشندے اس عظیم احسان کو فراموش کر جائیں، جو ان قدرتی فصیلوں اور قلعوں کی شکل میں نظر آتا ہے، اس زرخیز سرزمین کی ناقدری کرنے لگیں جو ان کے لئے دودھ اور شہد کی نہریں بہا رہی ہے اور جس نے اسلامی دعوت،

اسلامی فتوحات اور اسلامی تہذیب کے میدانوں میں نمایاں تعمیری کردار ادا کیا ہے، اور وہ اپنی عزت و ناموس کے تحفظ سے بالکل غافل اور بے پروا ہو جائیں، گولان کی پہاڑیاں ایسا قلعہ ہیں، جو دیا تو جاسکتا ہے، مگر یا نہیں جاسکتا، ملک کے ساتھ غداری کر کے کسی کے حوالہ.... تو کیا جاسکتا ہے، مگر زبردستی اس کو چھینا نہیں جاسکتا، آج یہ قلعہ اسرائیل کے قبضہ میں ہے، اور اس کی توپیں کسی وقت بھی ایک طرف اربد پر اور دوسری طرف دمشق پر آسانی سے گولہ باری کر سکتی ہیں۔

گولان کے شمال میں بحیرہ طبریہ ہے جس کے ساحل پر طبریہ نامی اسرائیلی شہر آباد ہے، یہ شہرام القیس کے ٹیلوں پر کھڑے ہونے سے صاف نظر آتا ہے، اور اردنی علاقہ میں واقع نہر یرموک کے ساحل سے وہ شامی علاقہ بھی دیکھا جاسکتا ہے جس پر اسرائیل کا قبضہ ہے، اور جو وہاں سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، شام کی مشہور سیٹی "حمۃ" اس علاقہ میں ہے جس کے مکانات سنان اور مسجدیں ویران ہو چکی ہیں، اسرائیلی حکومت نے اس علاقہ میں ضرورت کے مطابق کئی سڑکیں بنادی ہیں۔

اس دورے سے ہم سب نہایت افسردہ، غمگین اور شکستہ خاطر واپس آئے شہر کی ایک مرکزی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی خطیب نے موثر اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا، پھر شہر کے ایک سربراہ اور وہ شخص کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا اور نماز عصر ادا کرنے کے بعد لکچرس ہال کا رخ کیا، ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا، تعلیم یافتہ خواتین بھی خاصی تعداد میں موجود تھیں، حاضرین نے پرجوش اسلامی نعروں سے ہمارا استقبال کیا، جس سے شہر کے اسلامی مزاج کا پتہ چل رہا تھا۔

اربد میں تقریر اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ ہائے نظر

تقریر کا موضوع تھا، اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ ہائے نظر، تقریر میں اسلام کے مقام، کردار اور اس کے مستقبل کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف حلقوں میں جو مختلف زاویہ نظر پائے جاتے ہیں، ان کا جائزہ لیا گیا تھا، مثلاً بعض لوگوں کے نزدیک اس سائنٹفک اور ایٹمی دور میں اسلام اور اسلامی نظام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، ان میں سب سے ممتاز اور اسلام پسند نقطہ نظر ان حضرات کا ہے جن کا خیال ہے کہ اسلام ایک محدود دنیا اور پس ماندہ دور میں آیا تھا، اور اپنا اصلاحی رول ادا کر چکا، اس نے بہت سی اجتماعی خرابیوں کو دور کیا، خرافات و اوہام کو ختم کر کے بعض قابل قدر اصلاحات بھی کیں، اس دور میں اسلام یقیناً فائدہ سے خالی نہیں تھا، جب نہ سائنس کا وجود تھا نہ تہذیب و تمدن نے اتنی ترقی کی تھی، اور نہ جدید اختراعات سامنے آئی تھیں، ایک طبقہ اپنی رواداری اور اسلام دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یقیناً اسلام نے انسانیت کے ارتقاء میں اہم رول ادا کیا ہے، انسانیت پر اسلام کا بہت احسان ہے، لیکن آج وہ اس خالی غولی بندوق کی طرح ہے، جو اپنا کام کر چکی ہو، اس ایٹمی دور میں جبکہ تمدن، ٹکنالوجی، سائنس، سیاست اور فلسفہ اپنے نقطہ عروج پر ہیں، اسلام کا تجربہ کرنا وقت اور طاقت کے ضیاع کے مراد ہوگا، میں نے اس زاویہ نگاہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: یہ زاویہ نگاہ بالکل غلط اور غیر منصفانہ ہے، جو اسلام کو سمجھتا ہے نہ اس زمانہ کے مزاج اور اس کے ان پیچیدہ مسائل کا شعور رکھتا ہے، جن کا دور حاضر کے مفکرین اور لیڈروں کے پاس کوئی حل نہیں ہے، انسانیت کا بیڑا پار کرنے، اس دور کے مسائل کو حل کرنے اور حالات کو صحیح رخ دینے کے سلسلہ میں

اسلام کیا کر دارا کر سکتا ہے، اس سے یہ طبقہ بالکل نا آشنا ہے۔

میں نے کہا: یہ عجیب بات ہے کہ وہی غیر اسلامی فلسفے اور نظامائے حیات

جن پر موجودہ قوموں کو یقین ہے، اور انھوں نے ان کا تجربہ کیا اور کسی حد تک کامیابی بھی

ہوئی، جب عربوں نے ان فلسفوں اور نظاموں کا تجربہ کیا تو تاریخ شاہد ہے کہ انھیں اس

تجربہ میں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، جب انھوں نے قومیت، اشتراکیت یا کمیونزم کو

اختیار کیا تو حالات سدھرنے کی بجائے اور خراب ہو گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے عربوں کا مستقبل اسلام کے مستقبل سے وابستہ کر دیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان

ایک لازوال اور ناقابل شکست رشتہ قائم کر رکھا ہے، گویا عرب ایک ایسی امت ہیں جس کے

پاس ایک مخصوص پیغام اور متعین نصب العین ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کی امت

اور اس کے تحفظ کے لئے منتخب فرمایا ہے، ان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اسلام

کو چھوڑ کر کسی دوسرے نظام زندگی کو اختیار کریں، ان کی مثال اس محبوب اور لاڈلے

طالب علم کی ہے، جو اپنی غیر معمولی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اساتذہ کا مرکز توجہ

بن گیا ہو، اور اسی وجہ سے اگر وہ اسکول سے غیر حاضری کرتا ہے تو اساتذہ کسی قسم کی نرمی

نہیں برتتا، اس کو بے ہمارا اور آزاد نہیں چھوڑتا۔ غمی، کند ذہن اور آوارہ لڑکوں کی اساتذہ

کوئی پروا نہیں کرتا مگر یہ ذہین اور منظور نظر طالب علم اگر غلطی کرتا ہے تو اساتذہ اس کو سزا دیتا

ہے، یہ اگر غیر حاضر ہوتا ہے، تو باز پرس کرتا ہے، یہ اگر غفلت اور سہل انگاری کا مظاہرہ

کرتا ہے تو اس کو تنبیہ بلکہ بعض اوقات زجر و توبیخ کرتا ہے۔

حالیہ واقعات نے اور اسلامی ممالک جس خوف و ہراس اور جس بے چینی اور

بحران سے دوچار ہیں، اس نے ثابت کر دیا ہے کہ عربوں کو اسلام کے سایہ ہی میں پناہ

لی جکتی ہے، ان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ خلوص دل سے اسلام کو اپنائیں، نفاق اور دوسرے چیزوں کی راہ ترک کر دیں، راحت طلبی، تعیش پسندی، عیش کو نشی اور بے حیائی سے بھرپور نگین اور غیر سنجیدہ زندگی کو خیر باد کہہ دیں، لذتیت اور مفاد پرستی کے فلسفہ کو اپنی زندگی سے خارج کر دیں، اگر عرب شریفانہ اور باعزت زندگی گزارنا، اور نصرت الہی کے حقدار بننا چاہتے ہیں تو ان کو اس طرح رہنا چاہئے، جس طرح کوئی قوم ہنگامی حالات میں جیسی میں یا سرحدوں اور محاذوں پر زندگی گزارتی ہے، انھیں مختل، سادہ اور متشغفانہ اور مجاہدانہ زندگی گزارنی چاہئے۔

تقریر نے حاضرین سے تائید و تحسین حاصل کی اور ریکارڈ کی گئی، اور جب ہم اربد سے روانہ ہو رہے تھے، تو گھروں اور بازاروں سے ریکارڈ شدہ تقریر سنائی دے رہی تھی۔

مجاہد اسلامی عبداللہ التل کا انتقال اور ان کے کنبہ کی تعزیت

عمان میں داخل ہو رہے تھے کہ اچانک مشہور اسلامی رہنما اور مجاہد جنرل عبداللہ التل کے انتقال کی افسوسناک خبر سنی، میری ان سے ملاقات ۱۹۵۱ء میں قاہرہ میں اتاذ محمد علی الطاہر کی قیام گاہ پر ہوئی تھی، فلسطین کے محاذ پر ان کی سرفروشی اور جہاد کے کارنامے اور مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں ان کی استقامت اور ثابت قدمی کی خبریں سننے میں آتی تھیں، مجاہد اور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ موصوف ایک اچھے مصنف بھی تھے، ان کی وفات کی خبر سے صدمہ ہوا

لہٰذا ان کا ایک ضخیم اور پراثر معلومات کتاب خطہ اليهودیۃ العالمیۃ علی الاسلام والمسیحیۃ "دار القلم کویت نے چند سال پہلے شائع کی، معرکہ فلسطین کے متعلق ان کی ڈائری بھی ۱۹۵۹ء میں چھپ چکی ہے۔

ہمارے نزدیک ہم پراور ہر مسلمان پر جو مرحوم کے مجاہدانہ کارناموں اور اسلام اور ملک کے لئے ان کی قربانیوں کی قدر کرتا ہے، مرحوم کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے خاندان کی تعزیت کریں اور ان کے دوستوں اور گھروالوں کے ساتھ کچھ وقت گزاریں چنانچہ ہم مرحوم کے گھر گئے ان کی تعزیت کی اور مرحوم کے کارناموں کا تذکرہ اور اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

لہو و لعب اور تفریحات کا مرکز

تعزیت کا فرض انجام دینے کے بعد عمان واپس آئے، ہر مرتبہ آمد و رفت میں مدینۃ الملاہی سے ہمارا گزر ہوتا تھا، جو دارالحکومت کے مضافات میں واقع ہے ایسے سنگین حالات میں جبکہ قوم موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے، اور ہر وقت جنگ کا خطرہ درپیش ہے، مدینۃ الملاہی کے وجود پر ہم کو سخت تعجب ہوا، اور معلوم ہوا کہ اس شہر میں سات حوض (SWIMMING POOLS) ہیں، جن میں آزادانہ اختلاط کے مواقع ملتے ہیں، ان میں سے ایک حوض 'فندق عمان' جس میں ہمارا قیام تھا، کے پاس کا تھا، شہر میں سینما گھر، کلب اور آزادانہ تفریح کے مرکز بڑی تعداد میں موجود ہیں، دوسری طرف ملک آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے، جو ہمیں معلوم کب بھٹ پڑے، اور اس ملک کو تباہی کے اندھے غار میں پہنچا دے، یہ نامناسب صورت حال ملک کے سیاسی جنگی اور مذہبی حالات سے کسی طرح بھی میل نہیں کھاتی۔

معلوم ہوا کہ اس شہر میں صورت حال کو جو اسلام کے سادہ، سنجیدہ اور پوقار مزاج کے قطعاً منافی ہے، غیر ملکی اور خارجی طاقتوں سے غذا ملتی ہے، یہ طاقتیں اس کے بغاوت اور فروغ کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، اسلامی ملکوں کے حالات کا مطالعہ کرنے اور

ان کی اخلاقی انارکی اور روحانی دیوالیہ پن کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس صورتحال کا ذمہ دار بڑی حد تک امریکا ہے، امریکا چاہتا ہے کہ یہ ممالک فکری اور اخلاقی انحراف کا شکار ہو کر اس کی پناہ لینے اور اس کی زلہ ربانی کرنے پر مجبور ہوں، اور اپنے طاقتور حریف اسرائیل کے مقابلہ میں نہایت کمزور اور اندرونی طور سے بالکل کھوکھلے ہو جائیں، ان حالات کے باقی رہنے اور بد سے بدتر ہونے میں امریکا کے ساتھ ساتھ وٹیکن (VATICAN) کے مفادات بھی پوشیدہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اصحاب کہف کے غار میں

۸ اراگست ۳۷۷ء کو سینچر کے روز اصحاب کہف کا غار دیکھنے گئے جو عمان کی ایک

بستی میں واقع ہے، ہماری رہنمائی آثار قدیمہ کے مشہور ماہر اردن کے مدیر آثار عامہ کے فنی معاون استاد رفیق وفاد جانی کر رہے تھے، انھیں پورا یقین تھا کہ اصحاب کہف نے جن کا قصہ سورہ کہف، عیسائی صحیفوں اور تاریخ ادب کی کتابوں میں مذکور ہے — جس غار میں بناہ لی تھی، وہ یہی غار ہے، میں اپنی کتاب ”معارف ایمان و مادیت — یا سورہ کہف کا مطالعہ“ میں اس موضوع پر بحث کر چکا ہوں اور میں نے اکثر مصنفین کے اس خیال کو راجح قرار دیا تھا، کہ قصہ ”افسوس“ یا ”افیس“ نامی شہر میں وقوع پذیر ہوا تھا، شہر ایشیلے کوچک میں از میر سے ۶۰ کیلو میٹر دور دریا سے قید طرہ کے جنوبی ساحل پر اناطولیہ کے ۱۲ یونی شہروں میں سے ایک تھا، یہ شہر اس وقت ترکی میں ہے، اور ”طرسوس“ کے نام سے مشہور ہے، اور جس غار میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی، وہ اسی شہر کے نواحی میں ایک پہاڑ میں تھا، پہاڑ کا نام (ANCHILIS) تھا، لیکن استاد رفیق اس پر مصر تھے کہ

اصحاب کہف کا غاری ہی کہف الرجیب ہے جس کو دیکھنے... ہم لوگ گئے تھے، اس خیال کے حق میں ان کے پاس بہت سے دلائل اور شواہد ہیں جن کی علمی اور تاریخی قدر و قیمت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ دلائل انھوں نے اپنی کتاب "اصحاب کہف کے فار کا نکشاف" (الکتشاف کہف اهل الکھف) میں تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور اس کا ایک نسخہ ہم کو ہدیہ بھی کیا، اساذہم کو غار کے پاس لے گئے اور بہت سے ایسے آثار اور علامات کی نشاندہی کی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس پر قرآن مجید کا بیان منطبق ہوتا ہے، میں نے وعدہ کیا کہ میں اپنی کتاب پر نظر ثانی کروں گا، اور اساذی وسیع معلومات اور علمی تحقیقات سے استفادہ کرنے کی کوشش کروں گا، حق پر کسی کی اجارہ داری نہیں، علم میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

"کہف الرجیب" عمان کے جنوب مشرق میں ۸ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اساذنے بتایا کہ یہی رائے مقدسی، یاقوت، ساح ہروی اور بیرونی وغیرہ کی بھی ہے، واللہ اعلم، بلاشبہ اساذ ملک کی بیش بہا علمی سرمایہ میں جس کی قدر کرنی چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

دوپہر کا کھانا زرقا میں شیخ عبدالباقی جمو کے دولت کہہ پکھایا گیا، موصوف زرقا کے حلقہ سے پارلیمنٹ کے ممبر ہیں، کھانے پر علماء، عائدین شہر اور اساتذہ کی خاصی تعداد مدعو تھی۔

ایک اہم مجلس مذاکرہ میں شرکت

آج ایک مجلس مذاکرہ میں شرکت کرنی تھی جس کا اس وفد کی آمد کی تقریب میں

خاص طور پر انتظام کیا گیا تھا، اور جو غالباً اس دورہ کا حاصل تھا، یہ مجلس ساڑھے پانچ بجے شام کو انکلیتہ العلیمۃ الاسلامیتہ کے ہال میں منعقد کی گئی، مجلس میں پروفیسر تعلیم یافتہ طبقہ اور اسلامی ثقافت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات معتد بہ تعداد میں موجود تھے، استاذ محمد براہیم شقرہ نے بڑی مہارت اور سلیقہ سے مجلس کی نظامت کے فرائض انجام دیئے، راقم سطور استاذ احمد محمد جمال اور استاذ کامل الشریف خصوصی مہمان کی حیثیت سے مذاکرہ و مباحثہ میں حصہ لینے والے تھے، مجلس کا موضوع تھا "موجودہ معاشرہ میں مسلم نوجوانوں کا کردار" ذیل میں ناظم مجلس کے سوالات اور راقم سطور کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔

نوجوانوں کی بے چینی کے اسباب اور اس کا علاج

سب سے پہلے استاذ محمد براہیم شقرہ نے افتتاحی تقریر کی، تقریر میں نوجوانوں کی موجودہ صورت حال اور ان کی بے چینی پر روشنی ڈالی گئی تھی، پورے عالم اسلام میں جو طاقتیں اور جو نظریات آج کام کر رہے ہیں ان کا بہت مکمل مفصل اور ہمہ گیر جائزہ لینے کے بعد استاذ نے پہلا سوال کرتے ہوئے کہا:

"استاذنا! آج پورا عالم اسلام عقیدہ، فکر اور عمل غرض ہر سطح پر ایک تباہ کن اضطراب الجھن اور بے چینی میں گرفتار ہے، یہ بے چینی ہمارے ملک کے مسلم نوجوانوں میں خصوصاً نمایاں طور پر پائی جاتی ہے تو سب سے پہلے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ اسباب کیا ہیں جن سے یہ بے چینی پیدا ہوئی ہے یا جن کی وجہ سے یہ باقی ہے؟

میرا بیکار ڈنڈہ جواب (قدرے ترمیم و اضافہ کے بعد) حسبِ ذیل تھا:-

”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے اس علمی مذاکرہ میں مجھ پر اعتماد کیا اور مجھ سے اور میرے رفقاء سے اس سوال کا جواب طلب کیا ہے، جو حالات سے گہرا تعلق رکھتا ہے، اور جس صورت حال سے ہم گزر رہے ہیں، اس کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔“

حضرات! میں آپ سے بہت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مجھے بہت تعجب ہوتا اگر مسلم نوجوان اس بے چینی کا شکار اور اس اضطراب سے دوچار نہ ہوتے جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور محسوس کر رہے ہیں، درخت اگر اپنا پھل دیتا ہے، تو وہ قابل ملامت نہیں ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ باغبان کوئی پودہ نہ لگاے، لیکن اگر وہ ایک پودہ لگاتا ہے، اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، وقت پر اس کو پانی دیتا ہے، اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مسلسل رات رات بھر جاتا ہے، اور چلی پاتی دھڑا اور کڑا کے کی سردی کسی چیز کی پروا نہیں کرتا، اس امید میں کہ یہ درخت پروان چڑھے گا، تو انا اور تنہا رہ کر پھل دے گا۔ تو یہ نہایت غیر معقول اور غیر فطری بات ہوگی کہ جب وہ درخت اپنا قدرتی پھل دینے لگے تو باغبان درخت کو ملامت کرے، خفا ہو، اور اس کے پھل کو ناپسند کرے اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھے، اس لئے کہ جب سے کائنات وجود میں آئی ہے، اور جب سے وہ درخت وجود میں آیا ہے، اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، زیتون کا درخت زیتون کا پھل اور انار کا درخت انار ہی کا پھل دے گا۔

اس انجمن کا جس سے دنیا کے نوجوان خصوصاً مسلم نوجوان دوچار ہیں، سب سے اہم سبب تعلیم، تربیت اور اطلاعات و نشریات کا تضاد ہے۔ ان کے موروثی خیالات کچھ ہیں، ماحول کے تقاضے کچھ ہیں، اور علماء دین کے مطالبے کچھ ہیں، اس انجمن اور تباہ کن انجمن کا بنیادی سبب یہی عجیب و غریب تضاد ہے، جو نوجوانوں پر مسلط کر دیا گیا ہے، اور اس نے ان کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بچہ ایک مسلمان خاندان اور مسلمان گھر میں پیدا ہوتا ہے جس کی بنا پر بہت سے اسلامی عقائد سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوتا ہے، پھر ایک مذہبی اور باشعور ماحول جو اسلام کے اصولوں پر یقین رکھتا ہے۔ میں پروان چڑھتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اسلامی تاریخ پڑھنے کی توفیق دی تو اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے، اور پھر اس کو جدید تعلیم کا ہوں کی طرف ہانک دیا جاتا ہے (اس لفظ کے استعمال پر معذرت چاہوں گا، اس لئے کہ بچہ ابھی کم سن ہوتا ہے، اور اس کو کوئی اختیار نہیں ہوتا) جہاں وہ اپنے اساتذہ سے — جن کی وہ تعظیم اور احترام کرتا ہے اس لئے کہ وہ بہت سے فنون میں ماہر اور صاحب اختصاص ہوتے ہیں — ایسی باتیں سنتا ہے، جو ان افکار و خیالات کے بالکل خلاف ہوتی ہیں، جو گزشتہ اسلامی تربیت کی وجہ سے اس کے ذہن و دماغ میں بیٹھ گئے تھے، ہر طرف وہ ایسی چیزیں دیکھتا اور سنتا ہے، جو گزشتہ تمام چیزوں کی نفی کرتی یا کم سے کم ان کی تحقیر کرتی ہیں اب وہ ایک عجیب تضاد اور شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور ذہنی کشمکش

سائے کی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی، یہاں تک کہ کوئی معجزہ رونما ہو جائے
واقعہ یہ ہے کہ جس ماحول میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اس ذہنی کشمکش سے
نجات کسی معجزہ سے کم نہیں ہوگی، یہ نازک ترین اور مشکل ترین قسم کی کشمکش
ہے، متضاد قوتوں کے درمیان کشمکش، میدان جنگ میں بھی کشمکش ہوتی ہے
مگر جنگ کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو مختصر ہوا کرتی ہے، لیکن اس کشمکش سے
تو انسان ہر وقت دوچار رہتا ہے، خواہ مسجد ہو، خواہ مدرسہ، گھر ہو یا بازار
یہاں تک کہ اپنے اور اپنے نفس کے درمیان بھی اس کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔
اس تلخ، خوفناک، ہلاکت آفریں اور گہری کشمکش کا سرچشمہ اطلاعات
نشریات اور صحافت (وسیع مفہوم میں) کے ادارے اور ٹیلی ویژن ہوتے ہیں،
ہمارے نوجوان ہر وقت ایسے پروگرام سنتے اور دیکھتے ہیں، جو ان کی قدیم
تربیت کے باقی ماندہ اثرات کو بھی ختم کر دیتے ہیں، ان کے دماغوں میں
ذہنی بغاوت اور نفسیاتی الجھنوں کو جنم دیتے ہیں، پریس یا جبریلزم جو بہت سے
لوگوں کی نگاہ میں (HIS MAJESTY) سے کم نہیں ہے، ہمارے نوجوانوں
کو صبح سویرے نہار منہ اور قبل اس کے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں،
فاسد اور متعفن غذا دیتا ہے، اور ان کے سامنے جذبات کو برا نگینہ کرنے والا
مواد پیش کرتا ہے، سب سے پہلی چیز جس پر ان کی نگاہ پڑتی ہے، وہ کسی
عورت کی برہنہ تصویر، فحش عنوانات یا ایسے مضامین اور تبصرے ہوتے ہیں،
جو ذہنوں میں شلوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اور ایمان و اعتماد کی بنیادوں
کو متزلزل کرتے ہیں، ہمارے نوجوان ان چیزوں کو پورے ذوق و شوق اور

دیکھی دانتھاک سے بڑھتے اور ان سے متاثر ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں ایسی علمی کتابیں آتی ہیں جو مرعوب کن عنوانوں کی حامل ہوتی ہیں، اور جو ایسے مصنفین کا نتیجہ فکر ہوتی ہیں، جن کی ذہانت، عبقریت اور کمال پر ہمارے نوجوانوں کا ایمان ہوتا ہے، یہ کتابیں مفسد اور شلک مواد سے پر ہوتی ہیں، جو مذہب کے بارے میں شلوک پیدا کرتی ہیں، اسلامی تاریخ کے بارے میں شلوک پیدا کرتی ہیں، اسلامی شریعت کے مآخذ یہاں تک کہ زبان و ادب کے اولین سرچشموں کو مشکوک قرار دیتی ہیں، اس امت کی صلاحیتوں اور اس کے ابدی پیغام کے بارے میں شلوک پیدا کرتی ہیں، اور عربی زبان کی صلاحیت کو مشکوک قرار دیتی ہیں، علمی نظریات اور ذہن و دماغ کو ماؤن کرنے اور تہذیب و اخلاق کو بگاڑنے والے افکار و خیالات کا عجیب و غریب معجون مرکب جب ہمارے نوجوانوں کے دماغوں میں اترتا ہے تو سخت بے چینی اور پریشان کن اکھن کو جنم دیتا ہے، یہ معجون مرکب تو ایسا ہے کہ بڑے سے بڑے پختہ ذہن، آزمودہ کار اور بالغ نظر شخص کو اکھن میں مبتلا کر دے تو ہمارے نرم و نازک نوجوان، یہ نرم و نازک شلوغے جو ابھی کھلے نہیں ہیں کس طرح اس کو مضہم کر جائیں گے، ان سے کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ان سخت تھپیڑوں کے سامنے ٹکے رہیں گے۔

حضرات! یہ تو ایسا ہی ہے، جیسے کوئی گاڑی یا سواری ہو، اور اس کے آگے بھی ایک گھوڑا ہو اور پیچھے بھی اور دونوں اپنی اپنی سمت گاڑی کو کھینچ رہے ہوں، تو جس طرح اس گاڑی کے سوار سخت کشمکش اور اکھن میں

بنتا ہوں گے، اسی طرح ہمارے نوجوان ایک جھوٹے میں دائیں بائیں
جھول رہے ہیں۔

عرب دارالحکومتوں سے جن کو فکری اور مذہبی قیادت حاصل تھی کم سے کم
پچاس سال سے جو ادبی سرمایہ ہمارے سامنے آ رہا ہے، اس نے نوجوانوں،
نوجوانوں بلکہ بعض سن رسیدہ لوگوں کے دلوں میں بھی شک و اضطراب کے
بیج بوئے، ان کو بعض اوقات اپنے وجود پر بھی شک ہونے لگا، اور وہ
تمام چیزیں جو شہرت و تواتر سے آگے بڑھ کر بد ہیئت تک پہنچ گئی ہیں،
مشکوٰۃ نظر آنے لگیں، ان کتابوں نے جن کے پیچھے دولت، شہرت، فکری تپاؤ
یا نفرد اور تالیف کی گونج جیسے سستے مقاصد کار فرما تھے، ہمارے نوجوانوں
کے دلوں اور دماغوں میں شک وارتباب، الجھن، کشمکش اور تضاد کی تخم ریزی
کی، چنانچہ مجھے موجودہ صورت حال پر کوئی حیرت اور تعجب نہیں ہے، اور
یہی نوجوانوں کی الجھن اور بے چینی کا بنیادی سبب ہے۔

پھر اتاذ نے دوسرا سوال اٹھایا، نوجوانوں کی اس بے چینی کا — علاج کیا
ہے؟ میرا جواب حسب ذیل تھا:

”میرے نزدیک نوجوانوں کو اس مہلک الجھن سے نجات دلانے کے لئے
پہلا قدم یہ اٹھانا چاہئے کہ نظام تعلیم کی دہائی ختم کر دی جائے، آپ کے سامنے
اس نکتہ کی وضاحت غیر ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تعلیم دو بلاؤں
میں تقسیم ہے، مذہبی ہلاک اور غیر مذہبی اور سیکولر ہلاک، یا قدیم ہلاک اور جدید
ہلاک، نظام تعلیم کی یہی شنویت یا دوئی نوجوانوں کی موجودہ الجھنوں کا

اہم ترین سبب ہے، اس لئے اگر ان ابھنوں کو دور کرنا ہے تو سب سے پہلے مقاصد تعلیم اور نصاب تعلیم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ میں نے کہا خود تعلیمی مواد میں تضاد پایا جاتا ہے، ایک تعلیم جس چیز کو ثابت کرتی ہے، دوسری اس کی نفی کر دیتی ہے، اسی طرح ان علوم کا بھی جو بظاہر عقائد سے تعلق نہیں رکھتے — عقائد سے بہت گہرا تعلق ہے، تعلیم بجز داور معروضی نہیں رہی، تعلیم کے غیر جانبدارانہ رنگ اور عقائد پر اثر انداز نہ ہونے کا نظریہ بہت پرانا اور کب کا مسترد اور (OUT OF DATE) ہو چکا، اب اس نظریہ میں ذرہ برابر بھی صحت اور واقعیت باقی نہیں رہی، پس پہلا انقلابی اور بنیادی قدم یہی ہے کہ نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کی جاتی، نہ کوئی قدیم ہے نہ جدید نہ کوئی مذہبی ہے (لاہوتی) اور یو دین عیسائی کہنوتی مفہوم میں صحیح اسلامی مفہوم میں) کوئی تعلیم نہ لاپوتی ہے نہ دنیوی نہ عصری نہ سیکولر تعلیم ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے، اگر کوئی تقسیم ہو سکتی ہے، تو مقاصد اور وسائل کی تقسیم ہوگی، اور ان وسائل کے اندر بھی ایک وحدت ضروری ہے، جو ان کو باہم متحد اور بنیادی نصب العین کا پابند بنا سکے۔

پھر اس تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی جائے جس کو شریعت اور قرآن کی زبان میں "نفاق" کہتے ہیں، ہم آہنگی سے عکس مراد یہ نہیں ہے کہ ایک ملک اور دوسرے ملک کے نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کی جائے، بلکہ ایک ہی ملک کے نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، بلاشبہ اس کے لئے

پورے نظام تعلیم کو از سر نو ترتیب دینا ہوگا، اور ایسا نظام تعلیم وضع کرنا ہوگا، جو ایک مکمل، مرتب اور باہم پوری طرح سے ہم آہنگ اکائی ہوگا، اس کے لئے ایک زبردست انقلاب لانے کی ضرورت ہے، ایسا انقلاب

جو جراثیم دار، وسیع و عمیق اور ہمہ گیر انقلاب ہو، اور پھر قدرتی طور پر ایسے پختہ فکر اور باطنی نظر افراد کی ضرورت ہوگی جو صورت، پورے کیے نوشتہ میں نہ ہوں، انصاف تعلیم میں اجتہاد سے کام لینے کی ضرورت ہے اس کے لئے قدرتی طور پر زبردست منصوبے تیار کرنے ہوں گے، وسیع اور ہمہ گیر سطح پر جدوجہد کرنی ہوگی، اور اسلامی حکومتوں اور ہم اسلامی اکیڈمیوں کو ان منصوبوں کی سرپرستی کرنی ہوگی، اگر ہم نظام تعلیم کو بدلنے میں کامیاب ہو گئے اور اگر ہم نے اپنے معاشرہ سے یہ تضاد ختم کر دیا تو مجھے پوری امید ہے کہ ہمارے نوجوان اس ہلاکت آفریں کشمکش اور الجھن سے نجات پا جائیں گے؟

پھر اسٹاف نے تیسرا سوال اٹھاتے ہوئے کہا:۔

”اب اسٹاڈنٹا ابوالحسن اس کی وضاحت کریں گے کہ ان اداروں کے درمیان صحیح ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے حکومت کیا مثبت رول ہونا چاہئے؟“

میراجو اب یہ تھا:

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ہلاکت آفریں حوال کو دور کرنے اور معاشرہ کو پر امن اور پرسکون زندگی عطا کرنے کے سلسلہ میں حکومت کا کردار بہت اہم اور فیصلہ کن ہوتا ہے، مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب حکومت کے پاس کوئی واضح فکر ہو۔۔۔ میں یہاں کسی مخصوص حکومت کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں

نہ کسی پر تعریفِ مقصود ہے، میں ایک علمی موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں —
 اس مذہب کے بارے میں واضح فکر ہو جس پر اس کا ایمان ہے، ان مقاصد
 کے بارے میں واضح فکر ہو جن کو حکومت نے اپنا نصب العین بنایا ہے،
 اور وہ چاہتی ہے کہ یہ مقاصد زندہ رہیں، نہ صرف زندہ رہیں بلکہ پھیلیں پھولیں
 اسی کو ہم اسلام کی دینی زبان میں ایمان اور عقیدہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں حکومت
 کا غیر منزل لول ایمان اور نچتہ عقیدہ ہونا چاہئے، اسلام کی برتری پر ان
 اعلیٰ مقاصد کی برتری پر جن کی وہ دعوت دیتی ہے، اور جن کے لئے وہ زندہ
 ہے، اسے جابایت (تخصیص و مصلیٰ) کے بجائے ہدایت کے اصول پر کاربند
 ہونا چاہئے۔

پھر اخلاص، اولوالعزمی اور جاں نثاری کا جذبہ ہونا چاہئے، یہی تمام
 عوامل اسلامی شخصیت کی نشوونما، ارتقاء، تکمیل اور منزل مقصود تک پہنچنے
 کے لئے مناسب فضا اور مناسب ماحول پیدا کرنے میں معاون ثابت
 ہوتے ہیں۔

آخری سوال پیش کرتے ہوئے استاذ محمد ابراہیم شقرہ نے کہا:
 ”آخر میں میں استاذ ابوالحسن سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے تجربوں کی روشنی
 میں — جن سے وہ اپنی جوانی اور کہولت کے دور میں گزرے ہیں، اور اس وقت بڑھاپے کے
 لئے اس اصول کی بہترین نمائندگی سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا وہ تاریخی جملہ کرتا ہے، جو انھوں نے اپنے ایک عامل
 کی اس شکایت پر فرمایا تھا کہ اسلام پھیل جانے کی وجہ سے جزیہ میں کمی ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا: بڑھوتا رہا!
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے، تھے، محصل نہیں بنا کر بھیجے گئے تھے۔“

دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس آخری تجویز پر تبصرہ کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ آخر میں نوجوانوں کو اپنے قیمتی مشوروں اور نصیحتوں سے نوازیں گے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ استاذ کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے۔
میں نے کہا۔

”میں نوجوانوں کی صلاحیت اور ان کے کردار سے مایوس نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ ہمارے نوجوان اسلامی دعوت اور اسلامی فکر کے میدان میں کچھ کرنا چاہتے ہیں اور اس فکری رزمگاہ میں جس کی نظیر پیش کرنے سے انسانی تاریخ قاصر ہے، وہ بحیثیت مسلم نوجوان کے اپنا رول ادا کرنا چاہتے ہیں۔

حضرات! نوجوانوں میں مختلف طبقے اور درجے ہیں، ان کی کوئی ایک قسم نہیں ہے، ہم نے بہت سے ایسے نوجوان دیکھے ہیں، جو اپنا رول ادا کرنے کے لئے بے قرار ہیں، ان کے اندر اس کی مکمل صلاحیت بھی موجود ہے، موجودہ صورت حال سے ان کو سخت دکھ اور تکلیف ہے، یہی نوجوان حال کا سرمایہ اور مستقبل کی امید ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی نوجوان موجودہ فکری دھالے کا رخ موڑ سکتے ہیں، میں اپنی معلومات کی بنیاد پر پورے یقین کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ نوجوانوں میں اسلامی دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے وسیع میدان موجود ہے، ان کے اندر بے چینی پائی جاتی ہے، یہی بے چینی ترقی اور بہتری کی طرف پہلا قدم ہے، نوجوان آج پریشان ہیں، بے چین ہیں، مغربی تہذیب ان کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو گئی، نوجوانوں کی زندگی میں ایک خلا پایا جاتا ہے، جو نہ پُر ہوا ہے نہ پُر ہو سکتا ہے، جیسا کہ استاذ کامل الشریف نے فرمایا

صرف ایک ہی مذہب اس ہولناک خلا کو پر کر سکتا ہے، جو یورپ نے قلب و روح اور جسم و مادہ کے درمیان پیدا کر دیا ہے، یہ مغربی تہذیب کی مخصوص چیز تھی جو اپنے طویل سفر میں مخصوص مراحل اور مخصوص تجربوں سے گزری، لیکن انہماکی افسوس کی بات ہے، اور اسے انسانیت کی قسمتی کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ جب یورپ کو فکری قیادت حاصل ہوئی تو اس کے تجربوں نے ان قوموں کے ذہن پر بھی اثر ڈالا جن کا ان تجربوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا، یہ ایک مخصوص معاشرہ کے تجربے تھے، جس کے مذہب کا ایک خاص مزاج تھا، اس معاشرہ میں کلیسا اور حکومت کے درمیان کشمکش ہوئی، مذہب و تعلیم کے درمیان کشمکش ہوئی، کمنوت، عقل سلیم اور موجودہ سائنس کے درمیان کشمکش ہوئی، یہ تمام تجربے یورپ کے اپنے مخصوص تجربے تھے مشرق ان سے بالکل بے نیاز اور نا آشنا تھا، لیکن یورپ نے اور مغربی تہذیب نے یہ تجربے، ان تجربوں کے اثرات، ان تجربوں کے نتائج اور ان تجربوں کی قدر و قیمت ہر چیز کو مشرقی قوموں پر مسلط کر دیا، مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے، مذہب و سیاست دو علیحدہ چیزیں ہیں، اور اس طرح کے دوسرے نظریات مغربی قوموں کے تجربات تھے، جو مخصوص حالات، مخصوص ماحول اور مغرب کے مذہب یعنی عیسائیت کے مخصوص مزاج کی پیداوار تھے، لیکن مشرقی قوموں نے بغیر کسی سبب اور وجہ جواز کے ان تجربات کو قبول کر لیا، چنانچہ یہ خلا جو انوں میں پایا جاتا ہے، اور ان کو اس خلا کا احساس بھی ہو چلا ہے، آج ہم کو جو انوی کی زندگی میں جو بے راہ روی ہے اور

اور انتہا پسندی نظر آ رہی ہے، وہ اسی احساس کا نتیجہ ہے، میں ایشیا اور مشرق میں اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ نوجوانوں کے اندر اس نئی تحریک کی قیادت اور اس فکری محرک میں کودنے کی پوری صلاحیت اور قابلیت موجود ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے اور نوجوانوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہے ہم ان سے بے غفلت رہتے ہیں، ہم اے اندران کی طرف سے بہت غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پائی جاتی ہیں، ہم اس صورتحال سے بالکل ناواقف ہیں جس سے آج کا نوجوان گزر رہا ہے، اگر بڑھوں اور نوجوانوں، مبلغین اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان جو خلیج حائل ہے ختم ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے نوجوان اس دعوت سے متاثر اس کے مقاصد سے مطمئن اور اس کو فروغ دینے کے لئے سرگرم عمل نہ ہوں، لیکن اس کے لئے بہت نازک، گہری اور باریک علمی منصوبہ بندیوں کی ضرورت ہے، ایک نئے لٹریچر کی ضرورت ہے، نوجوانوں سے گفتگو کرنے کے لئے ایک نئے اسلوب اور طرز بیان کی ضرورت ہے، اس حکمت کی ضرورت ہے جس کی جانب قرآن نے اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں
اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے، لوگو!
(اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ
اچھے طریقے سے بحث کیجئے (کہ اس میں
(سورۃ النحل - ۱۲۵)

شدت و خشونت نہ ہو)

اس کے لئے طاقتور، فکر انگیز و گوہر بارز قلم کی ضرورت ہے، مافی الضمیر کی ادائیگی پر غیر معمولی قدرت، ادبی چاشنی، شیرینی گفتار، اور اس پر کشش و محرکیز اور دلآویز انداز بیان کی ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی دعوت نوجوانوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتی، اور ان کے ذہن و دماغ کو متاثر نہیں کر سکتی۔

ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بعض محترم اور فاضل علماء زبان و ادب پر عبور حاصل کرنے اور زور بیان اور بلیغ اور دلنشین اسلوب پیدا کرنے کو فضول، غیر ضروری اور بالکل ضمنی چیز سمجھتے ہیں، ان چیزوں کو ہمارے علماء اپنے فرائض سے علیحدہ اور اپنے راستہ سے انحراف سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے خود اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے اور ہم سب کا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے لئے نیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی کتاب کو ایک معجز اسلوب اور عربی میں میں نازل فرمایا، اور یہی نہیں بلکہ اس پہلو کو ایک سے زیادہ جگہوں پر اجاگر بھی کیا، ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى
قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝

اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے
آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں
تاکہ آپ بھی منجملہ ڈرنے والوں

(الشعراء - ۱۹۳-۱۹۵)

کے ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ۝ (یوسف - ۲)

ہم نے اس کو نازل فرمایا عربی زبان کا
تاکہ تم (جو بھل زبان ہوئے کے اولاد) سمجھو

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان، اسلوب اور بلاغت کا پہلو بہت اہمیت رکھتا ہے، اور جب ہم دعوت و عزیمت اور تجدید و احیائے دین کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ بزرگ و برگزیدہ شخصیات جو خلاصہ انقطاع الی اللہ اور ربانیت صادقہ کے نقطہ شروع پر تھیں انھوں نے کبھی اس پہلو کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ اس کی طرف پوری توجہ کی اور اس پر پورا زور دیا، ہم اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو نہیں پیش کرنا چاہتے کیونکہ آپ بالاتفاق اور بغیر کسی شک و شبہ کے فصیح ترین اور بلین ترین انسان تھے، البتہ ہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مثال پیش کرتے ہیں جو بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور اسی طرح تاریخ اسلام کی آخری صدیوں تک نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جن شخصیات کو کبھی اسلامی دعوت و تحریک میں قیادت کا منصب حاصل رہا ہے، انھیں اللہ تعالیٰ نے زور بیان، مخاطب کی نفسیات کی فہم اور فصاحت و بلاغت کا بہرہ وافر عطا کیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ جب میں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات پڑھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں، وہ شخص جو ساری دنیا میں اور ہر دور میں اپنے زہد، قناعت، ربانیت اور تقویٰ کے لئے مشہور رہا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام کے دارالحکومت اور عباسی خلافت کے مرکز بغداد میں جہاں حریری، ابن الجوزی اور صابی پیدا ہوئے، جہاں بکتری، شریف رضی، متنبی، ابوتام اور حنفی نغمہ نغماں کیں، وہی شخص اپنے اس معاشرہ کو ایک سحر انگیز انداز بیان میں مخاطب کرتا ہے، ایسے انداز بیان میں جو دلوں کی گہرائیوں میں اترتا ہے اور جس کی تاثیر اور طاقت

آج بھی موجود ہے، اسی تاثیر کے پیش نظر حضرت جیلانی کے خطبات کو جمع کرنے والوں نے کوشش کی ہے کہ بعینہ ان کے الفاظ بھی ہوں، ورنہ اگر معنوی روایت ہوتی تو یہ خطبے اپنی تاثیر بڑی حد تک کھودیتے۔

ان سب باتوں سے ادب اور اسلوب کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اگر ہم نوجوانوں کی صحیح اور گہری اسلامی تربیت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ہم کو نئے علمی و ادبی اسلحہ سے مسلح ہونا پڑے گا، تیاری کرنی ہوگی، ان تمام شرطوں کو پورا کرنا ہوگا، جو ہر زمان و مکان کے لئے ہیں، اور جو آج بھی اپنی قیمت اہمیت اور اثر رکھتی ہیں، یعنی لیک ایسا علمی اور اسلامی لٹریچر تیار کرنا ہوگا جو نوجوانوں کے ذہن سے قریب ہو، حمان کو اپیل کرے، جسے نوجوانوں میں مقبولیت حاصل ہو بلکہ وہ اس کو پڑھنے کے لئے بیٹاب اور بے قرار ہوں، اگر ہم نے یہ شرطیں پوری کر لیں تو مجھے یقین ہے کہ نوجوان صرف یہی نہیں کہ اس نظریہ پر ایمان لائیں گے بلکہ اس کو عام کرنے کی ہر ممکن جدوجہد کریں گے اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

شام کو وفد نے ایک عشاۃ میں شرکت کی جو عمان میں سعودی قائم مقام سفیر (چارچ ڈی افیس) استاذ محمد میمن نے وفد کے اعزاز میں دیا تھا، اس عشاۃ میں علماء عمائدین شہر اور سیاسی حلقہ کے لوگ بڑی تعداد میں شریک تھے۔

عمان سے کرک

اتوار ۱۹ اگست ۱۹۷۳ء کا دن، دوروں، ملاقاتوں اور تاریخی مشاہدات کے

اعتبار سے اردن کے سفر کا مشغول ترین دن تھا۔

صبح ساڑھے ۶ بجے ہم کرک کے لئے روانہ ہوئے وزارت اوقاف کے سکریٹری
استاذ عبد خلیف ہمارے ساتھ تھے، وہ تاریخی آثار مقامات کے سلسلہ میں بہت معلومات
رکھتے ہیں، سیرت و تاریخ کا وسیع مطالعہ ہے، ان مقامات پر اکثر جاتے رہتے ہیں اسلئے کہ
ان کی بستی ان مقامات کے قریب ہی میں ہے، آثار قدیمہ کے مشہور ماہر استاذ رفیق وفاد جانی
جن کا نام کہف کے دورہ میں گزر چکا ہے۔ کی رفاقت سے اس دورہ کی علمی اور تاریخی
قدرو قیمت میں اضافہ ہو گیا، تفریح کے ساتھ ساتھ تحقیق اور عبرت پذیری کے مواقع بھی
ملے، اور ان بہت سی چیزوں کی وضاحت ہوئی، جو ہم نے سیرت و تاریخ اور جغرافیہ کی
کتابوں میں پڑھی تھیں، اور جن کی حقیقت تک پہنچنا، صاحب اختصاص حضرات کی رہنمائی
میں ان مقامات کو آنکھوں سے دیکھنے بغیر ممکن نہیں تھا، پاس کتابیں پڑھنے سے بھی اتنی
معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں، جو اس مختصر دورہ میں حاصل ہو گئیں، مزید برآں ان
مقامات کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد دل میں جو اثر ہوتا ہے، اور جو احساسات ابھرتے
ہیں، وہ ان کے بارے میں کسی کتاب کے مطالعہ سے نہیں ابھر سکتے، پرانی مثل ہے،
’شہیدہ کے بودمانند دیدہ‘

فوج کے سامنے تقریر

سب سے پہلے ہم ایک اسلامی حکومت کی مسلح فوجوں کے ایک مرکز کو دیکھنے گئے
عمان میں جب ہم تھے، اسی وقت ہم سے اس چھاؤنی کو دیکھنے اور ایک ہم آواز ناک سرحد پر
تعینات فوجیوں سے خطاب کرنے کی فرمائش کی گئی تھی، اور ہم نے اس علاقہ کے رہنماؤں کے

اعتماد اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا تھا، یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ میں ایک عظیم اسلامی سلطنت کی مسلح فوجوں سے ملاقات اور ان سرفروش مجاہدین سے خطاب کر رہا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی، اسلام اور اسلامی مملکت کے دفاع، اسلامی مقدرات کے تحفظ اور اپنی جانب سے ہر آنے والے خطرہ کے مقابلہ کے لئے وقف کر دی ہے۔

جب مسلح نوجوان صف بستہ کھڑے ہوئے اور اسلامی طریقہ کے مطابق ہم کو سلامی دی۔ اور یہ نظر میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ تو میرے جسم میں عزت و ایمان اور سرخوشی و سرشاری کی ایک لہر دوڑ گئی، اور طرب و اہتر از کی ایسی کیفیت طاری ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی، اس کیفیت سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میری طبیعت رواں ہو گئی، اور زبان دہن سے پہلے زبانِ دل سے گفتگو شروع کرتے ہوئے میں نے کہا:-

”میرا نشوونما ایک علمی اور دینی ماحول میں ہوا ہے، مجھے صاحبِ فکر، صاحبِ علم اور اہل قلم حضرات کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور بے شمار ایسے اجتماعات اور مجالس میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے، جن میں علماء اور مقررین کی کثرت ہوتی تھی، اور جن میں بہت سی کیتائے روزگار شخصیات جلوہ افروز ہوتی تھیں، لیکن آج جو سرشاری، جو رقت، جو خشوع اور جو سعادت و لذت محسوس کر رہا ہوں وہ زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔ اگر میرے بس میں ہوتا۔ اور اس کی اجازت ہوتی۔ تو میں آپ سے ہر فوجی کی دست بوسی کی کوشش کرتا، کیونکہ آپ کا ہاتھ اسلام کے لئے برسرِ بیکار ہے، آپ کا ہاتھ اس لئے تھک رہا ہے کہ اسلام کو

مسلمانوں کی مدافعت کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ
دَرَجَةً (النساء - ۹۵)

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر
کے گھر میں بیٹھے رہیں، اور وہ لوگ جو
اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں
سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان
لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے
جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد
کرتے ہیں، بہ نسبت گھر میں بیٹھے والوں کے

آپ اسلامی ممالک کے پاسان ہیں مسلمان عورتوں اور بچوں کی عزت و آبرو
کے نگہبان ہیں، ان مسجدوں کے تقدس اور ان دینی اداروں اور تعلیم گاہوں
کے سکون کے محافظ ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ
کا ذکر ہوتا ہے، اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے، علم کی اشاعت ہوتی ہے، فرائض و
سنن کی تعلیم ہوتی ہے، تزکیہ نفس اور اصلاح احوال ہوتی ہے۔ اسلامی
سرحدوں کے پاسانوں اور نگہبانوں! اگر آپ نہ ہوتے، آپ کی جانبازی اور
سرفروشی نہ ہوتی، اور آپ کی شجاعت و جوانمردی نہ ہوتی، تو مودوں کے
لئے اذان کی آواز بلند کرنا ناممکن ہو جاتا، نمازیوں کے لئے خدا کے گھر میں
فرض کی ادائیگی مشکل ہو جاتی، علم کی اشاعت اور اس امانت کو ایک نسل
سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا کوئی مرکز نہ ہوتا، بوڑھوں، عورتوں اور
کمزوروں پر سکون کی غیر حرام ہو جاتی، تاجروں کو اپنی تجارت اور

پیشہ وروں کو اپنے پیشوں سے اشتغال دشوار ہو جاتا، ہر مذہبی شعار،
ہر علمی مصروفیت اور زندگی کے ہر عمل پر آپ کا احسان ہے، خواہ کوئی اعتراض
کرے یا نہ کرے، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے :-

عینان لا تمسهما النار، عین
دو آنکھوں تک جہنم کی لپٹ نہیں
بکت من خشية الله وعین
پہنچ سکے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے
باتت تمحوس فی سبیل اللہ
خوف سے روئی، اور ایک وہ آنکھ
جورات بھرا اللہ کی راہ میں پہرہ دیتی رہی

دوسری حدیث میں ہے :-

ما غبرت قدمی ما عبد فی سبیل
جو قدم بھی اللہ کی راہ میں گر دے آلود
الله فتمسه النار
ہوئے ان کے لئے آگ حرام ہو گئی۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :-

رباط یوم فی سبیل اللہ خیر
اللہ کے راستہ میں ایک دن کا پہرہ اور
من الدنیا وما علیہا
سرحد کی حفاظت دنیا وافیہا سے بہتر ہے۔

ایک روایت میں ہے :-

غدا وانا فی سبیل اللہ اودخ
اللہ کے راستہ میں ایک صبح کا نکلنا یا
خیر من الدنیا وما علیہا
ایک شام کا نکلنا دنیا وافیہا سے
اعلیٰ و افضل ہے۔

ابن ترمذی عن ابن عباس مرفوعاً۔ ابن بخاری، ترمذی، نسائی عن ابی یحییٰ مرفوعاً۔

ابن ترمذی عن ابن عباس مرفوعاً۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو اسلام کے کوہان کا بالائی حصہ (سب سے بلند مرتبہ) قرار دیا ہے، چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:-

أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى بَرٍّ أَسَاسٍ الْأَمْرُ وَمَعْدَةُ
وَذُرْوَةُ سَنَامٍ؛ قُلْتُ: بَلَى
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ قَالَ: رَأْسُ
الْأَمْرِ الْأِسْلَامُ، وَمَعْدَةُ الْأَصْلُ
وَذُرْوَةُ سَنَامٍ الْجِهَادُ
بھلا میں تم کو اصل الاصول دین کا
ستون اور اس کی چوٹی کی چیز بتاؤں
میں نے کہا: ضرور ضرور، ارشاد ہو
آپ نے فرمایا، اصل الاصول تو
اسلام ہے اور اس کا ستون نماز
ہے، اور اس کی چوٹی کی چیز جہاد ہے

میں نے ان کے سامنے، برصغیر کی تاریخ جہاد سے، تیرہویں صدی ہجری
میں توحید و جہاد کے علمبردار اور دعوت و اصلاح کی سب سے بڑی جدوجہد کے
قائد حضرت سید احمد شہیدؒ کا ایک واقعہ پیش کیا، کہ ایک بار مجاہدین اپنے
امیر حضرت سید احمدؒ کی قیادت میں مایار کے معرکہ سے منظر منصرف واپس
آئے ان کے چہرے غبار آلود اور ان کے کپڑے گرد سے اٹے ہوئے تھے،
یہاں تک کہ پہچانے نہیں جاتے تھے، سردار بہرام خاں... ایک دمال لیکر

لے ترمذی، احمد، ابن ماجہ عن معاذ بن جبل مرفوعاً، یہ ایک طویل حدیث ہے، حافظ کی کمزوری کی وجہ سے
تقریب میں نے ان احادیث کا مفہوم بیان کیا تھا، مگر جب قلمبند کرنا ہوا تو اصول سے مراجعت کر کے
اصل احادیث کے الفاظ کو نقل کیا، اور اس مفہوم کی بعض اور احادیث کا اضافہ بھی کر دیا۔

امیر کے چہرہ سے گرد جھاڑنے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت سید احمدؒ نے کہا ”پٹھان بھائی ذرا ٹھہریہ وہی غبار ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَا يَجْتَمِعُ غِبَارٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَدُخَانٌ جَهَنَّمَ
اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں
دونوں جمع نہیں ہوں گے۔

ہمارے یہاں آنے اور ان صعوبتوں کو برداشت کرنے کا مقصد یہی
یہ تھا کہ اس غبار کو حاصل کریں گے، تو پٹھان بھائی ذرا صبر کرنا تنی عجلت کی
ضرورت نہیں۔

اور مجاہدین ٹھہر گئے اور اس وقت اس غبار کو نہیں جھاڑا۔
پھر میں نے ان فوجیوں کو دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی۔
پہلی بات تو یہ کہ نیت میں خلوص ہو، مقصد صرف اعلا کلمۃ اللہ اور
رضائے الہی کا حصول ہو، اور اس شجاعت و جوانمردی کے پیچھے کوئی اور غرض
کارفرما نہ ہو، میں نے ان کے سامنے وہ مشہور حدیث پیش کی جو صحاح میں وارد
ہوئی ہے۔

سَلِّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَقَاتِلُ
شِجَاعَةً، وَيَقَاتِلُ حِمِيَةً، وَيَقَاتِلُ
دِبَاعًا، ذَلَاكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری
کی وجہ سے جنگ کرتا ہے ایک شخص
حمیت و عزت میں آ کر جنگ کرتا ہے

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قاتل لئلا يكون
 كلمة الله هي العليا فهو
 في سبيل الله
 رسول الله صلى الله عليه وسلم في ما
 بول بالاهو هي الشكرى راه مي جنگ
 كرنه والا شمار هوگا۔

دوسری چیز جس کی طرف میں نے توجہ دلائی وہ معاصی اور ہر ایسی چیز
 سے اجتناب جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث اور نصرت الہی کے تقاضوں
 کے خلاف ہو سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سپہ سالار کو
 ایک خط لکھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ وہ دشمن کی قوت و کثرت اور اسلحہ
 اتنا نہ ڈرے، جتنا گناہوں اور خدا کی نافرمانی سے ڈرے کیونکہ میرے نزدیک
 لوگوں کے لئے گناہ دشمن کی چالوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

حاضرین پر تقریر کا گہرا اثر ہوا، تقریر ریکارڈ کی گئی، میرا خیال ہے کہ ہر اسلامی
 ملک میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ مسلح افواج کے اندر دینی شعور پیدا کیا جائے
 جہاد کا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو مرتبہ اور مقام ہے، اور
 شہادت کی جو فضیلت اور عند اللہ شہداء کا جو ثواب اور اجر ہے، اس کو ان کے سامنے
 اجاگر کیا جائے، اس عظیم اور غیر معمولی طاقت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اسلام اور
 لے متفق علیہ ۷۷ سیرت عمر بن عبد العزیز ابن عبد الحکم۔

مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچا ہے، اور اسلامی حکومتوں اور ان کی جنگی اور دفاعی طاقت اور غیر اسلامی حکومتوں اور ان کی جنگی اور دفاعی طاقت کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہا، جبکہ دنیاوی اور اسلامی حکومتوں کے درمیان امتیاز یہی تھا کہ مسلمان جب جنگ کرتے ہیں تو اس کے پیچھے ان کا ایمان و احتساب کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے، وہ عند الشرائع و ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین اولین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي بَيْعَةِ الْقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَفَرُ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنْ تَهَيَّأْتُمْ لَمْ يَأْتِكُمْ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء - ۱۰۴)

اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا، اگر تم بے آرام ہوتے تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو، اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں، اور تم خدا سے ایسی ہی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے اور خدا سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔

میرے بعد استاد محمد احمد جمال کی باری آئی استاد جمال قرآنی آیات کے استحضار و اقتباس میں امتیاز رکھتے ہیں، اور بہت سی احادیث کے متون ان کو زبانِ یاد میں بیٹھا، انھوں نے جہاد اور شہادت کے بارے میں بہت سی آیات و احادیث سے حسب موقع استنباط کرتے ہوئے ایک فاضلانہ تقریر کی جس نے حاضرین سے خراج تحسین حاصل کیا، ناشتہ کرنے کے بعد ہم اس فوجی مرکز سے روانہ ہوئے تو ہم ان کی عزت افزائی سے مسرور اور اس اسلامی جذبہ سے سرشار تھے جو اس علاقہ پر اور اس کے باشندوں پر سایہ فگن تھا، اور اپنے فوجی بھائیوں کی تائید غلبی اور نصرت الہی کے لئے دل سے دعا کر رہے تھے۔

کچھ دیر شہداء موتہ کے مرقد پر اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ موتہ پہنچے، یہ وہی موتہ ہے جس کی جانب

ایک عظیم اسلامی جنگ منسوب ہے جس کے حالات و واقعات ہم اسلامی سیرت، تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، اس معرکہ میں مسلمانوں نے غیر معمولی شجاعت و جوانمردی کا ثبوت دیا تھا، موتہ کرک کے جنوب میں ۱۲ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک کشادہ میدان میں واقع ہے، غزوہ موتہ ۳۸ھ میں پیش آیا تھا، اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ۳ ہزار اور رومیوں اور عیسائی عربوں کی مجموعی تعداد تقریباً ۲ لاکھ تھی، حضرت زید بن حارثہؓ اس جگہ کے قریب شہید ہوئے تھے، جو اس وقت مشہد کے نام سے مشہور ہے، حضرت زیدؓ کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے علم اٹھایا، داہنا ہاتھ کر کرک انو بائیں ہاتھ میں علم کو لے لیا، وہ بھی کرک گیا تو دونوں بازوؤں سے اس کو تھام لیا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، اسی موقع پر آپ کو "جھنڈا" اور ذوالجناحین کا لقب ملا، آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم لیا اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے بعد مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو علم دیا اور آپ غیر معمولی شجاعت اور جانبازی سے لڑتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی اور رومی شمال کی طرف اور مسلمان جنوب کی طرف چلے گئے۔ اور دونوں فوجوں نے صبح تک کے لئے ہتھیار رکھ دیئے، اس اشارہ میں حضرت خالدؓ نے ایک اسکیم تیار کی اور اپنے لشکر کی ایک بڑی تعداد کو اپنی فوج کے پیچھے ایک لمبی لائن پر تعینات کر دیا جس نے صبح ہوتے ہی ایک ہنگامہ برپا کر دیا، دشمن نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تازہ کمک پہنچی ہے، اور جب پہلے روز صرف ۳ ہزار افراد نے رومیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے، بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اور ان کے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے تو تازہ کمک تو نہ جانے

لے، و انہ کی تفصیلات اور اسباب معلوم کرنے کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام حصہ سوم ص ۳۳-۳۴ و طبع مسطفی البابی الحلبی مصر، دوسرا ایڈیشن، سیر و مغازی کی دوسری کتابوں میں بھی تفصیل موجود ہے۔

ان کے ساتھ کیا کرے گی جس کی تعداد بھی کسی کو معلوم نہ تھی، یہ سوچ کر رومیوں حضرت خالدؓ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی اور ان کو خوشی ہوئی کہ حضرت خالدؓ نے بھی ان پر حملہ نہیں کیا۔ اس سے زیادہ رومیوں کو اس پر خوشی تھی کہ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھی، مدینہ واپس چلے گئے اور جنگ میں ان کو فتح نہیں حاصل ہو سکی، اگرچہ رومیوں کو بھی فتح نہیں حاصل ہوئی تھی۔ ہم اس جگہ پر کچھ دیر خاموش اور سر جھکائے کھڑے رہے، اور ان جاں بازوں کی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی پر محو حیرت تھے، جو مدینہ سے موتہ مواب کے علاقہ میں آئے تھے، اس علاقہ میں جو دنیا کی سب سے طاقتور سلطنت کے زیر نگیں تھا، فوج، رسد اور جنگی وسائل کے اعتبار سے یہ سلطنت دنیا کی دوسری تمام حکومتوں پر فوقیت رکھتی تھی، مدینہ اور موتہ کے درمیان تقریباً ۱۱۰۰ کیلو میٹر کا فاصلہ ہے، یہ طویل مسافت اسلام کے مجاہدوں نے اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعہ طے کی، اور مدینہ سے نکلنے کے بعد ان کو کمک ملی نہ رسد اور نہ دار الخلافہ سے ان کا کوئی رابطہ باقی رو گیا تھا، اور وہ دشمن کے جبروں میں داخل ہو رہے تھے، سیرت ابن ہشام میں ہے۔

”پھر وہ آگے بڑھے اور ملک شام میں معان کے مقام پر قیام کیا، وہاں حلوم ہوا کہ ہرقل بلقار کے علاقہ سے ایک لاکھ رومیوں کو لیکر مواب پہنچ چکا ہے، اور لحم، جزم، قین، بحر اور بلجی کے قبائل کے ایک لاکھ افراد بھی اس کے ساتھ ہو گئے ہیں جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا تو وہ دو دن معان میں ٹھہرے صورت حال پر غور کرتے رہے، اور انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھا جائے، اور آپ کو دشمن کی تعداد کی اطلاع کی جائے تو آپ یا تو کمک روانہ فرمائیں ورنہ جو حکم دیں، اس کے مطابق ہم عمل کریں اسکے بعد

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو جوش دلایا آپ نے کہا: لوگو! تم جس سے گھبراتے ہو وہی چیز تو ہے جس کے لئے تم یہاں آئے ہو یعنی شہادت ہم لوگوں سے تعداد کی کثرت اور طاقت کے سہائے جنگ نہیں کرتے، ہم تو اس دین کے ذریعہ جنگ کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو نوازا ہے پس چلو، دو نعمتوں میں سے ایک تو ضرور ہی ملے گی، غلبہ یا شہادت، تو لوگوں نے کہا: خدا کی قسم ابن رواحہ نے بالکل صحیح بات کہی، اور لوگ نکل پڑے۔

اور پھر جنگ ہوئی مسلمانوں کے تینوں سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اسے کہتے ہیں، مومن عقل اور مومنانہ انداز فکر، جو مومنین اولین میں بدرجہ اتم موجود تھا، اور جس سے بعد کے مسلمان محروم ہو گئے، اسی وجہ سے مسلمانوں کے ماضی اور حال کے درمیان اتنا نمایاں اور واضح فرق ہو گیا ہے۔

ہم نے تینوں سپہ سالاروں کی قبروں کی زیارت کی، یہ حضرات اپنی شہادت کے مقام ہی پر دفن ہیں، سیدنا جعفر بن ابی طالب کی مسجد بھی دیکھی، اور آپ کے مزار پر آپ کی بے نظیر شجاعت کے کارناموں کو یاد کرتے رہے، یہ مسجد اور مزاروں پر بلند گنبدوں کی تعمیر ہاشمی دور میں ہوئی تھی، محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے سیاحوں کو جو پمفلٹ دیئے جاتے ہیں، ان میں ان مزارات کی تاریخ اور ان کے متعلق ساری تفصیلات درج ہوتی ہیں، ان مزارات پر جس وقت ہم فاتحہ پڑھ رہے تھے، اپنا وجود ہم کو بہت حقیر اور بے حیثیت نظر آ رہا تھا۔

موتہ کے تاریخی مقامات

سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مسجد کے پاس ایک اسلامی میوزیم ہے، جو ابھی تکمیل کے مرحلہ

میں اور بالکل ابتدائی حالت میں ہے، اس میں اسلامی آثار و مخطوطات رکھے گئے ہیں، میوزیم کا انتظام وزارت اوقاف کے ذمہ ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میوزیم کی تاریخ پرانی ہے، اور اس کو الملک الناصر محمد بن قلاوون کے عہد میں شوبک اور کرک کے نائب السلطنت بہادر البدر الملکی الناصری نے ۷۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا، میوزیم میں استاد محمود الافغانی وغیرہ کے جمع کئے ہوئے اسلامی آثار بھی ہیں۔

بترا کا سفر

موتہ سے ہم نے بترا اور معان کا رخ کیا، راستہ میں "مخطہ" نامی بستی سے گزرے، وہاں کا پانی معدہ کی اصلاح اور ریگ و پتھری کے امراض کے لئے مشہور سمجھا جاتا ہے، او دور دور سے لوگ پینے کے لئے آتے ہیں، "ضانہ" نامی بستی سے بھی گزر ہوا، اور کچھ وقت شوبک میں گزارا اور وہاں کا زراعتی اسکول دیکھا اور وادی عربہ سے بھی گزرے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا، اور عصر کی نماز ادا کی اس کے بعد ایک سیاحتی اور تاریخی دورہ کے لئے جانا تھا، جس کے لئے چستی اور نشاط کی ضرورت تھی۔ اور پھر بترا کے لئے روانہ ہو گئے، بترا قدیم تاریخی شہر ہے جس کی تاریخ

لے اردن کے لوگ اسی طرح بولتے ہیں لیکن قدیم مورخین اور جغرافیہ دانوں نے اس کو بطرا، اور بطرہ ضبط کیا ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ وہ مقام ہے جس کو عبرانیوں نے "سلح" لکھا ہے، اور جس کا ذکر اشعیا ۱۶-۱ اور ملوک ۲-۵۴ میں آیا ہے، اور یہی وہ چٹانی عربی قصبہ ہے، جو یونانیوں اور رومیوں کے یہاں بہت مشہور تھا، نبطیوں نے جو عربی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ہزاروں سال پہلے اس شہر کو قائم کیا تھا، تہذیب و تمدن میں انھوں نے بہت ترقی کر لی تھی، ان میں (باقی صفحہ ۲۷۸)

ہزاروں سال پرانی ہے، عرب بنطیوں نے یہ شہر آباد کیا تھا، حجر اور مدائن صالح کی طرح
یہ شہر بھی پہاڑوں کے اندر کھود کر بنایا گیا تھا، بعض ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ یہ آثار
سنگتراشی، ترتیب، تزیین اور سلیقہ مندی کا ریکری کے اعتبار سے نمود کے آثار سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں،
ہماری کاریں ایک لمبی اور کھلی سرنگ سے ہوتی ہوئی پہاڑ میں ترشنے ہوئے ایک راستہ
سے گزریں، جو کئی کلومیٹر لمبا تھا، اور بار بار مڑتا تھا، اور اس کے دونوں طرف دواونچے
پہاڑ تھے، پھر ہم ایک شہر میں داخل ہوئے جس میں تہذیب و تمدن کے تمام مظاہر موجود
ہیں، محل، ایوان، بازار، عدالت اور تختہ سرطیں سب پہاڑ کو تراش کر بنائی گئی ہیں، ہماری
رہنمائی استاد رفیق وفاد جانی کر رہے تھے، وہ ان تمام آثار ان کی تعمیر اور ان کے مقاصد
کی وضاحت کرتے جاتے تھے، اگر وہ نہ ہوتے تو ہمارے لئے یہ تاریخی دورہ کچھ زیادہ مفید
نہ ثابت ہوتا اور اس سے زیادہ کچھ احساس نہ ہوتا کہ ہم ایک تنگ و تاریک سرنگ میں
چل رہے ہیں۔

اس وسیع شہر کو ہم مکمل طور پر نہ دیکھ سکے اور نہ ہمارے لئے اس مختصر وقت میں
یہ ممکن تھا، اس لئے کہ بترا کا قبہ ۳۰ کلومیٹر مربع ہے بہر حال یہ سفر معلومات افزا ہونے
کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز اور سبق آموز بھی تھا، اور ہم کو آیت کریمہ۔

وَتَعْلَمُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا
فَارْهَقْنَ۔ (الشعراء - ۱۴۹) گھر بناتے ہو۔

(باقی ۲۷۷ کا) شعراء اطباء اور بڑے بڑے تاجر تھے جو مصر و شام اور فرات و روم کے علاقوں کا
سفر کرتے رہتے تھے، اس کے باوجود وہ بہت پرست تھے، لات "جس کو شہابی حجاز کے لوگ اٹھالائے
تھے، اور جو ان کے یہاں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، انھیں بنطیوں کے بتوں میں سے ایک تھا۔

کی مکمل تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔

رات میں عمان واپس آئے، بہت طویل فاصلہ طے کرنا پڑا تھا، اس سے پہلے ہم نے کار سے ایک روز میں اتنا طویل فاصلہ کبھی طے نہیں کیا تھا، اور ہمارے ذہن میں معلومات، تاثرات اور یادوں کا ایک ہجوم تھا۔

عمان سے روانگی

۲۰ اگست ۱۹۷۳ء، دو شنبہ کے روز ہم کو عمان سے ہندوستان کے لئے روانہ ہونا تھا۔ طیارہ کی روانگی کا وقت شام کو تقریباً ساڑھے ہم بجے تھا۔ جو احباب آخری ملاقات کے لئے تشریف لائے ان میں شیخ اسعد اکسینی سابق خطیب مسجد اقصیٰ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، شیخ کچھ دیر ہمارے ساتھ رہے، انھوں نے بیت المقدس کے یہودیوں کے قبضہ میں جانے کے چشم دید حالات اور عرب ہنماؤں کی کمزوری و بے حسیتی کے واقعات سنائے، ان کی گفتگو بڑی موثر اور رقت انگیز تھی، اسی طرح رابطہ علوم اسلامیہ کے صدر اساتذہ تیسیر ظبیان اہل علم کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے، قبرص کے ایک ترکی وفد نے بھی ہم سے ملاقات کی اور اس ملک کی موجودہ صورت حال کی وضاحت کی جو ایک سنگین عبوری مرحلہ سے گزر رہا ہے، اور جہاں ترک مسلمان اپنی اسلامی شخصیت و انفرادیت اور اپنے قومی وجود کے تحفظ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

اساتذہ کمال الشریف نے موتمر اسلامی کی جانب سے وفد کے اعزاز میں ایک ٹھہرانہ دیا، جس میں بعض ان علمی اور دینی شخصیات سے ملنے کا اتفاق ہوا جن سے اس مختصر دورہ میں پروگراموں کے ہجوم کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی، مثلاً کلینۃ الشریعہ کے پرنسپل شیخ عبدالعزیز خياط علیہ

ہمارے محترم میزبان ڈاکٹر اسحاق فرحان ہم کو رخصت کرنے کے لئے ہوٹل
 تشریف لائے آپ کے علاوہ اور بھی بہت سے دوسرے اساتذہ اور معزز حضرات آئے
 اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہو گئے، ہمارے فاضل دوست
 اور رفیق وفد ڈاکٹر عبدالشہ عزام جن کا ہمارے دلوں پر بہت گہرا اور خوشگوار اثر ہے ہمارے
 دیرینہ رفیق ڈاکٹر ادیب صالح ایڈیٹر رسالہ "حضارۃ الاسلام" اور شام یونیورسٹی میں
 کلیۃ الشریعہ کے استاذ جوان دنوں کلیۃ الشریعہ عمان میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے
 آئے ہوئے تھے، اور جن سے ایک طویل وقفہ کے بعد ہماری ملاقات ہوئی تھی، سعودی
 قائم مقام سفیر اساتذہ محمد میمنش اور استاذ کامل الشریف نے وفد کو رخصت کیا، اللہ تعالیٰ
 ان تمام حضرات کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔



اشعاریکہ (انڈکس)

مرتبہ

مجموعیات الدین ندوی

اشخاص

- (الف)
- ۱۰۵— (سیدنا حضرت) ابراہیم علیہ السلام
 ۲۶۹— (حضرت عبداللہ) ابن عباسؓ
 ۲۸— (حضرت) ابوبکر صدیقؓ
 ۱۰۴— (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہؓ
 ۲۱۸— ابراہیم حسنی
 ۲۵۹، ۲۵۱، ۲۲۰— (شیخ محمد) ابراہیم شقرہ
 ۴۳— (شیخ محمد) ابراہیم مجددی
 ۴۱— ابلیس
 ۱۴۴— (شیخ الاسلام) ابن تیمیہ حرانی
 ۲۶۴، ۱۸۸— (علامہ) ابن جوزی
 ۲۰۱— ابن الجہم
 ۸۹— ابن خلکان
 ۱۸۱— (علامہ) ابن عابدین (صاحب شامی)
 ۴۲— (علامہ) ابن قیم
 ۹۳— ابواسحاق شیرازی
 ۹۴، ۳۷— (مولانا) ابوالاعلیٰ مودودی
 ۸۳— ابوبکر رازی
 ۸۳— ابوبکر رازی طبیب
- ۹۰— (شکلم) ابوبکر محمد بن نورک
 ۲۶۴، ۱۳۴، ۱۳۰— ابوتام طائی
 ۲۵۹، ۲۵۸، ۱۲— (مولانا) ابوالحسن علی ندوی
 ۱۹۰، ۱۳۰— (امام) ابو حنیفہؒ
 ۹۰— (امام) ابوداؤد ظاہری
 ۲۵۰، ۴۸— ابوریحان بیرونی
 ۲۶۴، ۱۳۰، ۴۹— ابوالعلاء المعری
 ۲۶۹— (حضرت) ابوعبس
 ۱۸۸، ۹۰— ابوالفرج اصفہانی
 ۱۸۸، ۹۰— ابونعیم اصفہانی
 ۸۰— ابوالنفا سم مشیری
 ۹۴— (مولانا) ابوالکلام آزاد
 ۱۳۰— ابوزید بطنائی
 ۱۸۱— (ڈاکٹر) ابوالبرسین عابدین
 ۱۹۰— (امام) ابویوسفؒ
 ۲۱۵، ۱۲۷، ۱۱۶— (محمد) اجمل اصلاحی ندوی
 ۲۰۵، ۱۸۸— (امام) احمد بن حنبلؒ
 ۱۹۱— احمد اکجیری
 ۱۹۰— احمد حسن بکر (صدر جمہوریہ عراق)

- ۱۰۵ ————— (میر) انیس
 ۱۴۲ ————— (مفتی محمد) انیس حمود
 ۱۳۳، ۱۳۰ ————— (امام عبدالرحمن) اوزاعیؒ



- بابر ————— ملاحظہ ہو ————— ظہیر الدین
 بچہ سقہ ————— ملاحظہ ہو ————— حبیب اللہ
 بکتری ————— ۲۶۴، ۱۱۳

- بخت نصر ————— ۹۴
 بدیع الزماں ہمدانی ————— ۴۸
 برہان الدین ربانی ————— ۲۷

- بشار ————— ۳۸
 (قاضی) بشیر البانی ————— ۱۷۳
 (مؤرخ) بغدادی ————— ۸۶

- (محمد) بہجتہ البیطار ————— ۱۸۱
 (خواجہ) بلغار ————— ۵۰
 بہادر البدر الملکی الاناصری ————— ۲۷۷

- (ارباب) بہرام خاں ————— ۲۷۰
 (سلطان) بہرام شاہ ————— ۴۹، ۴۸
 (سید) بہلول دانا ————— ۵۰

- (پروفیسر) پوپ (امریکی مستشرق) ————— ۸۷



- تاج الدین سکی ————— ۸۷
 (حاجی) نرنگزی ————— ۴۴

- (شیخ) احمد الدفر ————— ۱۸۱

- (شیخ) احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) ————— ۱۴۴، ۲۸

- احمد شاہ ابدالی ————— ۶۰، ۱۹، ۱۸

- (حضرت سید) احمد شہیدؒ ————— ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۳، ۲۲

- (مفتی شیخ) احمد گفتارو ————— ۱۷۸، ۱۷۳

- احمد محمد جمال ————— ۳۴، ۳۲، ۲۸-۳۰، ۲۵، ۲۴

- ۱۳۰، ۱۱۷، ۵۶، ۴۵، ۳۹، ۳۸

- ۲۷۳، ۲۵۱، ۲۲۴، ۱۸۲، ۱۵۳

- (سیدنا) احنف بن قیس ————— ۲۰۵

- ادیب لشکلی ————— ۱۲۷

- ادیب صالح ————— ۲۸۰

- ازمون ملاحظہ ہو ————— منوچہر

- اسحاق فرحان ————— ۲۸۰، ۲۲۸، ۲۱۹، ۲۱۸

- (محمد) اسد (سابق لیوپولڈ) ————— ۱۶۹

- اسدی ————— ۴۸

- اسعد احمینی ————— ۲۷۹

- اسماعیل صفوی ————— ۹۰

- (ڈاکٹر سر محمد) اقبال ————— ۱۵۰، ۴۱، ۲۵، ۲۱

- ۱۱۹، ۱۱۴، ۸۵، ۷۰، ۶۹

- (امیر) امان اللہ خاں ————— ۴۳، ۴۱، ۳۱، ۲۰، ۱۹

- امین بروسک ————— ۲۴۰، ۲۳۹

- (مفتی) امین احمینیؒ ————— ۱۴۶

- امین الریجانی ————— ۱۳۵

حسین قوتلی ————— ۱۳۸، ۱۳۳، ۱۳۲

(مفتی) حسین محمد خلوت ————— ۱۳۱

(ڈاکٹر) حسین نصر ————— ۸۲

(ڈاکٹر) حسین سیکل ————— ۲۴۵

(مسٹر) حنیف محمد حنیف ————— ۲۴

(خ)

(حضرت) خالد بن ولیدؓ ————— ۲۴۵، ۲۴۴

(شیخ) خلیل ————— ۱۳۲، ۱۳۳

(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ————— ۱۹

خلیل عنانی ————— ۱۳۲

(ذ) (ذ)

دارائے اول ————— ۱۹۳

(سردار) داؤد خاں ————— ۵۳، ۵۲

(مرزا) دبیر ————— ۱۰۵

ذوالقرنین ————— ۹۴

(س)

(امام) راغب اصفہانی ————— ۹۰

(مولانا) رشید احمد گنگوہیؒ ————— ۴۴

رشید میقاتی ————— ۱۴۱

رفیق وفاد جانی ————— ۲۴۸، ۲۴۶، ۲۴۵

(س)

(حضرت) زید بن حارثہؓ ————— ۲۴۶، ۲۴۴

زاہر کفارتو ————— ۱۴۳

تقی الدین الصلح ————— ۱۵۳

(آیت اللہ) تقی القمی ————— ۱۱۰، ۸۵، ۸۲

تمیز طبیان ————— ۲۴۹، ۲۳۹

(ج)

(حضرت) جعفر بن ابی طالبؓ ————— ۲۴۶، ۲۴۴

جعفر کتانی ————— ۱۸۰

(ح)

(حضرت) حسین ابن علیؓ ————— ۱۰۵

(حضرت) حذیفہ یامانیؓ ————— ۱۹۴

(خواجہ) حافظ ————— ۹۲، ۸۰

حبیب اللہ (بچہ سقہ) ————— ۲۰

(امیر) حبیب الشرفاں ————— ۱۹

(آیت اللہ) حبیب الشریعیانی ————— ۸۵، ۸۲

حریری ————— ۲۶۴

(آیت اللہ) حسن امامی ————— ۸۲

(امام) حسن بصریؒ ————— ۲۱۳، ۱۴۴

حسن البنا، شہیدؒ ————— ۱۳۲

حسن اقل ————— ۲۱۹

حسن جنگلہ ————— ۱۴۹

(مفتی شیخ) حسن خالد ————— ۱۶۰، ۱۵۲، ۱۳۳، ۱۳۲

(شاہ) حسین ————— ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۱۸

حسین الجسر ————— ۱۴۰، ۱۳۹

حسین الشادی ————— ۱۹۱

شریعتداری ————— لحاظ ہو ————— کاظم	۸۷ ————— (ڈاکٹر) زویمر
۲۶۴ ————— شریف رضی	۱۶۱ ————— زیر شاویش
۱۶۷ ————— شکری القوتلی بے	۱۸۱ ————— (شیخ) زین العابدین
۲۶۱/۱۵ ————— (امیر) شکیب ارسلان	(ص)
۱۱ ————— شمس الحق ندوی	۶۷ ————— (حضرت) سعد ابن ابی وقاصؓ
۵۰ ————— شمس العارفین	(حضرت) سلمان فارسیؓ ————— ۱۹۵/۶۷
۱۷۴/۱۶۶ ————— (احمد) شوقی	۲۵۰ ————— صالح ہروی (مؤرخ)
۶۰/۴۸ ————— (سلطان) شہاب الدین غوری	(شہنشاہ) سائرس اعظم ————— ۹۴
۸۲ ————— (پروفیسر) شیخ الاسلام	(شیخ) سعدیؒ ————— ۹۲/۸۰
(ص) (ص)	سعدی یاسیس ————— ۱۳۲/۲۴
۲۶۴ ————— (ابو اسحاق) صابی	(ڈاکٹر) سعد الراوی ————— ۱۹۴
۴۳/۴۲ ————— (شیخ محمد) صادق مجددی	(ڈاکٹر) سعید رمضان ————— ۲۲۷
۲۴۲ ————— صالح بن شریف رندی	(شیخ) سعید النعمانی ————— ۱۲۴
۲۴ ————— (شیخ محمد) صالح قزاز	(مولانا سید) سلیمان ندوی ————— ۴۶/۲۵/۲۱
۸۵ ————— (شاعر) صاوی شعلان	(شیخ) سلیم جلال الدین ————— ۱۴۵
۱۵۳ ————— صائب سلام	سلیم سوسان ————— ۱۴۲
۱۵۳ ————— (ڈاکٹر) صبحی صالح	سمیع الدین زوند ————— ۳۹
۱۳۹/۴۳ ————— صبغة الشعر مجددی	(حکیم) محمود سنائی ————— ۵۰/۴۹/۴۶
۹۳ ————— (علامہ) صدر الدین شیرازی	(امام) سیبویہ ————— ۱۳۰
۲۳۲/۱۸۱ ————— (سلطان) صلاح الدین ایوبیؒ	(سلطان) سیف الدین ————— ۴۸
۱۶۶ ————— صمد بن عبد اللہ	(مولانا) سیف الرحمن ٹوکی ————— ۴۴
۱۹۳ ————— ضیاء الدین بابا خالوف	(مش)
	(شہنشاہ) شاہ جہاں ————— ۸۸

(شیخ) عبدالرزاق فیاض ۱۸۹۱/۱۹۱۳

(سید) عبدالرزاق کلامی ۲۳۰

عبدالرزاق محی الدین ۱۹۵

عبدالرسول سیاف ۳۹۰۲۶۱۲۵

عبدالستار السید ۱۴۹

عبدالستار سیرت ۳۸

(مولوی) عبدالسلام مجددی ۴۳

(مولوی) عبدالعزیز ۴۴

(شیخ) عبدالعزیز خیاط ۲۴۹

(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی ۱۳۰۰/۱۳۰۲

۱۸۸۰-۱۹۰۱/۱۹۲۱/۱۹۴۵

(شیخ) عبدالکریم ۱۹۳

عبدالکریم قاسم ۲۰۱

(ڈاکٹر) عبداللطیف خاں ۲۱۸

(شیخ) عبدالحسن سمان ۱۳۲

عبدالهادی ۳۰

عبدالهادی ہدایت ۳۹

عبدالشرار نصاریٰ ۱۳۱/۱۴۲

عبدالشرار ہسبری ۱۸۲/۱۳۱

(ملک) عبداللہ بن حسین ۲۲۲/۲۲۱

عبدالترک ۲۴۴

عبدالرشید عباس ندوی ۱۳۰۱/۳۲۰۲۳

عبدالرشید عوام ۲۸۰۰/۲۱۹

(ط)

(مؤرخ ابو جعفر) طبری ۶۴

(شیخ) طہ صابونچی ۱۴۱

(ظ)

(ملک محمد) ظاہر شاہ ۵۲

(سلطان) ظہیر الدین بابر ۴۶۰۴۵

(ع)

(حضرت) علی علیہ السلام ۱۵۲/۱۵۰/۱۱۰۵

(ام المؤمنین حضرت) عائشہ ۱۰۴

(سیدنا حضرت) علی کرم الشریعہ ۱۰۴/۱۳۴

۲۶۴/۲۳۱/۲۰۵/۱۰۵

(حضرت) عبداللہ بن رواحہ ۲۴۶/۲۴۴

(شاہ) عباس صفوی ۹۱۰۹۰

(ڈاکٹر) عباس مہاجرانی ۸۲

(امیر) عباس ہویدا ۸۱

(شیخ) عبدالباقی جمو ۲۵۰

عبدالکریم عابدین ۱۳۲

(سلطان) عبدالحمید خاں ۲۳۳

(مولانا سید) عبدالحی حسنی ۱۸

عبدخلع ۲۶۶/۲۱۸

(امیر) عبدالرحمن خاں غازی ۲۶۱/۲۵۰/۱۹

(محمد) عبدالرحمن خلیفہ ۲۴۸/۲۴۴/۲۴۵

(شیخ) عبدالرزاق صدق ۲۱۸

۴۸ غضاری	۱۳۹ (شیخ) عدنان الجبر
۴۴ غلام ربانی	۲۱۹ عزالدین خطیب
۲۹/۲۶/۲۵ غلام محمد نیازی	۴۴ (مولوی) عزیز الرحمن
۹۳ (امیر) غیاث الدین منصور	۴۸ مصبیدی
(ف)	(سلطان) علاء الدین جیلین بن جیلین (جبار روز)
۱۹۵ فاضل طائی	۸۴ (آقائے) علی اصغر حکمت
۹۳ (امیر) فتح اللہ شیرازی	۱۹۶ علی بابا
۲۰۹ (مولانا) فتح محمد جاندهری	۹۳ علی بن عیسیٰ ابوالحسن الربعی (امام نوح)
۸۳ (امام) فخر الدین رازی	۱۶۱ علی حسن فدعق
۵۰/۴۸ فرزنی	۱۸۱ (شیخ) علی الدقر
۸۶/۸۵/۴۸ فردوسی	(امام) علی رضا ابن موسی کاظم ۸۹/۸۶/۸۴/۱۰۲
۲۱۲ فرعون	۱۸۹ علی صقر
۴۳۱/۴۲۱ (نور المشائخ شیخ) فضل عمر مجیدی (شیر آغا)	۲۴۷ (محمد) علی الظاهر
۹۰ (خواجہ) فرید الدین عطار	۲۱۹ علی فریح
۲۲۶/۲۲۲/۵۶/۲۴۳ (شاه) فیصل ابن عبد العزیز	(شیخ) علی الفوزان ۲۵
۱۵۴ فیصل مولوی	۵۰ (سید) علی لالا
(ق)	۲۷۲/۲۵۹ (سیدنا) عمر بن عبد العزیز
۲۱۲ قارون	۹۰ عمر خیام
۲۲۲ (شیخ) قاسم امیری	۱۶۱ عمر داقوق
۲۷ (سید) قطب شہید	۴۸ حفصی
(ک) (ل)	(ڈاکٹر) عیسیٰ صدیق ۸۴
۲۲۸/۲۲۴/۲۲۱/۲۱۸ (سید) کامل الشریف	(غ)
۲۸۰/۲۷۹/۲۶۰/۲۵۱/۲۴۱/۲۳۹	(امام احمد) غزالی ۱۸۸/۸۷/۸۶

۲۰۵	(ابوعبداللہ) محمد بن النضر المروزی	۳۹	کامل شنواری
۱۹۱	محمد اتقی انجواد	۸۱	کاظم زاده
۱۸۱	(شیخ) محمد انصر حسین تولنی		(آیت اللہ العظمی سید محمد) کاظم شریعتداری
۱۱۶۱۸۵۱۸۲	(آیت اللہ مرزا) محمد خلیل مکرم ای	۱۲۳۱۸۴۱۸۲	
۱۸۱۱۱۳۱	(مولانا) محمد رابع حسنی ندوی	۹۲	(سلطان) کریم خان
۵۶۱۵۳۱۲۵	(شیخ) محمد احمد البشلی	۱۳۰	(امام) کسائی
۲۸	محمد سیلانی	۲۴	(مولانا) لطف اللہ علی گڑھی
۸۸	(سلطان) محمد شاہ	۳	
۹۱	(آغا) محمد شاہ	۱۰۲	(حضرت) مریم علیہا السلام
۳۸	(ڈاکٹر) محمد صدیق	۱۸۳	(سیدنا) موسیٰ علیہ السلام
۳۹	(مولانا) محمد صدیق کباری	۲۷۰	(حضرت) معاذ بن جبل
۱۳۲	محمد صفوت سقا	۲۳۸	مالک
۱۳۲	(شیخ) محمد علی جوز	۸۹	(خلیفہ) مامون رشید
۱۳۹۱۱۴۱	محمد علی ضاوی	۱۶۲	(شاہزادہ امیر) تعجب بن عبدالعزیز
۲۴۱۲۸	(مولوی) محمد گل	۲۳۸	مستم بن نویره
۱۶۱	محمد مبارک	۲۶۴۱۱۹۲۱۱۳۰	متنبی
۸۲	(ڈاکٹر) محمد محمدی		(حضرت) محمد الف ثانی ملاحظہ ہو احمد سرحدی
۱۳۱	(شیخ) محمد محمود الصواف	۳۹۱۲۵	(شیخ) محمد اسلام تسلیم
۱۷۳	(شیخ) محمد مطلق	۱۷	(علامہ) محمد اسلم ہروی
۲۷	(ڈاکٹر) محمد موسیٰ قوانا	۲۳۹۱۲۲۱	(شیخ) محمد امین شنفیظی
۲۸	(ڈاکٹر) محمد موسیٰ شفیق	۱۳۳	(شیخ) محمد برکات
۲۸۰۱۲۶۵۱۲۱۸	محمد میش	۸۳	محمد بن ذکریا رازی
۲۷۷	محمد الاغضانی	۲۷۷	(الملك المنصور) محمد بن قلاؤن

- ۲۱۲۰ ————— (جنرل محمد) نادر خان
 ۸۸، ۴۳ ————— نادر شاه افشار
 ۱۴۱ ————— (شیخ) ناصر الصالح
 ۱۹۲ ————— (مفتی شیخ) نجم الدین واعظ
 ۱۴۰، ۱۳۹ ————— (شیخ) ندیم الجسر
 ۱۲۴، ۱۷۷ ————— نذر الخفیظ ندوی
 ۸۶ ————— نصیر الدین طوسی
 ۸۶ ————— نظام الملک طوسی
 ۱۶۱ ————— (شیخ) نمر الخطیب
 (علامہ) نور الدین علی ————— ملاحظہ ہو ————— ملا علی
 نور عظیم ندوی ————— ۱۳
 (حضرت) نور المصباح ————— ملاحظہ ہو ————— فضل عمر
 ۵
 ۸۲ ————— (علامہ) وحیدی
 ۱۳۰ ————— (سلطان) ولید
 ۱۹۵ ————— ولید الاعظمی
 (حضرت شاہ) ولی اللہ محدث دہلوی ————— ۱۹
 ۴
 ۸۲ ————— (سید) ہادی خسرو شاہی
 ۱۳۰، ۸۹، ۸۷، ۸۶ ————— (خلیفہ) ہارون رشید
 ۲۰، ۱، ۱۸۵
 ۴۳، ۳۸ ————— (شیخ محمد) ہاشم مجددی
 ۲۱۲ ————— ہامان
 ۴۴ ————— (شیخ النعمان مولانا) محمود حسن
 ۶۸، ۶۰، ۵۵، ۴۶، ۱۵ ————— (سلطان) محمود غزنوی
 ۱۷۳ ————— (شیخ) محی الدین ابن عربی
 ۱۷۴ ————— مروان ابن الحکم
 ۲۵، ۲۱ ————— (سرراس) مسعود
 ۴۹ ————— (سلطان) مسعود بن محمود
 ۲۲۵ ————— مشہور حسن جمود
 ۲۳۹ ————— (ڈاکٹر) مصدق
 ۲۳۹ ————— (شیخ) مصطفی احمد زرقاں
 ۲۰ ————— مصطفی کمال پاشا
 معمری ————— ملاحظہ ہو ————— ابوالاعلا
 (سیدہ) معصومہ ————— ۸۴
 ۲۵۰ ————— مقدسی
 ۱۸۰ ————— (شیخ سید) مکی الکتانی
 ۴۲ ————— (علامہ نور الدین) ملا علی قاری
 ۲۹ ————— ملالی (افغانی خاتون)
 ۸۰-۸۲ ————— (ڈاکٹر) منوچہر ازمنون
 ۴۸ ————— منوچہری (فارسی شاعر)
 (مولانا) مودودی ————— ملاحظہ ہو ————— ابوالاعلیٰ
 ۱۹۱ ————— (امام) موسیٰ کاظم
 ۱۸ ————— میرزاہد
 ۵
 ۱۹۵ ————— (ڈاکٹر) حاجی معروف

۲۳۲ ————— (داکٹر) ہر نزل	(محمد) یسین عظیم ————— ۳۸
۲۷۵ ————— ہرقل	یسوع مسیح ————— ملاحظہ ہو ————— حضرت عیسیٰ
(۷)	(سید محمد) یعقوب ہاشمی ————— ۲۸، ۱۲۵
۲۵۰ ————— (مورخ) یاقوت	یوسف عز الدین ————— ۱۹۵
۷۳ ————— (یزدگرد) (شاہ ایران)	یوسف اعظم

فرق و ملل

۱۹۱۱۱۰۷۱۰۲ ————— اشاعتی	۱۸۸۱۱۰۳۱۹۷ ————— شافعی
۱۸۸ ————— اشاعرہ	شیعوہ ————— ۱۹۷۷۱۱۲۲۱۱۰۷۱۰۳
۱۸۸۱۱۰۶۱۰۳ ————— اہل سنت	مارونی فرقہ ————— ۱۲۸
۱۸۸۱۱۰۳ ————— حنبلی	مالکی ————— ۱۰۳
۱۹۰۱۱۸۸۱۱۰۳۱۹۷۱۲۰ ————— حنفی	مسیحی (عیسائی) ————— ۲۳۱۱۱۵۰
۱۲۲۱۱۰۷۱۹۷۱۲۰ ————— سنی	معتزلہ ————— ۱۸۸

اقوام و قبائل - نسل و خاندان

۴۶، ۲۲، ۲۲، ۲۱ ————— افغانی (اہل افغانستان)	۱۲۰ ————— اہل طرابلس
۵۳، ۴۱، ۴۰، ۳۴، ۲۹ ————— ۳۱، ۲۷	اہل مغرب (یورپین) ————— ۱۶۹، ۱۴۹، ۱۳۶، ۱۵۴، ۱۲۰
۶۴، ۶۲، ۶۱، ۵۹، ۵۸، ۵۶، ۵۵	۲۵۷، ۲۳۶، ۲۲۵
۶۵، ۶۸	اہل ہند (ہندوستانی) ————— ۱۱۹، ۲۵، ۲۱، ۲۰
۲۱۳ ————— اموی	بابلی ————— ۱۹۶
۲۴۲ ————— اندلسی	برطانوی ————— ۱۹
۴۴، ۴۰، ۲۵، ۱۹، ۲۱ ————— انگریز	(قبیلہ) بحر ————— ۲۷۵
۸۸، ۸۱، ۶۷، ۶۴، ۳۳ ————— اہل ایران (ایرانی)	(قبیلہ) بلخی ————— ۲۷۵
۲۳۹، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۱ ————— ۱۱۴، ۱۰۵، ۹۸، ۹۷، ۹۵	

عیائی - ۲۲۵، ۲۲۴، ۱۵۱، ۱۴۷، ۴۹، ۱۳۷	ترک - ۲۷۹، ۹۱، ۶۴، ۴۰، ۱۶
۲۳۹ غزنوی - ۴۸، ۱۶	تغلق - ۱۶
۴۸، ۱۶ غوری - ۴۸، ۱۶	قوم (شود) - ۲۷۸، ۲۱۲
۱۴۷، ۱۳۶، ۱۳۰ فرانسیسی - ۱۴۷، ۱۳۶، ۱۳۰	قبیلہ (جزام) - ۲۷۵
۱۹۶ قرنی - ۱۹۶	جرمن - ۲۲۷
۲۴۱، ۲۲۶، ۲۲۴، ۱۱۳۷ فلسطینی - ۲۴۱، ۲۲۶، ۲۲۴، ۱۱۳۷	خاندان غلامان - ۱۶
۸۳ قاجاری - ۸۳	خلجی - ۱۶
۲۷۵ (قبیلہ) تبین - ۲۷۵	رومی - ۲۷۷، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۴۱، ۱۳۳
۱۸۰ کتانی (حسی سادات) - ۱۸۰	زند (خاندان) - ۹۳، ۹۲
۲۳۹ کردی - ۲۳۹	سعودی - ۲۱۸، ۲۱۷، ۱۸۲، ۱۷۳، ۱۷۵
۱۹۶ کشی - ۱۹۶	سلوکی - ۱۹۶
۱۸۲، ۱۶۰، ۱۵۱ - ۵۳، ۱۴۶ - ۴۹ لبنانی - ۱۸۲، ۱۶۰، ۱۵۱ - ۵۳، ۱۴۶ - ۴۹	سوری - ۱۶
۲۷۵ (قبیلہ) نخم - ۲۷۵	شامی - ۱۴۶
۱۶ لودھی - ۱۶	صفوی خاندان - ۱۱۵، ۹۵، ۹۱، ۹۰
۴۲ مجددی - ۴۲	صلیبی - ۲۳۲
۱۹، ۱۸ مرہٹہ - ۱۹، ۱۸	قوم (عاد) - ۲۱۲
۱۶ مغل - ۱۶	عباسی - ۹۰
۲۷۸، ۲۷۷ نبطی - ۲۷۸، ۲۷۷	عبرانی - ۲۷۷
۱۹۷، ۱۰۱ نصاریٰ - ۱۹۷، ۱۰۱	عجم (عجمی) - ۱۲۹، ۱۲۳، ۱۱۹
۱۳۲ نورولی (خاندان) - ۱۳۲	عرب (عربی) - ۱۱۸، ۷۱ - ۷۳، ۶۴، ۶۲، ۶۱
۲۷۷، ۱۳۳ یونانی - ۲۷۷، ۱۳۳	۱۵۱، ۵۲، ۱۴۶ - ۴۷، ۱۳۷، ۱۲۹، ۱۲۳، ۱۱۹
۲۳۳، ۱۹۷، ۱۷۸، ۱۰۱ یهود - ۲۳۳، ۱۹۷، ۱۷۸، ۱۰۱	۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۳، ۱۷۷، ۱۷۲، ۱۵۵
	۲۷۸ - ۷۹، ۲۴۶ - ۴۷، ۲۲۰

سلطنتیں

۲۳۴، ۲۳۳، ۱۴۶، ۱۳۶	سلطنت عثمانیہ	۲۳۱	بازنطینی سلطنت
۴۷	غزوئی سلطنت	۸۶	سلجوقی سلطنت
۴۵	مغل سلطنت	۲۶۴، ۱۹۸، ۱۴۷	سلطنت عباسیہ (عباسی خلافت)

ادارے اور تحریکات

۱۸۳	بی۔ بی۔ سی لندن	۲۲۷، ۱۳۲	انخوان المسلمین (الف)
۱۵۳	بیروت عربی یونیورسٹی		ادارہ اوقاف عمان ملاحظہ وزارت
	(ت)	۲۲۶	اردن یونیورسٹی
۳۵	تبلیغی جماعت	۸۲	آریہ مہر یونیورسٹی (تہران)
۸۷، ۸۴	تہران یونیورسٹی	۱۴۲، ۱۳۳	ازہر لبنان
	(ج)	۲۲۵	اسپتال عمان
۵۵، ۳۹، ۲۷	جامع ازہر		اسلامی ثقافتی مرکز اردن ملاحظہ مرکز اسلامی
۱۵۳، ۲۴	جامعہ ملک عبدالعزیز (جده)	۱۳۹	اسلامی شفا خانہ طرابلس
۹۳	جامعہ نظامیہ بغداد	۱۳۹، ۱۳۳	اسلامی یتیم خانہ بیروت
۱۶۲	الجماعۃ الاسلامیۃ (لبنان)		اطلاعات و نشریات اردن ملاحظہ محکمہ
۱۶۱	جماعۃ عباد الرحمن (لبنان)	۲۴، ۲۳	امانت عامہ (جنرل سکرٹریٹ رابطہ)
۲۰۲	جمعیۃ انقاذ فلسطین بغداد	۱۳۸، ۸۱	امرکین یونیورسٹی بیروت
۱۶۲	جمعیۃ تعلیم ابنہ المسلمین فی القری		(ب)
۱۶۲، ۱۶۱	جمعیۃ الرابطۃ الاسلامیۃ (بیروت)	۱۷۳	بعث پارٹی (شام)
۱۴۵	جمعیۃ رعایت الیتیم (صیدا)	۱۹۴	بغداد یونیورسٹی
۳۹	جمعیۃ العلماء (افغانستان)		

رابطه العلماء — ملاحظه ہو — جمعیتہ العلماء

رابطہ العلوم الاسلامیہ (اردن) — ۲۴۹، ۲۳۹

زراعتی اسکول (شوبک) — ۲۷۷

(س)

سعودی سفارتخانہ بغداد — ۱۹۵، ۱۸۹

دشق — ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵

کابل — ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

لبنان — ۱۸۹، ۱۷۵، ۱۶۲، ۱۳۲

سنٹرل وقت بورڈ کابل — ۳۱

(مش)

شام یونیورسٹی — ۲۸۰

شلتز (جرمن مشنری) — ۲۲۷

(ع) (ف)

عراقی حکومت — ۱۹۵، ۱۸۹

عراقی میوزیم — ۱۹۶

(ادارہ) علوم اسلامیہ تہران — ۸۴

عبدی مشنری (سیرت) — ۲۲۵

فلاحی انجمن مرکز اسلامی (اردن) — ۲۲۷

(ک)

کابل یونیورسٹی — ۵۸، ۵۷، ۲۹، ۲۵

کنتجانہ ازہر لبنان — ۱۳۳

کلیتہ اصول الدین ازہر — ۲۷

کلیتہ الالہیات تہران — ۸۴، ۸۲

جمعیتہ العلماء (شام) — ۱۸۰

اجمعیۃ الغراء (دمشق) — ۱۸۱

جمعیتہ المحافظہ علی القرآن الکریم — ۱۶۲

جمعیتہ المقاصد الاسلامیہ (لبنان) — ۱۶۲

(ح)

حکومت اسرائیل — ۲۴۴

حکومت ایران — ۱۰۵

حکومت سعودیہ — ۱۶۲، ۱۵۳

حکومت شام — ۱۷۹

(>)

دارالافتاء (لبنان) — ۱۵۸، ۱۵۲، ۱۳۲

دار التبلیغ الاسلامی (قم) — ۸۵، ۸۴، ۸۲

دارالحفاظ (کابل) — ۲۵

دارالعلوم دیوبند — ۴۰

دارالعلوم (کابل) — ۴۴، ۲۸

دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) — ۱۸۰، ۱۳۱، ۱۲۱، ۱۱۱، ۱۰۱، ۹۱، ۸۱، ۷۱، ۶۱، ۵۱، ۴۱، ۳۱، ۲۱، ۱۱، ۱، ۰

دارالتعلم (کویت) — ۲۴۷

دارالہلال (ترکی) — ۱۲

دمشق یونیورسٹی — ۱۶۷

دیوان الاوقاف (لبنان) — ۲۰۲، ۱۹۱، ۱۹۰

(س) (ن)

رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) — ۲۴۴، ۲۳۳، ۱۰۰۹

۱۳۰۳، ۱۲۴، ۱۱۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

۱۳۵ ————— مسلم یتیم خانہ - صیدا	۱۶۷، ۱۶۱ ————— کلیۃ الشریعہ دمشق
۲۷۴ ————— (مطبع) مصطفیٰ البابانی الحلبی مصر	۲۸۰ ————— " " شام
۲۳۱، ۲۲۰ ————— مدرسہ شرعی اردن	۲۸۰، ۲۷۹، ۲۳۹ ————— " " عمان
۱۶۱ ————— مکتب اسلامی - بیروت	۳۸، ۲۹، ۲۶، ۲۵ ————— " " کابل
۲۲۶ ————— مکتبۃ المسجد الاقصیٰ	۱۶۱ ————— " " کرمہ
۲۹ ————— لمالی گرس کالج - کابل	۲۵۱ ————— الکلیۃ العلمیۃ الاسلامیہ
۲۷۹، ۲۳۹، ۲۲۷ ————— دمشق	۲۲۶ ————— لائبریری مسجد احمد زرقار
۱۴۶ ————— مؤتمر عالم اسلامی - بیروت	۱۵۳ ————— لبنان یونیورسٹی
۱۶۲ ————— مؤسسۃ الانحدامات الاجتماعیہ - لبنان	
۱۵۳ ————— (تحریک) ندوۃ العلماء	۱۸۹ ————— مجلس اوقاف - عراق
۱۹۷ ————— نقاب الاشراف - عراق	۱۵۳ ————— مجلس شوریٰ حکومت سعودیہ
۲۳۰ ————— (مطبع) نوکثور - لکھنؤ	۱۹۵، ۱۹۴ ————— المجمع العلمی العراقی
۳۹ ————— (محکمہ) نیابت عامہ (حکومت کابل)	۱۹۵، ۱۹۴ ————— المجمع العلمی الکردی
۳۸ ————— وزارت اطلاعات و نشریات - کابل	۱۸۱ ————— مجمع اللغۃ العربیۃ - دمشق
۸۰ ————— وزارت اوقاف - ایران	۴۷ ————— محکمہ آثار قدیمہ - کابل
۱۹۷ ————— وزارت الاقاف - عراق	۲۱۹ ————— محکمہ اطلاعات و نشریات - اردن
۲۶۶، ۲۱۸، ۲۰ ————— عمان	۱۰۵ ————— محکمہ اوقاف - ایران
۴۰، ۳۸، ۲۶، ۲۵ ————— وزارت تعلیم - کابل	۱۴۲، ۱۳۹ ————— محکمہ اوقاف - لبنان
۴۷، ۴۳ —————	۱۳۹ ————— محکمہ قضا و افتار - لبنان
۱۹۵، ۱۹۳، ۱۹۰ ————— وزارت خارجہ - بغداد	۲۲۰ ————— مدنیہ یونیورسٹی
۱۳۲ ————— لبنان	۲۴۷، ۲۴۵، ۲۴۱ ————— مرکز اسلامی - اردن
	۸۴ ————— مرکز التقرب بین المذاهب الاسلامیہ لبنان

وزارت مالیه - سعودیہ ————— ۱۶۲
الہیئۃ العربیۃ العلیا لفلسطین ————— ۱۶۶

وزارت عدل - کابل ————— ۳۹
وزارت عظمیٰ - ایران ————— ۸۱

کتابیات

(سنن) ترمذی ————— ۲۴۰/۲۶۹

(اخبار) تعمیر حیات ————— ۱۱

(تفسیر) تفہیم القرآن ————— ۹۴

(ح)

حاضر العالم الاسلامی ————— ۲۶/۱۵

(رسالہ) سفارت الاسلام ————— ۲۸۰

حلیۃ الاولیاء ————— ۱۸۸/۹۰

(رسالہ) الحیاء ————— ۱۸۳

حیاء محمدؐ ————— ۲۴۵

(خ) >

خطر یہودیۃ العالمیۃ علی الاسلام وایمانیۃ ————— ۲۴۴

ڈارزی معرکہ فلسطین (عبداللہ اسلم) ————— ۲۴۴

(س)

(جریدہ) الرائد ————— ۱۳۱

رد المحتار (شامی) ————— ۱۸۱

الرسالۃ التحمدیۃ ————— ۱۳۹، ۱۴۰

رسالہ میرزاہد ————— ۱۸

روایات الاغانی ————— ۱۸۸/۹۰

روڈ ٹو مکہ ————— ۱۶۹

(الف)

(سنن) ابن ماجہ ————— ۲۴۰

(سنن) ابی داؤد ————— ۱۰۲/۱۰۱

(سنن) احمد ————— ۲۴۰

(کتاب) آرام گاہ غزالی ————— ۸۴

(رسالہ) ازمتہ ایمان و اخلاق ————— ۲۰۲

الاسفار الاربعہ ————— ۹۳

اشیاء ————— ۲۴۴

اکتشاف کہف اہل الکہف ————— ۲۵۰

الف لیلہ و لیلہ ————— ۱۹۶/۱۸۸

(ب)

بال جبریل ————— ۵۰

بخاری ————— ملاحظہ ہو ————— صحیح

البدایہ والنہایہ ————— ۴۸

(ت)

تاریخ دعوت و عزیمت ————— ۱۹۴

تاریخ ہندوستان ————— ۸۸

(تفسیر) ترجمان القرآن ————— ۹۴

ترجمہ قرآن (فتح محمد) ————— ۲۰۹

گلستان و بوستان ————— ۹۲

(جریده) اللوار ————— ۲۱۹

(۴)

مدارج السالکین ————— ۴۲

مذکرات سائح فی الشرق العربی ————— ۱۶۷، ۱۱

مرصد الاطلاع ————— ۸۶

(رساله) المراقب ————— ۱۳۶

المسلمون فی لبنان مواطنون لارعايا ————— ۱۴۹

معرکة ايمان وما دیت ————— ۲۴۹

مفردات غریب القرآن ————— ۹۰

مکاتب محمدی ————— ۳۲

منازل السائرین ————— ۴۲

من نهر کابل إلى نهر الیرموک ————— ۱۲

(سنن) مؤطا ————— ۱۰۱

(۵)

نزهة الخواطر ————— ۱۸

(سنن) نسائی ————— ۲۶۹

نقوش اقبال ————— ۵۰

(۶)

وفیات الایمان ————— ۸۹

(حضرت شاه) ولی الشکر کے پانچ خطوط (خلیق احمد ظہاری) ۱۹

(۷)

(رساله) الہادی — ایران ————— ۸۲

(۸)

سیرت ابن ہشام ————— ۲۷۴-۷۱۱۰۴

سیرت سید احمد شہید ————— ۲۷۱، ۲۳، ۲۲

(۹)

شاہنامہ (فردوس) ————— ۸۵

شرح ہدایت الحکمہ (صدرا) ————— ۹۳

شعر العجم ————— ۵۱

(۱۰)

صحیح بخاری ————— ۲۶۹، ۱۰۴

صفة الصفوة ————— ۱۸۸

صمصام الاسلام ————— ۲۳۰

(ط) (ع)

الطریق إلى مکة ————— ۱۷۰

العرب والاسلام ————— ۱۵۳

(۱۱)

فتوح اشام ————— ۲۲۹

(رساله) الفکر الاسلامی تہران ————— ۸۲

(۱۲)

قاعہ بغدادی ————— ۱۸۷

قصۃ الایمان بین الفلسفۃ وعلوم القرآن ۱۳۹

(کتاب) قیام اللیل ————— ۲۰۹، ۲۰۵

(ک) (گ) (ل)

کتاب الاغانی ملاحظہ روایات الاغانی

حبش ————— ۱۰۴

حجاز ————— ۲۷۸، ۲۴۲، ۱۶۸

حجر ————— ۲۷۸

المحضرة انقادریة — ملاحظه ہو — مقابر

حلب ————— ۱۷۹

حما ————— ۱۶۷

حمہ ————— ۲۴۴، ۱۷۹

حمص ————— ۱۷۹

حجی اکراد (دمشق) ————— ۱۷۳

خراسان ————— ۸۹، ۷۲

(>)

دائرة شاه علم الشیر — رائے بریلی — ۲۳۷

درہ خیبر ————— ۱۹

دکادک ————— ۲۳۸

دشت — ۶۳، ۱۳۰ — ۷۰، ۱۶۰ — ۱۶۵

۷۵ — ۸۰، ۱۷۳ — ۸۳، ۱۷۲

۱۸۹ — ۱۲۱۳، ۱۲۱۹، ۱۲۲۷، ۲۴۴

(<)

راشیا ————— ۱۸۷

رائے بریلی ————— ۲۲۷

رضافہ ————— ۲۰۱، ۱۳۰

رغدان (ارون) ————— ۲۲۱

رمادی (عراق) ————— ۱۹۳، ۱۹۲

بیروت — ۳۸، ۸۱، ۲۴، ۱۲ — ۱۳۲، ۱۳۰

۱۵۱، ۱۵۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۸۲، ۱۸۲، ۲۲۶، ۱۸۹

(پ)

پاکستان — ۴۲، ۵۵، ۴۴، ۶۰، ۹۸، ۲۱۸

پنجتہ نستان ————— ۵۳، ۳۹

پشاور ————— ۴۴

پنمان ————— ۵۳، ۴۶

(ت) (ط)

تبریز ————— ۹۰

تخت جشید ————— ۹۴، ۹۳

ترکی ————— ۲۴۹، ۱۲

تہران — ۸۵، ۵۷ — ۸۰، ۸۸، ۹۱، ۱۰۴

(ریاست) ٹونک ————— ۴۴

(ج) (چ)

جا کرتا ————— ۲۳۱

جدہ — ۱۶۵، ۱۶۱، ۱۵۳، ۱۳۲، ۲۴۴

جوش ————— ۲۴۱

جزیرۃ العرب ————— ۱۲۹، ۱۱۹، ۱۱۷

جسر (بغداد) ————— ۲۰۱

جولان (گولان) ————— ۱۷۸

چین ————— ۸۵، ۵۴

(ح) (خ)

حاصبیا ————— ۱۸۷

شارع متنبی ————— ۱۹۵	روس ————— ۱۹۳/۱۹۱/۱۴۸/۵۵/۵۴/۱۹
شارع مطار (دمشق) ————— ۱۴۸	روما ————— ۲۴۸
شام ————— ۱۳۶/۱۳۰/۱۲۹/۱۱۹/۳۴/۹	رے ————— ۸۳
۱۴۳/۱۶۴ ————— ۷۱/۱۶۵/۱۶۱/۱۴	(س)
۲۴۸/۲۴۵/۲۴۳/۱۴۵ ————— ۸۱	زبدانی ————— ۱۸۰
شفوره (دمشق) ————— ۱۶۵	زرقاء ————— ۲۵۰
شرق اردن ————— ملاحظہ ہو ————— اردن	زریں نعل (تہران) ————— ۱۱۶
شوہک ————— ۲۴۴	(م)
(محلہ) شیخ محی الدین ابن عربی (دمشق) ————— ۱۴۳	راحل (لبنان) ————— ۱۴۴
شیراز ————— ۹۱/۹۵/۸۴/۸۳/۸۱/۸۰	سرحد ————— ملاحظہ ہو ————— صوبہ سرحد
(ص) (ض)	سری لنکا ————— ملاحظہ ہو ————— لنکا
صوبہ سرحد ————— ۴۴	سعودی عرب ————— ۱۵۳/۱۳۱/۵۸/۵۶/۲۴
صیدا ————— ۱۴۴/۱۴۵/۱۴۲/۱۳۸/۱۳۴	۲۳۹/۲۲۱/۲۱۴
ضانہ ————— ۲۴۴	سلط (اردن) ————— ۲۴۰
(ط)	سلمان پور ————— ۱۹۴
طابران (طوس) ————— ۸۶	سمرقند ————— ۵۲
طبریہ ————— ۲۴۴	سندھ ————— ۱۲۹
طرابلس ————— ۱۵۵/۱۳۸ ————— ۴۱/۱۳۴	سوریا ————— ملاحظہ ہو ————— شام
طرسوس ————— ۲۴۹	سوف فلسطینی کیپ ————— ۲۴۲
طوس ————— ۸۹/۸۸/۸۶/۸۵	سوئزر لینڈ ————— ۱۳۴
(ع)	سیر (طرابلس) ————— ۱۴۰
عراق ————— ۱۹۶/۱۹۵/۱۹۱ ————— ۹۳/۱۳۰/۱۲۹/۹	(ش)
۲۰۲	شارع ابونواس (بغداد) ————— ۱۸۹

کراچی	۲۳۱	عمان	۲۲۵، ۲۲۲، ۲۱۷، ۱۹۰، ۲۱۳، ۱۸۰، ۱۱۱
کربلا	۱۹۴، ۱۹۳، ۱۰۵	۲۴۹، ۲۶۵-۵۰، ۲۳۹-۴۱	
کرخ	۲۰۱، ۱۳۰	(ع)	
کرک (اردن)	۲۷۷، ۲۷۳، ۲۶۶، ۲۶۵	غزناط	۵۲، ۴۶
کشمیر	۴۶	غزنی	۵۲، ۵۰، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۳۴
کوفہ	۱۹۳، ۱۸۸، ۱۳۰	غزنین	۲۲
کویت	۲۴۷، ۲۱۸، ۲۱۳	خوطا و شق (تفریح گاہ)	۱۷۳، ۱۶۸
کھف الرجیب	۲۵۰	(ف)	
(ل)		فرات	۲۷۸
لاہور	۲۷۱، ۲۶۶، ۲۴۲، ۲۲۳	فرانس	۱۵۰، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۳۶، ۱۳۰
لبنان	۱۳۸-۳۹، ۱۳۲-۳۶، ۱۲۹-۳۰، ۱۱۹-۳۱-۴۲-۵۰، ۱۱۴-۵۵، ۱۱۲-۶۰، ۱۱۵-۶۰، ۱۱۶-۱۸۰، ۱۱۷-۱۸۰	فرنگی محل	۱۷۹
لحظہ	۲۷۷	فلسطین	۲۴۷، ۲۳۸، ۲۲۷، ۱۳۴، ۱۲۹، ۱۹۴
لکھنؤ	۲۳۰، ۱۷۹، ۱۲۱، ۱۱۲	(ق)	
لندن	۱۸۳، ۱۱۷	قاہرہ	۲۴۷، ۲۲۶، ۱۳۸، ۴۳، ۱۱۱
(سری) لنگا	۱۱۳، ۲۴	قبرص	۲۷۹
لوی	۲۳۸	قرطبہ	۵۲، ۴۶
لیبیا	۱۳۹	قزوين	۹۱، ۹۰
(م)		قم	۱۲۴، ۱۱۰-۲، ۹۹، ۸۲-۸۴
ماسکو	۱۹۱	قندھار	۳۹
مایار	۲۷۰	(ن)	
مخيمات احسن فلسطين کیمپ	۲۴۲	کابل	۴۱-۴۷، ۳۹، ۳۴، ۳۰، ۲۴-۲۷، ۲۰-۲۲، ۱۱-۲۲
مدائن	۱۹۴	۲۱۹، ۱۳۹، ۷۱، ۵۶-۵۸، ۵۳	
		کافمین (بغداد)	۱۹۱

۱۲۹/۱۵ ————— هندوکش

(۷)

۲۲۲/۱۱ ————— یرموک

۲۳۱ ————— یروشلم

۷۹ ————— یونان

مدارس و درسگاه

جامعات و کلیات اور دارالعلوم ملاحظه فرمادے و تحریر کیا

۲۸ ————— مدرسہ ابی حنیفہ

۳۰ ————— مدرسہ استقلال (کابل)

۱۳۹ ————— مدرسہ الایمان (طرابلس)

۲۸ ————— مدرسہ دارالاحتفاظ

۱۹۲ ————— مدرسہ عبدالقادر جیلانی

۱۶۱ ————— مدرسہ الفتح الشانویہ

۴۴ ————— مدرسہ فتح پوری

۲۲۰ ————— مدرسہ الفقہان (اردن)

۴۳ ————— مدرسہ قلعہ جواد

۱۳۰ ————— مدرسہ مستنصریہ

۴۴ ————— مدرسہ ناصرہ (لوزک)

۱۳۰ ————— مدرسہ نوریہ

خانقاہ

۴۳، ۴۲ ————— خانقاہ قلعہ جواد

۱۸۰ ————— سیدنا جیلانی

مساجد

۱۲۹ ————— بیت اللہ شریف

۱۲۹ ————— مسجد نبوی

۲۷۹، ۲۳۳، ۴۳ ————— بیت المقدس

۲۷۸ ————— مدائن صالح

۲۷۵/۱۸۷ ————— مدینہ منورہ

۸۸-۹۰، ۱۸۴، ۱۸۳ ————— مشهد (ایران)

۱۷۶، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۱۹، ۱۰۳، ۹۳، ۵۵، ۳۹ ————— مصر

۲۷۸، ۲۷۴، ۴۱، ۸۱ —————

۲۷۷، ۲۷۵ ————— محان (شام)

۲۰۱ ————— معرہ

۱۸۰، ۱۳۱، ۱۰۵، ۸۱، ۵۳، ۴۲، ۲۲، ۱۹ ————— مکہ مکرمہ

۲۰۹ ————— ملتان

۱۴۶ ————— منصوریتہ المتین (لبنان)

۲۷۵ ————— مواب

۲۷۳-۷۷ ————— موتہ

۱۷۹ ————— محلہ میدان (دشق)

(ن) (و)

۱۹۴، ۱۹۳، ۱۰۵ ————— نجف

۸۶ ————— نوقان (طوس)

۹۰، ۸۶ ————— نیشاپور

۲۷۷ ————— وادی عربہ

۲۴۹ ————— ولیکان

(۸)

۲۴۳ ————— بہارت

۲۸، ۲۵، ۲۴، ۲۲، ۲۱، ۱۵-۱۹ ————— ہندوستان

۶۰، ۵۹، ۵۵، ۵۰، ۴۴-۲۶، ۲۲، ۲۱، ۱۹، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ —————

۱۹۳، ۱۹۱، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ —————

الحضرة القادریہ (مزار حضرت عبدالقادر جیلانی)	جامع اموی ————— ۱۷۳
سعدیہ (مقبرہ شیخ سعدی) ————— ۱۹۰	جامع البغداد (دشوق) ————— ۱۷۳
سلمان پاک (مقبرہ حضرت سلمان فارسی) ————— ۱۹۴	جامع الشهداء ————— ۲۰۳، ۲۰۲، ۱۹۱
کانظمیہ ————— ۱۹۱	جامع مسجد اردن ————— ۲۲۲
مرقد حضرت خدایقربانیؑ ————— ۱۹۴	جامع مسجد پل خشتی (افغانستان) ————— ۴۵، ۴۴
مزار امام علی رضا ————— ۱۰۲، ۸۹، ۸۶، ۸۴	جامع مسجد چهارباغ (اصفہان) ————— ۸۴
امام غزالیؒ ————— ۸۷	شاهی مسجد تہران ————— ۸۴، ۸۲
جعفر بن ابی طالب ————— ۲۷۶	مسجد احمد زرقار ————— ۲۲۶
زید بن حارثہؑ ————— ۲۷۶	مسجد اردن یونیورسٹی ————— ۲۲۶
سلطان صلاح الدین ایوبی ————— ۱۸۱	مسجد امام ابی یوسف ————— ۱۹۰
شیخ نجم الدین ابن عربی ————— ۱۷۳	مسجد امام اعظم (بغداد) ————— ۱۹۰
عبداللہ ابن رواحہؓ ————— ۲۷۶	مسجد حضرت عبدالقادر جیلانی ————— ۱۹۷
مقبرہ نادر شاہ افشار (طوس) ————— ۸۸	مسجد سپہ سالار (تہران) ————— ۱۰۴، ۸۴، ۸۲
مقبرہ امیر عبدالرحمن خان غازی ————— ۲۵	مسجد سیدنا جعفر ابن ابی طالب ————— ۲۷۶
مقبرہ بابر (کابل) ————— ۴۶	مسجد سیدہ مصومہ ————— ۸۴
حکیم سنائی ————— ۴۹	مسجد شاہ عباس صفوی ————— ۸۴
خواجہ بلغار ————— ۵۰	مسجد طرابلس ————— ۱۳۹
سلطان محمود غزنوی (مزار شاہی) ————— ۵۰	مسجد مدرسہ ابی حنیفہ ————— ۲۸
سید ہلول دانا ————— ۵۰	مسجد قلعة جواد ————— ۴۳
سید علی لالا ————— ۵۰	مسجد گوہر (مشہد) ————— ۸۴
سیدہ مصومہ ————— ۱۰۲، ۸۴	مسجد شیخ لطف اللہ ————— ۸۴
شمس العارفین ————— ۵۰	مسجد مہدی شرعی (اردن) ————— ۲۲۱
	مسجد وکیل (شیراز) ————— ۸۴
	مقابر و مزارات
	حافظیہ (مدفن خواجہ حافظ شیرازی) ————— ۹۲

باغ وچین

- ۸۴ ————— باغ پنجان
۸۴ ————— چھارباغ (اصفہان)
۴۶ ————— شالارباغ
۴۶ ————— کارنیرباغ

دریا و سمندر

- ۱۳۹ ————— بحر روم
۲۲ ————— بحر ہند
۲۴۴ ————— بحیرہ طبریہ
۱۹۴، ۱۸۹، ۱۸۸، ۶۶ ————— دجلہ
۱۲۹ ————— دریائے سندھ
۲۴۹ ————— دریائے قسطنطنیہ
۶۹، ۱۱ ————— دریائے کابل
۲۴۴، ۲۴۲، ۱۱ ————— دریائے یرموک
۱۸۸ ————— فرات

پہاڑ

- ۱۳۲ ————— جبل بحدون
۱۴۴، ۱۳۲ ————— جبل لبنان
۱۲۹ ————— کوہ اطلس
۱۲۹ ————— کوہ اندلس
۱۵ ————— کوہ ہمالیہ
۱۲۹ ————— کوہ ہندوکش
۲۴۲-۴۴ ————— گولان

محل و عمارات و آثار

- ۲۴۲ ————— اسٹیڈیم جرش

- ۹۳ ————— اہرام مصر
۸۸ ————— تخت طاؤس
۱۹۰ ————— قصر جمہوری (بغداد)
۲۲۱ ————— قصر شامی (اردن)
۲۲۱ ————— محل رغدان (اردن)
۸۴ ————— ہارونیہ (طوس)

ہوٹل و قیام گاہ

- ۱۸۹ ————— امبیڈر ہوٹل (بغداد)
۲۱۹، ۲۱۸ ————— انٹرکونٹیننٹل (اردن ہوٹل)
۸۱ ————— پارک ہوٹل (تہران)
۹۵، ۹۴ ————— سائرس ہوٹل (شیراز)
۹۵ ————— سرائے شیر (شیراز)
۱۳۲ ————— شیر ڈ ہوٹل جبل بحدون
۱۴۳ ————— فندق امتیہ الجدید (دمشق)
۲۴۸ ————— فندق عمان

- ۹۱ ————— مہمان سرائے شاہ عباس صفوی (اصفہان)
۸۲ ————— ہلٹن ہوٹل (تہران)
۱۳۲ ————— ہوٹل بیروت
۲۱۸ ————— ہوٹل شیرانون
۴۱، ۵۶، ۲۵ ————— ہوٹل کابل

میوزیم

- ۲۴۴، ۲۴۶ ————— اسلامی میوزیم (موتہ)
۱۹۶ ————— عراقی میوزیم
۸۸ ————— میوزیم کالج گلستان

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

”.... یہ سفر نامہ ان ممالک (افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور شرق اردن) کی زندگی کے مختلف گوشوں، ان کے مسائل و مشکلات، وہاں کی فکری تہذیبی اور نفسیاتی کشمکش اور ان کی رہنمائی کی ضرورتوں کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن گیا ہے جس کی مدد سے ناظرین اور ان ممالک کے مستقبل سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو صحیح واقفیت اور ان ممالک کے حالات و حوادث کا صحیح ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ اس سفر کا آغاز افغانستان کے دارالحکومت کابل سے اور اس کا اختتام اردن کے دارالحکومت عمان پر ہوا، اس مناسبت سے مصنف نے کتاب کا نام ”دریائے کابل سے دریائے یرموک تک“ رکھا، یہ دونوں تاریخی دریا ان دونوں ملکوں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، اور ان سے ماضی و حال کے بہت سے تاریخی و اسلامی حوادث و حالات وابستہ رہے ہیں اور جن کے درمیان قرن اول کے اسلامی فتوحات کے دھارے نے ربط و اتصال پیدا کر دیا تھا؟ (از مقدمہ کتاب)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پبلیکیشنز